مجموعۂ قوانین اسلام

جلد سوم

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

مجموعۂ قوانین اسلام

جلد سوم

قوانین
نسب اولاد و حضانت
نفقۂ اولاد و آباء و اجداد
ہبہ اور وقف

تنزیل الرحمن

ایم - اے' ایل ایل - بی ' ایڈوکیٹ
اعزازی مشیر قانون
ادارۂ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد

یکے از مطبوعات
ادارۂ تحقیقات اسلامی (پاکستان) اسلام آباد

مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی
نمبر ۱۰ (۳)

اشاعت اول ۱۹۶۹ء ، طبع دوم ۱۹۷۶ء ، طبع سوم ۱۹۸۵ء ، طبع چہارم ۱۹۹۱ء
طبع پنجم ۱۹۹۸ء ، طبع ششم ۲۰۰۵ء ، طبع ہفتم ۲۰۱۰ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری ، ادارہ تحقیقات اسلامی
کوائف فہرست سازی دوران طباعت

تنزیل الرحمن ، ۱۹۲۸ء
مجموعہ قوانین اسلام جلد سوم ، قوانین نسب اولاد و حضانت،
نفقہ اولاد و آباؤ و اجداد، ہبہ اور وقف

(ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد
سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۰ (۳)
کتابیات ص ۱۱۷۳ ، ۱۱۷۳
اشاریہ ص ۱۱۵۳ ، ۱۱۷۲
۱ ۔ فقہ اسلامی ۲ ۔ نسب اولاد (فقہ اسلامی)
۳ ۔ حضانت (فقہ اسلامی) ۴ ۔ نفقہ (فقہ اسلامی)
۵ ۔ وقف (فقہ اسلامی) ۶ ۔ ہبہ (فقہ اسلامی)
الف ۔ عنوان ب ۔ سلسلہ

ISBN 969 - 408 - 012 - 6 طبع ہفتم ۲۰۱۰ء ن۳ 340.59 dc 20

طابع و ناشر ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد
مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد

فہرست مندرجات

نسب اولاد

اکیسواں باب

حضانت

بائیسواں باب

نفقۂ اولاد و آباء و اجداد

تئیسواں باب

ہبہ

چوبیسواں باب

وقف

پچیسواں باب

حرفِ آغاز

عالی جناب جسٹس ایس - اے - رحمٰن صاحب
سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ ، پاکستان

زیر نظر کتاب ، مجموعۂ قوانین اسلام کی تیسری جلد ہے - یہ سلسلۂ کتب چند سال قبل جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ کراچی نے ادارۂ تحقیقات اسلامی کی نگرانی اور سر پرستی میں شروع کیا تھا - پہلی دو جلدوں میں قانون ازدواج اور قانون طلاق کے مسائل کا جائزہ لیا گیا تھا ، اس جلد میں نسب اولاد ، حضانت ، نفقۂ اولاد و آبا و اجداد ، ھبہ اور وقف کے اھم موضوعات پر بحث کی گئی ہے -

فاضل مولّف علمی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں - آن کی شائع شدہ تالیفات نے انہیں تعارف سے بے نیاز کر دیا ہے - ان کا اسلامی فقه کا مطالعه وسیع ہے اور وہ دیگر اسلامی ممالک میں قانون کے ارتقائی پہلوؤں اور جدید قانونی نظریات سے بھی واقف ہیں - اس لیے آن کا انداز نظر اور پیرایه تحریر متوازن اور حامل احتیاط ہے - بلکه اگر یه کہا جائے که وہ اجتہاد کی بجائے ، قدامت پسندی کی طرف زیادہ مائل ہیں تو کچھ بے جا نه ہوگا - مثال کے طور پر ، حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق وہ حضرت عائشه کے قول پر انحصار کر کے محاکمه کرتے ہیں که احناف کا موقف اس بارے میں درست ہے که یه قول حضرت عائشه کی ذاتی رائے قرار نہیں دیا جا سکتا بلکه اسے رسول الله صلی الله علیه وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھنا چاھیے - غور طلب بات یه ہے که امام مالک ، امام شافعی ، اور امام احمد بن حنبل جیسے فاضل اور ثقه بزرگوں نے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے - اس ناچیز کا خیال ہے که جہاں اس قسم کا اختلاف اس اعلیٰ سطح پر موجود ھو اور کوئی صریح شواھد نه پائے جائیں جن سے قول زیر بحث کی نسبت مستند طور پر رسول اکرم سے کی جا سکے تو جدید اجتہاد کے لئے گنجائش کے حق میں فیصله ھونا چاھیے - ایسے معاملات میں جو تعبیرلص کی بجائے ، بادی النظر

میں مشاہدہ پر مبنی ہوں تقلیدی زاویۂ نگاہ عصری تقاضوں کے منافی ہوگا ۔ محض رائے کی قدامت اس کی اصابت کی ضامن نہیں ہو سکتی جب تک اس کے حق میں محکم دلیل مہیّا نہ ہو جائے ۔

ایسے اختلافی مقامات سے قطع نظر ، جہاں فاضل مؤلف اجتہادی ضرورتوں سے پہلو بچاتے نظر آتے ہیں ، اس مجموعہ کی علمی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ اسے اسلامی قانونی ضابطہ بندی کی طرف ایک اہم قدم سمجھنا چاہئے اور توقع رکھنی چاہیے کہ تحقیق کے اس نقش اول سے مزید غور و فکر کے لئے راہیں ہموار ہوں گی ۔ مجھے امید ہے کہ اہل نظر فاضل مؤلف کی مساعی کی کما حقہ قدر کریں گے ۔ اور انہیں دعائے خیر سے یاد کریں گے ۔

ایس ۔ اے ۔ رحمٰن

۶۵ گلبرگ ، لاہور
۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ع

پیش لفظ

عالی جناب جسٹس وحیدالدین احمد صاحب
چیف جسٹس، عدالت عالیہ مغربی پاکستان

قیام پاکستان کے بعد اس ملک میں اسلامی قوانین اور ان کے نفاذ کے متعلق گہری دلچسپی لی جا رہی ہے - ۱۹۷۲ء کے دستور میں بھی اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کے تحت پاکستان کے تمام مروجہ اور آئندہ بنائے جانے والے قوانین کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنا ضروری قرار دیا گیا ہے - "مجموعۂ قوانین اسلام" جو ادارۂ تحقیقات اسلامی شائع کر رہا ہے اس مسئلے کے حل میں کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوگا -

"مجموعۂ قوانین اسلام" کے مصنف تنزیل الرحمن صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں - اس سے قبل "مجموعۂ قوانین اسلام" کی جلد اول اور جلد دوم شائع ہو چکی ہیں - موجودہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے جلد سوئم کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے، فاضل مصنف نے اس جلد میں نسب اولاد، حضانت، ہبہ اور وقف کے مسائل کا جائزہ اسلامی قوانین کے نقطۂ نگاہ سے قرآن و سنت اور فقہ کی مستند کتابوں اور برصغیر ہند و پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں لیا ہے - مندرجہ بالا مسائل اتنے اہم ہیں کہ وہ سوسائٹی میں تقریباً ہر وقت پیش آتے ہیں اور ان مسائل پر فاضل مصنف نے بہت ہی خوبی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے -

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے نہ صرف مندرجہ بالا مسائل پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں بحث کی ہے بلکہ فقہ کی مستند کتابوں سے فقیہوں کے اختلاف پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے - اس کے علاوہ وہ دیگر اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین کو زیر بحث لائے ہیں - "مجموعۂ قوانین اسلام" ایسی

کتاب کی ضرورت ہمارے ملک میں عرصۂ دراز سے محسوس کی جا رہی تھی ۔ تنزیل الرحمٰن صاحب نے اپنی تصنیف سے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے میں بڑی مدد دی ہے ۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس میں کسی خاص اسلامی طبقے یا فرقے کی رائے کا پراپیگنڈہ نہیں کیا ہے بلکہ ہر مسئلے پر مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے غور کیا ہے ، فقہاء کی مختلف آراء بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنی رائے کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے ۔

اس سلسلے میں حکومت کی مساعی قابل ستائش ہیں ۔ دستور کی شق ۱۹۹ کے تحت اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی جا چکی ہے جس کا کام پاکستان میں مروّجہ قوانین کو قرآن اور سنت کی مطابقت میں لانا اور شرعی قوانین کے نفاذ میں حکومت اور قانون ساز اداروں کو مفید مشورے مہیّا کرنا ہے ۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جسے عمل میں لا کر حکومت نے ملک اور قوم کی بہت خدمت کی ہے ۔ خاص طور پر اسلامی قوانین کے مسائل کو غیر جانب دارانہ طریقے سے پیش کرنے کے لیے فاضل مصنف جیسے شخص کا انتخاب قابل استحسان ہے ۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر ادارۂ تحقیقات اسلامی اور جناب تنزیل الرحمٰن صاحب دونوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اس کتاب سے اسلامی قانون دان طبقے کو مفید مدد ملے گی اور جن مسائل میں اختلاف رائے ہے ان کا حل بھی سہل ہو جائے گا ۔

کراچی
۳۱ اگست ، ۱۹۶۸ع

وحید الدّین احمد

متن دفعاتِ قوانین

نسب اولاد حضانت
نفقۂ اولاد ہبہ
اور وقف

قانون نسب اولاد

متن (Text)

اکیسواں باب

نسب کی تعریف

۱۴۳ ـ نسب اس قانونی تعلق کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان عقد شرعی کے نتیجہ میں تولّد کے بعد اولاد کا اپنے والدین کے ساتھ پیدا ہوتا ہے ۔

اقسام نسب

۱۴۴ ـ نسب کی دو اقسام ہیں :

(۱) پدری ۔ (۲) مادری ۔

نسب کے اثرات

۱۴۵ ـ نسب سے ولایت ذات و جائداد ، نفقہ اور وراثت و وصیت سے متعلق حقوق اور ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں ۔

جائز النسبی

۱۴۶ ـ (۱) جائز النسبی کے لیے عقد شرعی کے بعد حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہوگی ۔

(۲) جائز النسبی کے لیے حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہوگی بشرطیکہ قرائن حمل ہوں اور شوہر یا اس کے ورثاء انکار و تکذیب نہ کریں ، الّا یہ کہ اس عرصہ میں زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ حمل قرار پا سکتا ۔

(۳) زوجہ کے معتدۂ طلاق یا وفات ہونے کی صورت میں اس نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو ، الّا یہ کہ شوہر یا اس کے ورثاء دو سال کے بعد بھی مولود کا دعویٰ کریں ۔

(۴) بصورت اقرار انقضاء عدت ، حمل کی زائد سے زائد مدت وقت اقرار سے (۱۸۰) یوم اور وقت فرقت یا موت سے دو سال ہوگی ۔

توضیح : مدت کے تعین کے لیے قمری ماہ و سال کا اعتبار کیا جائے گا ۔

ثبوت نسب بہ حکم شرعی

۱۴۷ ۔ جب کسی مرد اور عورت میں بلا شک و شبہ ازدواجی تعلق (خواہ صحیح ہو یا فاسد) مشہور اور معروف طریقے پر قائم ہو کر شرع اسلام کے مقررہ اصول کے مطابق بچے کی پیدائش ہوئی ہو تو بحکم شرعی بچہ صحیح النسب کہلائے گا ۔

ثبوت نسب بذریعہ دعویٰ

۱۴۸ ۔ کسی مرد اور عورت میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو کر بچے کی صحیح النسبی بذریعہ دعویٰ ثابت ہو سکتی ہے ۔

نسب بذریعہ شہادت

۱۴۹ ۔ بچے کی صحیح النسبی کا قیاس ان حالات سے کیا جا سکتا ہے جن سے اس کے والدین میں نکاح کا ہونا قیاس کیا جا سکتا ہو :

(الف) کسی مرد اور عورت میں ازدواجی تعلق قائم ہو کر شریعت اسلامیہ کے مقررہ اصول میں شک و شبہ کے احتمال کے ساتھ بچے کی پیدائش ہوئی ہو تو اس کا نسب بذریعہ حجت ظنی (شہادت و قیاس) ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

(ب) قیام نسب کے سلسلے میں شرعی اثبات کے تمام وسائل قبول کیے جائیں گے ۔

نسب بذریعہ اقرار

۱۵۰ ۔ جب کسی بچے کا نسب غیر متعین ہو تو شرع اسلام کے مطابق اقرار کے ذریعہ نسب ثابت کیا جا سکے گا ۔ مگر لازم ہے کہ اس اقرار کا اثر ، سوائے ماں باپ اور بچے کے ، دیگر اشخاص پر ان کی تصدیق کے بغیر نہ پڑے گا ۔

اقرار بالنسب سے رجوع

۱۵۱ ۔ اقرار بالنسب جو بہ پابندی احکام شرع کیا جائے ناقابل رجوع ہوگا ۔

متبنی بنانا

۱۵۲ ۔ اسلام میں کسی کو متبنیٰ بنانا بہ لحاظ احکام شرع بے اثر ہوگا ۔

قانون حضانت

متن (Text)

بائیسواں باب

پرورش کا حق

۱۵۳ ۔ سات سال سے کم عمر لڑکے اور تا حد بلوغ لڑکی کی حضانت کا حق ماں کو حاصل ہوگا الاّ یہ کہ کسی سبب سے شریعت نے اس کو غیر مستحق قرار دیا ہو :

مگر لازم ہے کہ حق حضانت میں بچے کی فلاح و بہبود اور حفاظت کا لحاظ رکھا جائے ۔

ماں کے بعد رشتہ دار عورتوں کا حق

۱۵۴ ۔ ماں کے نہ ہونے یا اپنے حق سے دست بردار ہو جانے یا شرعاً غیر مستحق قرار دیے جانے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی حضانت کا حق مفصلۂ ذیل رشتہ دار عورتوں کو علی‌الترتیب حاصل ہوگا :

نانی (پرنانی بھی شامل ہے) ، دادی (پردادی بھی شامل ہے) ، حقیقی بہن ، اخیافی بہن ، علاتی بہن ، حقیقی بہن کی بیٹی ، اخیافی بہن کی بیٹی ، علاتی بہن کی بیٹی ، خالہ اور پھوپھی ۔

مردوں کا حق حضانت

۱۵۵ ۔ جب کہ حضانت کی مستحق عورتوں میں سے کوئی موجود نہ ہو یا اس کے لیےآمادہ نہ ہو یا اس کا حق ساقط ہو گیا ہو تو پھر مردوں کو بہ ترتیب عصوبت حضانت کا حق ہوگا ۔

بچوں کی پرورش کرنے والوں کی شرائط

۱۵۶ ۔ بچے کی پرورش کرنے والے کے لیے لازم ہےکہ بالغ اور عاقل ہو اور بچہ کی مناسب پرورش پر قادر ہو اور اس میں کوئی ایسا امر مانع موجود نہ ہو جو اسے بچے کی حضانت کے ناقابل بنا دے ۔

مائیں کب ناقابل حضانت قرار پاتی ہیں

۱۵۷ ۔ ماں کا ترجیحی حق حضانت کسی ایسے اجنبی سے نکاح کر لینے سے ساقط ہو جائے گا جو بچہ کا محرم نہ ہو الا یہ کہ عدالت کی رائے میں نابالغ کا اپنی ماں کی حضانت میں رہنا اس کی بہبود میں ہو ۔

قانون نفقۂ اولاد

متن (Text)

تئیسواں باب

اولاد کے نفقے کی ذمہ داری

۱۵۸ ۔ باپ اپنے بیٹوں کے بالغ ہو جانے تک اور بیٹیوں کے نکاح ہو جانے تک حسب استطاعت نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا ۔

اولاد کا صحیح النسب ہونا ضروری ہے

۱۵۹ ۔ باپ صرف صحیح النسب اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا ۔

ماں اور دادا کی ذمہ داری

۱۶۰ ۔ (۱) باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری بشرط مقدرت ماں پر ہوگی ۔

(۲) والدین کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقے کی ذمہ داری بشرط مقدرت ان کے دادا پر عائد ہوگی ۔

آبا و اجداد کا نفقہ

۱۶۱ ۔ اولاد پر اپنے حاجت مند آباء و اجداد کو نفقہ دینا واجب ہے ۔ خواہ وہ اس کے ہم مذہب نہ ہوں ۔

دیگر رشتہ داروں کا نفقہ

۱۶۲ ۔ مسلمان رشتہ داروں پر واجب ہےکہ اپنے حاجت مند رشتہ داروں کو جن سے میراث کا باھمی تعلق ہو ، حسب قاعدۂ وراثت نفقہ دیں ۔

قانون ہبہ

متن (Text)

چوبیسواں باب

ہبہ کی تعریف

۱۶۳ ۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کا فوری اور بلا معاوضہ منتقل کرنا اور اس دوسرے شخص کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور صاحب مجاز کا اس شئے موہوبہ کو قبول

کر لینا ھبہ کہلاتا ہے :

مگر شرط یہ ہے کہ واھب (ھبہ کرنے والا) موھوبہ (ھبہ کی ھوئی) جائداد کے حق ملکیت اور اس پر اختیارات سے کلیتاً دستبردار ھو جائے ۔

انعقاد ھبہ

۱۶۴ ۔ ھبہ ایک عقد ہے جو ایجاب و قبول سے منعقد ھو جاتا ہے ۔

شہادت ھبہ

۱۶۵ ۔ انعقاد ھبہ کے لیے شہادت لازم نہیں ۔

ھبہ کی تکمیل

۱۶۶ ۔ ھبہ اس وقت تک مکمل نہیں ھوتا جب تک کہ ھبہ کرنے والا ھبہ کی ھوئی جائداد کا قبضہ موھوب لہ کے حوالے نہ کر دے ۔

استثناء : جن اشیاء کا قبضہ نہیں دیا جا سکتا ان کے ھبہ کی تکمیل واھب کے کسی ایسے فعل سے ثابت ھو جائے گی جس سے صاف طور پر یہ واضح ھوتا ھو کہ وہ جائداد کے حق ملکیت سے دست بردار ھو گیا ہے ۔

اھلیت ھبہ

۱۶۷ ۔ ھر عاقل و بالغ شخص بمتابعت احکام دفعہ ۱۷۲ مجموعہ ھذا اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کسی دوسرے شخص کو بذریعہ ھبہ منتقل کرنے کا مجاز ہے :

مگر لازم ھوگا کہ وہ شخص جس کے حق میں ھبہ کیا جائے وجود میں آ چکا ھو :

مزید لازم ھوگا کہ ھبہ بحالت مرض الموت یا دائنان کے حق کو متاثر کرنے یا فریب دھی کی نیت سے نہ ھو ۔

کن اشیاء کا ھبہ جائز ہے

۱۶۸ ۔ ھر ایسی شے کا ھبہ جائز ھوگا جس پر لفظ مال یا قیمتی جائداد کا اطلاق ھو سکتا ہے ۔

ھبہ کا تحریری ھونا ضروری نہیں

۱۶۹ ۔ جو ھبہ حسب شریعت اسلام کیا جائے اس کا تحریری ھونا لازمی نہیں ہے ۔

مشاع کا ھبہ

۱۷۰ ۔ (۱) ایسی جائداد مشاع کا ھبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ھو

لیکن اگر مشاع قابل تقسیم ہو تو ہبہ فاسد ہوگا ۔

(۲) جائداد مشاع کا ہبہ ، اگرچہ وہ قابل تقسیم ہو ، بلا تقسیم وقت ہبہ سے مفصلۂ ذیل صورتوں میں جائز متصور ہوگا :

(الف) جب کہ ہبہ ایک وارث دوسرے وارث کے حق میں کرے ۔

(ب) جب کہ ہبہ زمینداری یا تعلقداری کے ایک حصے کا ہو ۔

(ج) جب کہ ہبہ ایسی جائداد قابل وراثت کا ہو جو کسی بڑے تجارتی شہر میں واقع ہو ۔

دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے نام ہبہ

۱۷۱ ۔ قابل تقسیم جائداد کا دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے نام بغیر تقسیم ہبہ سوائے ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعہ ۱۷۰ (۲) میں کیا گیا ہے فاسد ہوگا ۔ اگر ہر ایک موہوب لہ جائداد کے اس حصے پر جو اسے دیا گیا ہے قابض ہو جائے تو وہ ہبہ صحیح ہوگا ۔

ہبۂ تفضیلی

۱۷۲ ۔ (۱) واہب اس امر کا مجاز نہ ہوگا کہ اپنی کل یا تہائی سے زائد جائداد و املاک بحالت صحت کسی غیر وارث یا اپنی کسی مخصوص اولاد کے حق میں دوسری اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ہبہ کرے الّا یہ کہ اس کا تفضیلی عمل مصالح شرعی پر مبنی ہو ۔

(۲) ہبہ تفضیلی کسی مصلحت شرعی پر مبنی نہ ہونے کی صورت میں قابل ابطال (voidable) ہوگا اور اولاد محروم بمتابعت احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ اس ہبہ کو بذریعہ عدالت باطل قرار دلانے کی مجاز ہوگی ۔

(۳) عدالت اس اطمینان کے بعد کہ واہب کے تفضیلی عمل کے لیے کوئی شرعی مصلحت موجود نہ تھی واہب کو بمتابعت احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ اس ہبہ سے رجوع کا حکم دے گی ۔

(۴) واہب کے فوت ہو جانے کی صورت میں شئے موہوبہ بمتابعت

احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ ، متوفی کے ترکہ میں شمار ہوگی اور بموجب قانون وراثت ، عمل درآمد کیا جائے گا ۔

(۵) دفعہ ھذا سے ھبہ بحالت مرض الموت یا ھبہ بالوصیت کے شرعی احکام متاثر نہ ہوں گے ۔

هبه تا حین حیات

۱۷۳ ۔ (۱) ھبہ حین حیات جائز ھے ۔

(۲) جو شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی شے تا حین حیات ھبہ کرے تو وہ شے موھوب لہ کے لیے اس کی حیات تک ھوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی قرار پائے گی اور تا حین حیات کی شرط باطل قرار پائے گی ۔

هبه رقبیٰ

۱۷۴ ۔ ھبہ رقبیٰ ناجائز ھے ۔

هبه بالعوض

۱۷۵ ۔ جب کوئی ھبہ معاوضہ کے ساتھ کیا جائے تو وہ ھبہ بالعوض کہلائے گا جو حصول عوض کے بعد نافذ متصور ھوگا ۔

هبه بشرط عوض

۱۷۶ ۔ جب کوئی ھبہ معاوضے کی شرط کے ساتھ کیا جائے تو وہ "ھبہ بشرط عوض" کہلائے گا ۔ ایسا ھبہ شرط عوض کی تکمیل پر نافذ ھوگا ۔

هبۂ موقوف

۱۷۷ ۔ ایسا ھبہ ناجائز ھوگا جس کا نفاذ کسی آئندہ وقت کے لیے ملتوی کر دیا گیا ھو ، سوائے ھبہ بالوصیت کے ۔

هبۂ مشروط

۱۷۸ ۔ جب ھبہ کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو اس کی تکمیل میں نقص پیدا کرتی ھو تو وہ شرط کالعدم ھے اور ھبہ کا نفاذ اس طرح ھوگا گویا کہ اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی گئی ۔

هبه بحالت مرض الموت

۱۷۹ ۔ جو ھبہ بحالت مرض الموت کیا جائے گا اس سے احکام وصیت متعلق ھوں گے ، بشرطیکہ واھب کی جانب سے جائداد موھوبہ کا فوری اور ناقابل تنسیخ انتقال ظاھر ھوتا ھو ۔

تنسیخ ہبہ

۱۷۹ ۔ واہب مجاز ہے کہ شئے موہوبہ کا قبضہ دینے سے پہلے جس وقت چاہے ہبہ کو منسوخ کر دے ۔

توضیح : اگر واہب عقد ہبہ کے بعد مگر قبضہ سے پہلے مر جائے تو مال موہوبہ واہب کی میراث میں داخل ہوگا ۔

(۲) واہب مجاز ہے کہ شئے موہوبہ کا قبضہ دینے کے بعد بھی ہبہ کو منسوخ کر دے ، الا یہ کہ :

(الف) واہب شوہر ہو اور موہوب لہہ زوجہ یا اس کے برعکس ۔

(ب) موہوب لہہ ذی رحم محرم ہو ۔

(ج) موہوب لہہ فوت ہوگیا ہو ۔

(د) شئے موہوبہ موہوب لہہ کی ملک اور قبضے سے بذریعہ فروخت یا ہبہ یا کسی اور طریقے سے نکل گئی ہو ۔

(ہ) شئے موہوبہ گم یا ضائع ہوگئی ہو ۔

(و) شئے موہوبہ کی ہیئت بدل گئی ہو ۔

(ز) کوئی اور شے ، شئے موہوبہ میں شامل ہوگئی ہو جس کا جدا کرنا ممکن نہ ہو ۔

(ح) ہبہ بالعوض ہو ۔

مگر لازم ہے کہ قبضہ دے دینے کے بعد بجز حکم عدالت ہبہ منسوخ نہیں کیا جا سکے گا ۔

(۳) بمتابعت احکام مندرجہ بالا واہب کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء ہبہ تفضیلی کو بموجب احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۲ بذریعہ عدالت منسوخ کرانے کے مجاز ہوں گے ۔

صدقہ

۱۸۰ ۔ صدقہ وہ عطیہ ہے جو آخروی ثواب کے لیے دیا جائے ۔

عاریت

۱۸۱ ۔ کسی شئے کو لینے اور اس سے استفادہ کرنے کی ایسی اجازت جسے دینے والا جب چاہے منسوخ کر دے "عاریت ہے" ۔

قانون وقف

متن (Text)

پچیسواں باب

تعریفات

۱۸۲ ـ (الف) کسی قیمتی شئے کی ذات (corpus of property) کو خدا کی ملکیت میں مقید کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر به اغراض مذهبی و خیراتی نیک نیت کے ساتھ دائماً صدقه کر دینے کا صاف اور صریح اظہار "وقف" کہلاتا ھے ۔

(ب) وقف کرنے والے شخص کو "واقف" یا "بانی وقف" کہا جاتا ھے۔

(ج) وقف جس فرد یا جماعت کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا جائے اس فرد یا جماعت کو "موقوف علیه" یا موقوف علیهم" کہا جاتا ھے ۔

(د) جس تحریر کے ذریعه سے وقف کا اعلان کیا جائے اس کو "وقف نامه" کہا جاتا ھے ۔

(ه) اگر وقف اس شرط کے ساتھ کیا جائے که وہ واقف کی وفات کے بعد نفاذ پذیر ھو تو ایسے وقف ک "وقف بالوصیت" کہا جاتا ھے ۔

(و) جو شخص اغراض وقف کے پورا کرنے اور واقف کی هدایات کے مطابق وقف پر عمل درآمد کرنے کے لیے مقرر کیا جائے اس کو "متولی وقف" کہا جاتا ھے ۔

الفاظ وقف

۱۸۳ ـ (۱) ھر ایسے کلمے سے وقف وقوع میں لایا جا سکتا ھے جو وقف کے لیے شرعاً مستعمل ھو ۔

(۲) اگر کوئی مسلمان بحالت صحت و بقائمی ھوش و حواس کسی شئے کے بارے میں جو اس کی ملک ھو موقوفه ھونے کا اقرار کرے تو وہ شئے موقوفه متصور ھوگی ۔

(۳) مریض (بحالت مرض الموت) کا اقرار وقف اس کے ترکہ کی ایک تہائی کے بقدر صحیح ہوگا ۔

توضیح : وقف کرنے کے لیے محض لفظ "وقف" ہی کا استعمال ضروری نہیں ۔

جواز وقف

۱۸۴ ۔ وقف کے جواز کے لیے حسب ذیل شرطوں کا ہونا ضروری ہے :

(۱) واقف عاقل ، بالغ اور آزاد ہو ۔

(۲) وقف کے وقت غیر محجور ہو ۔

(۳) وقف کے وقت شئے موقوفہ کا مالک ہو ۔

(۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ ہو ۔

(۵) وقف ماسوائے وصیت فوری ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہو الّا یہ کہ وہ شرط یقیناً موجود ہو یا موجود ہو جانے والی ہو ۔

(۶) شئے موقوفہ معروف اور مشخّص ہو ۔

(۷) بیع یا ہبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو ۔

(۸) وقف دوامی ہو ۔

اقرار وقف بحالت صحت و مرض الموت

۱۸۵ ۔ (۱) اگر کوئی مسلمان بحالت صحت و بقائمی ہوش و حواس کسی شئے کے بارے میں جو اس کے قبضہ ملک میں ہو موقوفہ ہونے کا اقرار کرے تو اس شئے کی نسبت اس کا اقرار صحیح ہوگا اور وہ شئے موقوفہ متصور ہوگی ۔

(۲) مریض کا اقرار وقف اس شئے یا اس کے ترکہ سے ایک تہائی کی بقدر (جو بھی کم ہو) صحیح ہوگا اور وہ شئے یا ترکہ کا حصہ موقوفہ متصور ہوگا ۔

مقصد وقف

۱۸۶ ۔ جس مقصد کے لیے وقف کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی یا عمل خیر میں شمار ہوتا ہو ۔

مشاع کا وقف

۱۸۷ ۔ جو جائداد ناقابل تقسیم ہو یا اس کی تقسیم سے اس کی افادیت متاثر ہونے کا خطرہ ہو اس کے غیر منقسمہ حصے کا وقف جائز ہوگا البتہ قابل تقسیم ہونے کی صورت میں غیر منقسمہ حصہ کا وقف بلا تقسیم جائز نہیں ۔

استثناء : مسجد یا مقبرہ کے لیے مشاع کا وقف ناجائز ہوگا ۔

قرضدار کا وقف

۱۸۸ ۔ (۱) اگر واقف کا قرض اس کی تمام املاک پر حاوی ہو تو اس کا وقف کرنا جائز نہ ہوگا ۔

(۲) کسی شخص کا بدنیتی سے اپنے قرض خواہان کو ضرر پہونچانے کی غرض سے وقف کرنا درست نہ ہوگا ۔ ایسا وقف قرض خواہان کی جانب سے وقف کا علم ہونے سے تین سال کی مدت کے اندر بذریعہ عدالت منسوخ کرایا جا سکتا ہے ۔ مگر لازم ہے کہ وقف کے وجود میں آ جانے کے ۱۲ سال بعد یہ حق ساقط متصور ہوگا ۔

وقف بالوصیت

۱۸۹ ۔ (۱) واقف کی زندگی کے بعد اس کی وصیت کے ذریعہ سے وقف قائم ہو سکتا ہے جس سے احکام وصیت متعلق ہوں گے ۔

(۲) وقف بالوصیت واقف کی موت سے پہلے ہر وقت منسوخ کیا سکتا ہے ۔

وقف بحالت مرض‌الموت

۱۹۰ ۔ مرض الموت میں کیے گئے وقف پر ہبہ بالوصیت کے احکام مرتب ہوں گے ۔

وقف علی الاولاد

۱۹۱ ۔ کسی شخص کے لیے جو مذہب اسلام کا پیرو ہو جائز ہوگا کہ وہ کوئی وقف جو شرع اسلام کی شرائط کے مطابق ہو منجملہ دیگر مقاصد کے حسب ذیل مقاصد کے لیے قائم کرے :

(الف) کلیتاً یا جزاً اپنے خاندان ، اولاد یا نسل کی پرورش گزارے کے لیے ۔

(ب) نیز اگر واقف حنفی مسلمان ہو تو اپنی زندگی میں خود اپنی پرورش یا گزارے کے لیے یا جائداد موقوفہ کی آمدنی یا منافع سے اپنے قرضے ادا کرنے کے لیے۔

مگر شرط یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں آخری مفاد ، صراحتاً یا کفایۃً مساکین کے لیے یا کسی دوسرے مقصد کے لیے مخصوص کر دیا جائے جو از روئے شرع اسلام مستقل نوعیت کا مذہبی صالح اور خیراتی مقصد تسلیم کیا جاتا ہو۔

توضیح : کوئی ایسا وقف ، محض اس وجہ سے ناجائز متصور نہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ سے جو مفاد مساکین یا دیگر مستقل نوعیت کے مذہبی صالح یا خیراتی مقصد کے لیے مخصوص کیا جائے وہ واقف کی خاندانی اولاد یا نسل کے منقطع ہو جانے کے وقت تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

تنسیخ وقف

۱۹۲ ۔ جو وقف واقف کی زندگی میں تکمیل پا چکا ہو منسوخ نہ کیا جا سکے گا ۔ البتہ وقف بذریعہ وصیت واقف کی موت سے قبل کسی وقت بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

تولیت وقف

۱۹۳ ۔ (۱) واقف اس امر کا مجاز ہوگا کہ وقف کی تولیت اپنی ذات یا کسی دیگر فرد یا افراد کے لیے بالترتیب مخصوص کر دے۔

(۲) تولیت کی عدم صراحت کی صورت میں واقف وقف کا متولی تصور ہوگا ۔ واقف کے بعد تولیت کا حق وصی اور اس کے بعد حاکم وقف کو حاصل ہوگا۔

اہلیت متولی

۱۹۴ ۔ وقف کی تولیت کا ایسا شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) مستحق ہوگا جو عاقل و بالغ ہو ، فسق و فجور کے ساتھ معروف نہ ہو ، امین ہو اور انتظامی قدرت رکھنے والا ہو خواہ بذات خود یا بتوسط نائب۔

متولی کی معزولی اور تقرر جدید

۱۹۵ ـ اگر کوئی متولی فرائض تولیت انجام دینے کا اھل نہ ھو تو عدالت معقول وجوہ کی بناء پر موجودہ متولی کو علیحدہ کرنے کی مجاز ھوگی ـ لیکن متولی مقرر کرتے وقت عدالت حتی الامکان واقف کی منشاء کا لحاظ رکھے گی اور جہاں تک ممکن ھوگا واقف کے اھل خاندان میں سے کسی موزوں شخص کو متولی مقرر کرے گی ـ

جائداد موقوفہ کی منتقلی وغیرہ

۱۹۶ ـ (۱) بلا ھدایت صریح یا بلا اجازت عدالت جائداد کا متولی جائداد موقوفہ کو فروخت ، رھن ، تبادلہ یا کسی دیگر طریقے سے منتقل کرنے کا مجاز نہ ھوگا بجز اس کے کہ وہ وقف نامے کے ذریعہ بصراحت اس کا مجاز کیا گیا ھو ـ

(۲) اگر جائداد موقوفہ سکنی ھو تو وقف نامے میں کسی برعکس ھدایت کی غیر موجودگی میں متولی اس کو زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لیے کرایہ پر اور اگر زرعی ھو تو تین سال کے لیے لگان پر دینے کا مجاز ھے ـ اس سے زیادہ عرصے کے لیے عدالت کی اجازت حاصل کرنا ضروری ھوگی ـ

جانشین مقرر کرنے کا اختیار

۱۹۷ ـ وقف نامہ میں کسی برعکس ھدایت کی عدم موجودگی میں ھر ایک متولی بحالت مرض الموت اپنا جانشین نامزد کرنے کا مجاز متصور کیا جائے گا مگر لازم ھے کہ کوئی متولی بحالت صحت اپنی زندگی میں عھدۂ تولیت کسی دوسرے کو منتقل کرنے کا مجاز نہیں ـ

قرضہ کا اختیار

۱۹۸ ـ تاوقتیکہ وقف نامہ میں صریح اجازت موجود نہ ھو ، کوئی متولی کسی ضرورت کے لیے بھی وقف کے متعلق بغیر اجازت عدالت قرضہ لینے کا مجاز نہیں لیکن اگر اشد ضرورت کی وجہ سے قرضہ لے لیا ھو تو ضرورت ثابت ھونے پر عدالت قرضہ جائز ھونے کے متعلق بعد میں بھی منظوری دینے کی مجاز ھوگی ـ

معاوضۂ متولی

۱۹۹ ۔ (۱) واقف کے لیے جائز ہے کہ وہ متولی اور اس کے جانشینوں کو مقررہ معاوضہ لینے کا مجاز کر دے ۔

(۲) لیکن اگر متولی کے لیے وقف نامہ میں کوئی معاوضہ مقرر کیا گیا ہو تو بجز پہلے متولی کے اور کوئی متولی ما بعد بلا حکم عدالت اس کی وصول یابی کا مستحق نہ ہوگا بشرطیکہ وقف نامہ کی عبارت سے واقف کا منشاء اس کے خلاف نہ ظاہر ہوتا ہو ۔

(۳) جس مقررہ معاوضہ کے لینے کا واقف نے بذریعہ وقف نامہ متولی کو مجاز کر دیا ہو وہ اسی قدر وقف کی آمدنی سے وصول کرنے کا مستحق ہوگا لیکن اس وصول یابی کی وجہ سے اس کو جائداد موقوفہ میں ایسا حق حاصل نہ ہوگا کہ جائداد موقوفہ اس کے خلاف کسی ڈگری میں قرق یا نیلام کرائی جا سکے ۔

(۴) اگر وقف نامے میں کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو متولی کی درخواست پر عدالت اس کو مقرر کرکے وصول کرنے کا مجاز کرسکتی ہے ۔

متولی کے تصرفات

۲۰۰ ۔ (۱) متولی کے لیے ایسے تمام تصرفات جائز ہوں گے جو قیام وقف کی مصلحتوں پر مبنی ہوں اور واقف کی شرعی شرطوں کے مخالف نہ ہوں ۔

(۲) اگر کوئی شخص بلا کسی استحقاق و اختیار کے جائداد موقوفہ کا انتظام کرنے لگے تو وہ از روئے قانون "امین" (ٹرسٹی) متصور ہوگا اور وقف کے سلسلے میں اپنے تمام افعال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

"قانون" ایک یونانی لفظ ہے جو سریانی کے ذریعہ عربی میں آیا اس کے اصلی معنی "مسطر" کے ہیں ۔ بعد میں یہ لفظ قاعدۂ کلّیہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ۔

"قانون" اپنے عام اصطلاحی معنی میں "باہمی سلوک اور روابط کے مجموعۂ اقدار" کا نام ہے جب کہ اپنے قدیم معنی میں "اہل حکومت کی مرضی اور فرمان" کا دوسرا نام قانون تھا ۔

زمانہ قدیم میں لفظ "قانون" کا اطلاق دینی امور اور دنیاوی معاملات دونوں پر ہوتا تھا لیکن بعد میں مغربی اقوام کے فلسفہ قانون کے تحت اس کا استعمال دنیاوی معاملات کے لیے حکومت کے وضع کردہ قواعد کے ساتھ مخصوص ہوکر رہ گیا ۔ چنانچہ قانون اپنے موجودہ معنی میں انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لیے قواعد و ضوابط کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جو افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جائے اور حکومت اسے نافذ کرے ۔

فقہ کی تعریف :

شرع اسلام میں "قانون" کے بجائے "فقہ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ "فقہ" کے لغوی معنی "سمجھ" کے ہیں ۔ شرع میں "فقہ" اس فہم خاص سے عبارت ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے حاصل ہو ۔ کتاب "توضیح" میں لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہ کے وقت میں فقہ کا لفظ احکام ظاہر و باطن دونوں کے لیے تھا" یعنی فقہ کی اصطلاح دینی امور اور دنیاوی معاملات دونوں کے لیے استعمال ہوتی تھی ۔ چنانچہ فقہ اپنے وسیع معنی میں اس علم کا نام تھا جو ایک مسلمان کے خدا کے ساتھ ، اپنے اور دوسروں کے ساتھ پائے جانے والے تعلقات ظاہری و باطنی کے احکام بیان کرتا ہے ۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ نے فقہ کی تعریف "معرفۃ النفس مالها و ما علیها"

کے الفاظ میں بیان کی تھی جس کا مطلب ہے کہ فقہ نام ہے ان احکام کے جاننے کا جو نفس انسانی کے لیے مفید اور مضر ھیں چنانچہ اسی لیے امام صاحب نے اس کا نام "فقہ اکبر" رکھا جس کے دائرہ میں عقائد اور اخلاق بھی تھے ۔ لیکن بعد میں لفظ "فقہ" کا اطلاق فقط احکام عملی پر ھونے لگا ۔

امام غزالی الشافعی (متوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب "المتصفیٰ من علم الاصول" (صفحات ۵-۴) میں لکھا ہے کہ "اھل الوضع (یعنی اھل لغت) کے نزدیک فقہ عبارت ہے علم و فہم سے ، کہ فلاں شخص جانتا ہے نیکی اور برائی کو اور اس کو سمجھتا ہے لیکن علماء کے نزدیک فقہ عبارت ہے جاننے سے احکام شریعت ثابتہ کے ، واسطے افعال مکلّفین کے خاص کر جیسے واجب ، ممنوع ، جائز ، مستحب ، مکروہ اور یہ کہ معاھدہ صحیح ہے یا فاسد یا باطل اور یہ کہ عبادت ادا ھوئی یا قضا اور اس کے مانند" ۔

امام علاء الدین الکاسانی الحنفی (متوفی ۵۸۷ھ) نے اپنی کتاب "بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" (جلد ۱ صفحہ ۲) میں لکھا ہے کہ اللہ اور اس کی صفات کے علم کے بعد علم فقہ سے افضل کوئی علم نہیں ۔ جس سے حلال و حرام اور شرائع و احکام کا علم حاصل ھوتا ہے جس کے واسطے اللہ نے رسولوں کو بھیجا ، کتابیں نازل فرمائیں اور اس کو بلا معاونت سمع (قرآن و حدیث) محض عقل کے ذریعہ نہیں پہچانا جا سکتا ۔"

اصول فقہ کی مشہور کتاب "توضیح" برحاشیۂ تلویح (صفحہ ۱۷) کے مصنف صدر الشریعت عبید اللہ ابن مسعود الحنفی (متوفی ۷۴۷ھ) نے فقہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ "فقہ جاننا ہے کل احکام شرعی عملی کا جو بذریعہ وحی ھم پر ظاھر ھوگئے اور وہ احکام جن پر اجماع منعقد ھوگیا ، ادلۂ شرعیہ سے ، بشرطیکہ ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کا ملکہ ھو" ۔

سید شریف جرجانی نے "التعریفات" میں لکھا ہے کہ فقہ اپنے لغوی معنی میں غرض متکلم کو اس کے کلام سے سمجھنے سے عبارت ہے ۔

اصطلاحی معنی میں احکام شرعی کا دلائل تفصیلی سے جاننا "فقہ" ہے ۔ آج کل یہی تعریف مشہور ہے ۔

فقہ اور شریعت کا فرق :

شاطبی (متوفی ۹۸۰ھ) نے اپنی کتاب "الموافقات فی اصول الشریعۃ" (جلد ۱ صفحہ ۸۸) میں شریعت اور فقہ کے درمیان فرق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شریعت مکلّف (جن پر احکام شرع نافذ ہو سکتے ہیں) اشخاص کے افعال و اقوال اور اعتقادات کی حد بندی کرتی ہے . . . . (جب کہ) فقہ اعتقادات سے بحث نہیں کرتی ۔ یہ موضوع علم کلام اور توحید کا ہے ۔"

اسی طرح محمد بن علی التہانوی نے اپنی کتاب "اصطلاحات الفنون" (جلد ۱ صفحہ ۸۳۵) میں لکھا ہے کہ شریعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے ان احکام کے بارے میں بنائی جن کے ساتھ انبیاء علیہم السلام (دنیا میں) آئے ۔ جن احکام کا تعلق "کیفیت عمل" کے ساتھ ہے ان کے واسطے علم فقہ کی تدوین کی گئی ۔ لیکن جن احکام کا تعلق "کیفیت اعتقاد" کے ساتھ تھا ان کے لیے علم کلام کی تدوین کی گئی ۔

دراصل "شریعت" عام ہے اور "فقہ" خاص ہے ۔ بالفاظ دیگر فقہ شریعت کا ایک حصہ ہے ۔ اس علم کے ذریعہ انسان یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کون سے افعال جائز ہیں اور کون سے ناجائز اور کن افعال کا کرنا اس پر واجب ہے اور کون سے افعال ممنوع ہیں ۔ آج کل کی قانونی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ اس علم کا نام ہے جو انسان کے اعمال و افعال کی آزادی کی وسعت اور حدود سے بحث کرتا ہے ۔ اور یہیں سے فقہ کا لفظ اپنے جدید تصورات کے تحت قانون (Law) کا مترادف ہے ، کیوں کہ قانون بھی انسانی اعمال کی حد بندی کرتا ہے ۔ ہمارے عہد میں اسلامی قانون کی اصطلاح دراصل اسلامی فقہ کے لیے استعمال ہوتی ہے نہ کہ اس سے علیحدہ ۔ بلکہ بعض اوقات لفظ "شریعت" بھی قانون کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً "شرائع الاسلام" قوانین اسلام کے معنی میں آتا ہے ۔

احکام شریعت کی تقسیم :

علماء احناف نے شریعت اسلام کی حسب ذیل تقسیم کی ہے :

(۱) اعتقادات ، آداب (اخلاق) ، عبادات ۔

(۲) معاملات ، عقوبات ۔

علمائے شافعیہ اس کی تقسیم یوں کرتے ھیں :

(۱) عبادات (ان کا تعلق آخرت سے ھے یعنی ان کا نتیجہ آخرت میں ھونے والا ھے) ۔

(۲) مناکحات (نکاح ، طلاق ، مہر ، نفقہ ، وراثت وغیرہ)

(۳) معاملات (دیوانی قوانین)

(۴) عقوبات (فوجداری قوانین)

فقہ اسلام یا قانون اسلام (اپنے معروف معنی میں) آخر الذکر تین امور یعنی مناکحات ، معاملات اور عقوبات پر مشتمل ھے جن کا تعلق امور دنیا سے ھے یعنی ان کا اثر اور نتیجہ دنیا ھی میں ثابت ھوتا ھے ۔

فقہی احکام کی تقسیم :

المجلّـة الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۱ میں لکھا ھے کہ فقہ ایک ایسا علم ھے جس کے ذریعہ سے شریعت کے عملی اور فقہی مسائل کو سمجھا جا سکے ۔ ان مسائل کا تعلق یا تو امور آخرت سے ھوگا یا امور دنیا سے ۔ جہاں تک امور دنیا کا تعلق ھے ان کو فقہ اسلام میں تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ھے :

(۱) مناکحات ۔ (۲) معاملات ، اور (۳) عقوبات ۔

مختلف اصطلاحیں :

آج کل عرب ممالک میں "مناکحات" سے متعلق احکام کے لیے بالعموم قانون الاحوال الشخصیہ کی اصطلاح رائج ھے جب کہ معاملات کے لیے قانون المدنی اور عقوبات کے لیے قانون الجنائی کی اصطلاحیں رواج پا چکی ھیں ۔ ھند و پاکستان میں انگریزوں کے تسلط کے زیر اثر مسلمانوں کے مناکحات سے متعلق احکام کے لیے شخصی قانون (Personal Law) کی اصطلاح رائج ھوئی جو دراصل فرانسیسی اصطلاح (Le Statu Personnele) سے ماخوذ

تھی ۔ پاکستان میں شخصی قوانین کی جگہ عائلی قوانین کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے ۔

برّصغیر میں برطانوی دور حکومت میں فقہ اسلام کا نفاذ :

غیر منقسم ہندوستان پر انگریزوں کے غلبہ و اقتدار کے بعد معاملات و عقوبات (جن کو جدید قانونی اصطلاح میں دیوانی و فوجداری قوانین کہا جا سکتا ہے) کے تعلق سے انگریزوں نے اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کیے جن کی بنیاد برطانوی قانون عامہ پر تھی البتہ مناکحات (جس کو شخصی قانون کا نام دیا گیا) کے باب میں ہندوستان میں بسنے والی اقوام کے مسلمہ رواج (custom) کو قانونی حیثیت دی گئی ۔ مگر ۱۹۳۷ء میں شخصی قانون شریعت ، اطلاق ایکٹ کے ذریعے بعض شخصی امور مثلاً نکاح ، طلاق ، نفقہ ، مہر ، ہبہ ، وراثت ، و جانشینی (علاوہ زرعی اراضی کے) سے متعلق امور میں یہ قرار دیا گیا کہ اگر فریقین مسلمان ہوں تو ان کا شخصی قانون نافذ العمل قرار پائے گا ، بشرطیکہ وہ کسی ایکٹ کے ذریعہ تبدیل یا منسوخ نہ کر دیا گیا ہو ۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں کی عائلی زندگی کے ان امور پر جن کی صراحت ۱۹۳۷ء کے مذکورہ بالا قانون کے تحت کر دی گئی تھی معینہ حدود میں شخصی قانون اسلام کا اطلاق کیا جاتا تھا (مگر وہ زندگی کے دوسرے معاملات اور جرم و سزا میں کلیتاً انگریزی قانون کے تابع تھے اور آج آزادی کے اکیس سال بعد بھی اسی قانون کے تابع ہیں) لیکن مسلمانوں کے عظیم فقہی سرمایہ سے لا علمی یا برائے نام واقفیت کے سبب عائلی زندگی سے متعلق امور میں جو قانون متشکّل ہو کر سامنے آیا وہ اپنی اصل ہیئت کے اعتبار سے مکمل طور پر نہ شرعی تھا اور نہ غیر شرعی ۔ اس کو "اینگلو محمڈن لاء" کا نام دیا گیا ۔

تقسیم ہند کے فوراً بعد پاکستان کے مسلمانوں کا یہ مطالبہ شدت پکڑ گیا کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ کیے جائیں ۔ بعد ازاں اس مطالبے اور قومی تقاضے کو دستوری حیثیت بھی دے دی گئی ۔

موجودہ دستور میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ جو قوانین دستور کے تحت

عطا کردہ بنیادی حقوق کے خلاف ہوں گے یا خود دستور پاکستان سے متصادم ہوں گے عدالتیں انہیں باطل اور غیر نافذ قرار دے سکتی ہیں لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں اس امر کی کہیں صراحت نہیں پائی جاتی کہ وہ قوانین جو قرآن پاک و سنت کے خلاف ہوں ان کو بھی عدالتیں باطل اور غیر نافذ قرار دے سکتی ہیں ۔

اگرچہ دستور پاکستان ، ۱۹۶۲ع کے تحت قانون سازی کا پہلا اصول یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی قانون اسلام کے منافی نہ ہونا چاہیے لیکن آرٹیکل ۶ (۲) کے تحت عدالتوں میں کسی قانون کے جواز کو اس بناء پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قانون ، قانون سازی کے (مندرجہ) اصولوں کو نظر انداز یا ان کی خلاف ورزی کرتا ہے یا کسی اور سبب کی بناء پر قانون سازی کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے ۔ بالفاظ دیگر ملک کی اعلیٰ عدالتیں اگر اس نتیجے پر پہونچ جائیں کہ کوئی قانون خلاف شرع اسلام ہے تو وہ اس بناء پر ملک کے کسی قانون کے متعلق خلاف اسلام ہونے کے بارے میں حرف زنی کی مجاز نہیں ۔ چنانچہ پاکستان سپریم کورٹ نے بمقدمہ علی نواز گردیزی بنام محمد یوسف (پی ایل ڈی ۱۹۶۳ع سپریم کورٹ صفحہ ۵۱) عائلی قوانین آرڈیننس کی دفعہ ۷ پر اس کے اسلام کے مطابق (یا غیر مطابق) ہونے پر رائے دینے سے احتراز برتا ہے ۔ اس تقیید و پابندی سے جہاں کچھ فوائد مقصود ہیں وہاں قانون کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ خشک ہوتا معلوم ہوتا ہے ۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید :

اس صدی کے آغاز میں عالم اسلام میں "فقہ اسلامی کی تدوین جدید" کی جو تحریک شروع ہوئی تھی وہ گذشتہ ربع صدی میں خوب پھیلی اور اکثر عرب ممالک میں مسلم پرسنل لاء مدوّن ہوا اور باضابطہ پارلیمان سے منظور ہو کر نافذ کر دیا گیا ۔ لیکن برصغیر ہند و پاکستان میں تنسیخ نکاح سے متعلق ایک غیر مربوط اور مختصر کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی الحیلۃ الناجزہ کے سوائے کوئی باضابطہ علمی کوشش نہیں کی گئی ۔

اس ناچیز نے "فقہ اسلامی کی تدوین جدید" کے منصوبے کے تحت "مجموعہ قوانین اسلام" کی تالیف کا جو کام گزشتہ پانچ سال قبل ۱۹۶۴ ع میں شروع کیا تھا وہ بحمد اللہ برّصغیر ہند و پاکستان میں بنظر استحسان دیکھا گیا۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ مؤلّف کی ناچیز مساعی بار آور ہو رہی ہیں۔ اور انشاء اللہالعزیز وہ دن دور نہیں، جب پاکستان میں شخصی قانون مسلمانان (مسلم پرسنل لاء) کو مکمل آئینی اور قانونی صورت دینے کے لیے سرکاری سطح پر ضابطہ بند (codify) کیا جائے گا تو یہ "مجموعہ" ملک کی وزارت ہائے قانون اور قانون ساز اداروں کے لیے رہ نما اور مددگار ثابت ہوگا۔

اس سے قبل مجموعہ ہذا کی دو جلدیں اشاعت پذیر ہوچکی ہیں۔ پہلی جلد میں نکاح، مہر اور نفقۂ زوجہ اور دوسری جلد میں طلاق و عدالتی تفریق، خلع مبارات، ظہار، ایلاء ولعان اور عدت سے متعلق قوانین اسلامی کو مدّون شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ان دونوں جلدوں میں مندرجہ بالا موضوعات پر ۱۴۲ دفعات مرّتب کی گئیں۔ اس جلد میں ۵۸ دفعات ہیں۔ اس طرح دفعات کی کل تعداد ۲۰۰ ہو جاتی ہے۔ یہ اور آئندہ مرتب کی جانے والی دفعات انشا اللہ ایک خاکہ کے طور پر پاکستان میں اسلامی قانون سازی میں ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

جلد ھذا حسب ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) نسب اولاد (۲) حضانت (۳) نفقہ اولاد و آباء و اجداد

(۴) ہبہ، اور (۵) وقف۔

حسب سابق مجموعۂ ھذا کی ترتیب و تدوین کے دوران اس امر کو بطور خاص پیش نظر رکھا گیا ہے کہ قرآن و سنت اور مستند فقہی کتب سے استفادہ کے ساتھ ھی پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کا بھی ذکر کیا جائے کیونکہ موجودہ عہد میں اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں کی جس انداز سے تعبیر کی جا رہی ہے اس کی جھلکیاں ان فیصلوں میں یقیناً نظر آتی ہیں۔

قوانین اسلام کی تدوین جدید کی اس کوشش میں مجھے کس حد تک کامیابی حاصل

ہوئی ہے اس کا صحیح فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں لیکن میں اس قدر عرض کرنے کی ضرور جرأت کروں گا کہ میں نے ان تالیفات کے ذریعہ مذہب اسلام ، اسلامی جمہوریہ پاکستان ، عالم اسلامی ، ادب اور اردو زبان کی حقیر خدمت بجا لانے کی پر خلوص کوشش ضرور کی ہے ؎

دعائیں دیں مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل سے

یہ جلد ، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ، پانچ ابواب پر مشتمل ہے ۔ ذیل میں ہر باب سے متعلق چند سطور بطور اجمال قلم بند ہیں ۔

اکیسواں باب :

یہ باب نسب اولاد کے موضوع پر مشتمل ہے اس باب میں اہم مسئلہ زائد سے زائد مدت حمل کا ہے ۔ اسلامی قانون میں زائد سے زائد مدت حمل کے بارے میں تین نظریے میرے مطالعہ میں آئے ۔ پہلا نظریہ حضرت عائشہ کی روایت پر مبنی ہے جس میں حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال بیان کی گئی ہے ۔ دوسرا نظریہ امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور چند تابعین کے اقوال پر مبنی ہے جس میں انتہائی مدت حمل چار سال سے سات سال تک بیان کی گئی ہے اور تیسرا نظریہ طبی تجربات اور عام مشاہدات پر مبنی ہے جس کی متابعت میں عرب ممالک میں انتہائی مدت حمل ایک سال قرار دی گئی ہے جو دراصل قیاس پر قائم ہے ۔ راقم الحروف نے انتہائی غور و فکر نیز متعدد علماء و اطّباء سے مشورے کے بعد پہلے نظریہ کو راجح قرار دیا اور اس پر متعلقہ مسائل کی بنیاد رکھی ۔ اس کی چند در چند وجوہ ہیں :

۱ ۔ حضرت امام مالک اور شافعی اور زہری وغیرہ کے جو اقوال ہم تک پہونچے ہیں ان میں مدت حمل ۴ سے لے کر ۷ سال تک بیان کی گئی ہے جو انتہائی نادر الوجود ہے ۔ نیز اس کی بنیاد خود ان حضرات کے اپنے مشاہدات یا اس زمانہ میں پیش آنے والے واقعات پر ہے ۔ اس کے مقابلے میں حضرت عائشہ کی روایت ایک صحابیہ کا مستند

قول ہے ۔ اکثر ائمۂ حدیث و فقہ اس امر میں متفق نہیں کہ صحابی کے قول پر حکم شرعی کی بنیاد رکھنا قیاس کے مقابلے میں واجب ہے ۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے احکام شرعی کے اصول استخراج کے بارے میں ابن عبدالبر نے سفیان ثوری سے روایت کی کہ ”سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں حکم شرعی کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں ، جب میں کتاب اللہ میں حکم شرعی نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کرتا ہوں ۔ اور جب میں کتاب و سنت میں حکم شرعی نہیں پاتا تو صحابہ رسول کے قول کو لیتا ہوں ۔ اور اگر صحابہ کے متعدد اقوال ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو میں جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں اور جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار نہیں کرتا ۔ لیکن میں ان (صحابہ) کے قول سے غیر صحابہ کے قول کی طرف نہیں جاتا ۔“ (الانتقاء مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲) یعنی امام ابو حنیفہ کتاب و سنت کے بعد قول صحابی کو حکم شرعی کی بنیاد قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ اگر کسی مسئلہ میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو مگر صحابی کا قول موجود ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حجّت ہوگا اور کسی غیر صحابی کا قول یا رائے قابل اعتبار نہ ہوگی ۔

امام قرشی نے بھی الجواہر المضیئۃ کے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ ”جب کسی مسئلے میں حدیث صحیح وارد ہوتی تو امام ابو حنیفہ اس حدیث صحیح کا اتباع فرماتے اور (حدیث صحیحہ کی غیر موجودگی میں) اگر صحابہ یا تابعین کی کوئی روایت موجود ہوتی تو اس کا اتباع فرماتے تھے (حدیث صحیح یا قول صحابہ یا تابعین نہ ہونے کی صورت میں) قیاس سے کام لیتے تھے ۔ اور قیاس بھی وہ جو احسن یعنی سب سے بہتر ہو ۔ اور کسی صحابی کے قول سے حجت لانا اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں قیاس کو دخل نہ ہو“ ۔ نیز امام سرخسی نے اپنی کتاب ”اصول“ (مطبوعۂ حیدرآباد دکن جلد ۲ صفحہ ۱۱۰) میں لکھا ہے کہ ”ہمارے اصحاب متقدمین اور متاخرین میں اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی ایک صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے اور اس معاملے میں معرفت حکم شرعی کے لیے قیاس کو دخل نہیں ہو سکتا ۔ اور یہی صورت

مقادیر کے معاملے میں ھے جن کو رائے سے نہیں پہچانا جاسکتا ۔ اس سبب سے ھم نے حضرت علی کا قول کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درھم ھے اختیار کر لیا ۔ نیز حضرت انس کے قول کو کہ حیض کی کم سے کم مدت تین یوم اور زائد سے زائد دس یوم ھے ، اختیار کیا، نیز عثمان بن ابی العاص کے قول کو کہ نفاس کی مدت چالیس یوم ھے اور حمل کی زائد سے زائد مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کا قول کہ اس کی زائد سے زائد مدت دو سال ھے اختیار کر لیا ۔ اس کا سبب یہ ھے کہ کوئی شخص ان (صحابہ) کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے قول میں ھرزہ سرائی کریں گے ۔ چنانچہ یہ امر جائز نہیں ھے کہ ان (صحابہ) کے قول کو حکم شرعی کے مقابلے میں کذب (جھوٹ) پر محمول کیا جائے ۔

امام سرخسی نے اس قاعدۂ شرعی کی وضاحت کرتے ھوئے لکھا ھے کہ "شریعت کا طریقہ ان نصوص کے ذریعہ جو ھم تک پہونچا ھے وہ انھیں صحابہ کے ذریعہ پہنچا ھے چنانچہ ان کے قول کو جھوٹ پر محمول کرنے میں ان کی ذات اور قول کا فسق کے ساتھ (ثابت ھونا) لازم آتا ھے ۔ اور یہ امر ان کی روایت کو باطل کرتا ھے ۔ لہذا اب جو امر باقی رھا وہ یا تو صحابہ کی رائے ھے یا اس ذات سے سماعت پر مبنی ھے جس پر وحی نازل ھوتی تھی ۔ اس باب میں (احکام شریعت میں) رائے کو دخل نہیں ، اس لیے صحابی کے قول کا سماعت پر مبنی ھونا متعین ھو گیا ۔ چنانچہ اس صحابی کا فتویٰ ھر حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کا درجہ پا گیا ۔"

علامہ بزدوی نے اپنی کتاب اصول البزدوی (مطبوعہ کراچی) کے باب "متابعت الصحابہ" میں لکھا ھے کہ "بردعی نے کہا ھے کہ صحابی کی تقلید واجب ھے اور اس کی بناء پر قیاس کو ترک کیا جائے گا ۔" (صفحہ ۲۳۱) اور "امام سرخسی نے کہا ھے کہ صحابی کی تقلید واجب نہیں ھے مگر اس مسئلے میں جس میں قیاس کے ذریعہ حکم شرعی کا ادراک نہیں کیا جا سکتا" (صفحہ ۲۳۴) پھر علامہ بزدوی نے کہا ھے کہ "بہر حال جس مسئلے کو قیاس کے ذریعے متعین نہیں کیا جا سکتا اس مسئلے

میں صحابہ کے قول پر عمل لازمی ہو گیا اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے واقفیت پر محمول کیا جائے گا ، کیونکہ صحابی کے لیے اس قول کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی الاّ یہ کہ وہ (قول) جھوٹ تصور کیا جائے اور یہ تصور کرنا باطل ہے ۔ اس لیے اس قول پر عمل کرنا لامحالہ واجب ہو گیا ۔ (صفحہ ۲۳۶) ۔

چنانچہ یہ مسئلہ اصول حدیث اور فقہ کے اکثر ائمہ کے نزدیک متفقہ ہے کہ ایسے امور میں جن کا تعلق حکم شرعی تقدیری سے ہو صحابی کا قول اجتہاد کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماعت پر مبنی خیال کیا جائے گا ۔ اگر اس اصول سے اختلاف کیا جائے تو پھر مستند موقوفہ اور مراسلہ احادیث کے سارے ذخیرے سے دست بردار ہونا لازم آئے گا ۔ اور اس طرح وہ فقہی مسائل جو ان احادیث موقوفہ یا مرسلہ سے مستخرج ہیں ، ان کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی ۔

۲ ۔ بعض عرب ممالک میں رائج الوقت قوانین کے تحت انتہائی مدت حمل ایک سال قرار دی گئی ہے مگر اس کی بنیاد طبیب شرعی کے فتوے ، شواہد اور روزمرہ پیش آنے والے واقعات پر ہے جو متغیّر اور متبدّل ہوتے رہتے ہیں ۔ لہذا قطعی طور پر یہ حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال سے زائد میں پیدا ہونے والا بچہ جائز النسب نہ ہوگا ؟ جب کہ ایسی مثالیں کم از کم خود اطباء کے علم میں آئی ہیں کہ بچہ ۱۳ ماہ ، ۱۷ ماہ یا ۲۱ ماہ میں پیدا ہوا ہے ۔ البتہ راقم الحروف نے دو سال انتہائی مدت حمل کے ساتھ چند قیود و شرائط کا بھی ذکر کیا ہے ۔ مثلاً یہ کہ قرآئن حمل ہوں اور شوہر یا اس کے ورثاء انکار و تکذیب نہ کریں نیز یہ کہ معتدۂ طلاق یا وفات ہونے کی صورت میں عورت نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو ۔

۳ ۔ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے جو قرآن پاک سے ثابت ہے ۔ اور حمل کا چھ ماہ میں پیدا ہونا نو اور دس ماہ کے مقابلے میں یقیناً نادر الوجود بلکہ اندرالوجود ہے ۔ لہذا انتہائی حمل کی مدت دو سال مقرر کرنے میں حضرت عائشہ کی روایت کی بناء پر محض اس مدت کے نادر الوجود ہونے پر کیوں کر تعجب کیا جا سکتا ہے ؟

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت عائشہ کا قول امام مالک کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا ، اور فرمایا کہ "کون شخص کہہ سکتا ہے کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال تک ہے ! چنانچہ اگر یہ قول حجّت ہوتا تو امام مالک بھی اپنی رائے سے مدت حمل چار سال نہ فرماتے۔ اس کا ایک سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ امام مالک و شافعی کا قول ۴ سال تک کا ہے جو اگر دو سال آخری مدت حمل قرار دینے کے خلاف ہے تو ایک سال قرار دیے جانے کے بدرجۂ اولیٰ خلاف ہے ۔ واللہ اعلم

بائیسواں باب :

یہ باب حضانت اولاد سے متعلق ہے اس میں عدالتوں کے استنباط کردہ اس اصول کو شرعاً درست قرار دیا گیا ہے کہ حضانت میں بنیادی امر "بچہ کی بہبود" ہے نیز یہ کہ باپ کے مقابلے میں ایک مدت تک ماں اور مادری رشتہ داروں کا حق فائق ہے ۔ البتہ اس ضمن میں پاکستان میں کوئی جامع قانون موضوعہ (statute law) موجود نہ ہونے کے سبب بعض اوقات جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے حل کے لیے ایک مفصل قانون بنانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔

تئیسواں باب :

یہ باب نفقہ اولاد اور آبا و اجداد پر مشتمل ہے ۔ جلد اول میں نکاح و مہر کی مناسبت سے نفقۂ زوجہ سے متعلق شرعی احکام بیان کیے جا چکے ہیں ۔ نفقہ اولاد و آباء و اجداد کے سلسلے میں بھی کوئی قانون موضوعہ موجود نہ ہونے کے سبب بعض اوقات عدالتوں کو پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ اس لیے اس موضوع پر بھی قانون سازی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔

ایک اور اہم بات جس کی طرف اس باب میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مرد پر غیر صحیح النسب (ناجائز) اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری کا اطلاق ہے ۔ پاکستان میں رائجُ الوقت قانون (دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری) کے تحت ایک مرد کو غیر صحیح النسب اولاد کا

نفقہ دینے پر قانوناً مجبور کیا جا سکتا ہے ، جب کہ از روئے شرع اسلام باپ صرف اپنی صحیح النسب اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں قانون کو ترمیم کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے ۔

چوبیسواں باب :

یہ باب ہبہ پر ہے ۔ اس میں سب سے زیادہ مختلف فیہ مسئلہ ہبہ تفضیلی کا ہے ۔ ہبۂ تفضیلی اس ہبہ کو کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والا بلا مصلحت شرعی کسی اجنبی کو کل جائداد ہبہ کر دے یا اولاد میں سے ایک یا بعض کو اس طرح ہبہ کرے کہ دوسرے ورثاء کا حق (بلا مصلحت شرعی) متاثر ہوتا ہو ۔ اس مسئلے میں احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مساوات اولیٰ ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو قانوناً جائز ہوگا البتہ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا ، کیونکہ وہ اپنی خالص ملکیت میں تصرف کرتا ہے جس کا وہ مجاز ہے ۔ طاؤس ، احمد بن جنبل ، اسحٰق بن راھویہ ، امام بخاری ، اور بعض مالکیہ ایسے ہبہ کو ناجائز کہتے ہیں ۔ امام شافعی اور حضرات شیعہ امامیہ ، حنفیہ سے متفق ہیں ۔ امام مالک اور امام ابن حزم الظاہری ہبۂ تفضیلی کے سخت مخالف ہیں اور اسے باطل قرار دیتے ہیں ۔ راقم الحروف نے پورے غور و فکر کے بعد "بلا مصلحت شرعی" ایک تہائی سے زیادہ جائداد و املاک کے ہبۂ تفصیلی کو جو کسی شرعی مصلحت پر مبنی نہ ہو قابل ابطال قرار دیا ہے ۔ (دفعہ ۱۲۷) ۔ مجھے اس مسئلے میں شدید اختلاف رائے کا اندیشہ ہے ، لیکن توقع ہے کہ علماء کرام مسئلہ کے تمام پہلوؤں پرغورکرتےوقت موجودہ معاشرے کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں گے ۔

پچیسواں باب :

اس باب میں "وقف" کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں ۔ وقف کے باب میں دو اہم مسئلے سامنے آئے ہیں ۔ ایک وقف کے لازماً دوامی ہونے کا اور دوسرا وقف علی‌الاولاد کا ۔ مصر و لبنان میں جو قانون سازی کی گئی ہے اس میں مسجد کے لیے وقف کے علاوہ جو وقف خیراتی مقاصد کے لیے کیا جائے گا وہ دوامی یا غیر دوامی

ہو سکتا ہے ، اور دونوں طرح درست ہوگا ۔ لیکن وقف علی الاولاد کے لیے یہ قانون بنا دیا گیا ہے کہ وہ دوامی نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اس کی زائد سے زائد مدت ۶۰ سال یا وقف کے بعد دو پشت تک ہوگی ۔ اس کے بعد وہ وقف ساقط ہو جائے گا ۔ اور جائداد ورثاء میں بحصۂ شرعی تقسیم ہو جائے گی ۔ میں نے وقف علی‌الاولاد کے مسئلے میں جدید نقطۂ نظر کو اختیار کرنے یا رد کرنے سے متعلق کسی نتیجے پر پہونچنے کے لیے کتاب کی تدوین کے آخری مرحلے تک غور و خوض کیا لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا ۔ اس لیے اس باب میں حنفی مسلک کے بموجب احکام کی تدوین پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ حنفی مسلک کو اس خدشے کے پیش نظر منتخب کیا گیا کہ عجلت میں مرجوح نقطۂ نظر اختیار کرکے اگر کوئی تجویز پیش کر دی گئی تو مبادا اسلامی قانون وقف میں اختلال واقع نہ ہو جائے ۔ چنانچہ احکام وقف کو ، جیسا کہ وہ حنفی فقہ کی انتہائی مستند کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں ، جدید قانونی انداز میں مرتب اور مدوّن کر دیا گیا ہے ۔

یہاں یہ اشارہ کرنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ ہماری دونوں صوبائی حکومتوں نے اپنے اپنے وقف آرڈی نینسوں (۱۹۶۱ع اور ۱۹۶۲ع) کے ذریعہ اوقاف عامّہ کا انتظام و انصرام ، جن کو محکمۂ اوقات اپنی تحویل میں لے لے ، اپنے ذمہ لے لیا ہے ۔ یہ ایک مناسب اقدام ہے لیکن آرڈی نینس مذکور بنیادی طور پر انتظامی امور سے متعلق ہیں ۔ مناسب ہوگا ، اگر محکمۂ اوقاف بالغ نظر علماء کرام اور فقہ اسلامی سے مناسبت رکھنے والے ماہرین قانون پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل دے اور متعلقہ حکومت کو ایک مکمل اور جامع قانون اوقاف نافذ کرنے کے سلسلے میں مناسب قانون سازی کے لیے سفارشات پیش کرے ۔

ایک وضاحت :

مجموعہ ھذا کی تالیف کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن پاک و احادیث کے ماسوا ، بالعموم عربی عبارتوں کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ، بلکہ ان کے مطالب و معانی کو اردو کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن

میں مطلب بخوبی واضح ہو جائے ۔ کیونکہ اگر لفظی ترجمہ کیا جاتا تو عربی زبان کے اسلوب و بیان سے اردو قارئین کی اجنبیت اور اصطلاحات کی بھتات نہ صرف اردو زبان کے حسن بیان اور اسلوب کو متاثر کرتی بلکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ قارئین کتاب سے کماحقہ استفادہ نہ کر سکیں گے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو بات یا مسئلہ کسی فقیہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے وہ صحیح طور پر اردو زبان میں منتقل ہو کر قارئین کے سامنے آ گیا ہے یا نہیں ۔ کہیں کہیں ایسا بھی ضروری ہوا ہے کہ عبارت کا خلاصہ لے لیا گیا ہے یا غیر ضروری عبارت یا مثالوں کو درمیان سے حذف کر دیا گیا ہے ، تاکہ طوالت اور نامانوس مثالوں سے قاری کے ذہن پر بے جا بوجھ نہ پڑے اور اصل مسئلہ الجھ کر نہ رہ جائے ۔

حوالہ جات کے سلسلہ میں بھی غالباً یہ وضاحت ضروری ہے کہ جن کتابوں کے حوالے زیر نظر تالیف میں دئے گئے ہیں ان کی بڑی تعداد میرے ذاتی کتب خانہ کی ہے لیکن ادارہ کی راولپنڈی منتقلی کے بعد بعض کتابوں کے مختلف نسخے وقتاً فوقتاً زیر مطالعہ رہے اس لیے کتاب کے سنہ طباعت کی صراحت کا حتی الامکان خیال رکھا گیا ہے مثلاً ردالمختار اور فتاویٰ عالمگیری کی تین اشاعتیں ایک مصری اور دو ہندوستانی نیز شرائع الاسلام کی دو اشاعتیں ایک تہران اور دوسری بیروت کی یا المغنی کی دو مصری اشاعتیں مختلف اوقات میں زیر مطالعہ رہیں ۔

الحمد للہ کہ مجموعہ ھذا کی تین جلدیں شائع ہوگئیں ۔ آئندہ جلدیں ”وصیت“ ”وراثت“ اور ”شفعہ“ (Pre-emption) پر مشتمل ہوں گی ۔ ان جلدوں کی اشاعت آئندہ دو برسوں میں مکمل ہو جانے کی توقع ہے ۔ اس طرح مسلم پرنسپل لاء (شخصی قوانین مسلمانان) کی حد تک قوانین اسلام کی تدوین جدید کے منصوبہ کا ایک سیکشن ۱۹۷۰ع تک مکمل ہو جائے گا ۔ انشاء اللہ

حرف سپاس :

آخر میں جناب جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن[1] صاحب ، سابق چیف جسٹس پاکستان ،

اور جناب جسٹس وحید الدین احمد صاحب ، چیف جسٹس مغربی پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کتاب کے مسّودے کو دیکھا اور اپنی نگارشات سے نوازا ۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب سابق ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی اور جناب مفتی امجد العلی صاحب ، سابق استاذ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم ، رام پور کا شکریہ ادا نہ کروں ۔ مفتی صاحب قبلہ نے متعدد مقامات پر بالخصوص ہبہ تفضیلی کے مسئلے میں میری رہ نمائی فرمائی ، اس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں ۔ نیز امان علی نقوی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے دلچسپی کے ساتھ جلد دوم و سوم کے تفصیلی اشاریے مرتب کیے ۔ "فجزاهم الله تعالی احسن الجزاء فی الدنیا و الآخرة" ۔

اور حقیقت میں تو سب سے زیادہ شکریہ کی مستحق وہ ذات پاک ہے جس نے مجھ جیسے کم علم و بے مایہ شخص کو اسلام کی اس خدمت کے لیے چُنا اور میرے قلب و دماغ کو اس کام کی لگن سے معمور اور دنیا کی تمام تر دلچسپیوں سے بے نیاز کر دیا ۔ وما توفیقی الاباللہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان همیں کنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

واسأل الله تَعَالٰی اَنْ یُّوَفِّقَنِی وَ مَنْ اَعَانَنِی لِلْخَیرِ وَ یُعِیذُنِی مِنْ شُرُورِ نَفْسِی ، وسیّات اَعْمالی ، وَ یَجْعَلَنِی سَعْیِی خَالِصاً لِوَجْهِهِ الْکَرِیم ۔

بندۂ حقیر
تنزیل الرحمٰن

۲۱ نومبر ۱۹۶۸ع
حبیب سکوائر ، کراچی ۔

نسب اولاد

مع شرح

اکیسواں باب

نسب اولاد

نسب کی تعریف

۱۴۳ ۔ نسب اس قانونی تعلق کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان عقد شرعی کے نتیجہ میں تولّد کے بعد اولاد کا اپنے والدین کے ساتھ پیدا ہوتا ہے ۔

تشریح

بچے کے والدین سے توالد کے تعلق کو نسب کا نام دیا گیا ھے ۔ اس نسب کی صحت کا دار و مدار اسلامی شریعت کے مطابق مرد و عورت کے درمیان ازدواجی تعلق پر ھے ۔ شبہ کی بنا پر بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ھے مثلاً شبہ فی الفعل یا شبہ فی العقد کی وجہ ھے۔ اگرچہ اس "تعلق" میں فساد پیدا ہو جاتا ھے مگر جو اولاد پیدا ہوتی ھے وہ جائز النسب ہوتی ھے ۔[1]

اثبات نسب کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ھے کہ "الولد للفراش و للعاھرالحجر" یعنی بیٹا فراش کا ھے اور زنا کار کے لیے پتھر کی سزا ھے (فراش کے لفظی معنی بستر کے ھیں ۔ اس سے فقہاء کی یہ مراد ھے کہ مرد و عورت کے درمیان عقد شرعی کے ذریعہ زوجیت کا قیام عمل میں آ چکا ہو جو استقرار حمل کے وقت موجود ہو) ۔ فقہاء کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ھے کہ شرع اسلام میں بچے کو صحیح النسب قرار دینے کی انتہا سے زائد کوشش کی گئی ھے تا کہ بچے کو اپنے والدین کی صحیح اور جائز اولاد تسلیم کیا جا سکے اور معاشرہ میں انتشار اور بد اخلاق نہ

---

(۱) مجموعۂ قوانین اسلام ، مؤلف ، جلد اول ، باب ۴ صفحات ۱۵۱-۱۴۷

پہیلے ۔ اسی بناء پر نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کو بھی ثبوت نسب کی حجّت قرار دیا گیا ہے ۔[۲]

اقسام نسب

۱۴۴ ۔ نسب کی دو اقسام ہیں :

(۱) پدری (۲) مادری ۔

تشریح

جو نسب والدین یعنی باپ اور ماں دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق کی بناء پر ثابت ہوتا ہے وہ "پدری" کہلاتا ہے ، خواہ وہ ازدواجی تعلق نکاح صحیح کے سبب ہوا ہو یا نکاح فاسد کے سبب ۔ اس کو حقیقی بھی کہتے ہیں ۔ البتہ اولاد کا "مادری" نسب اس عورت سے قائم ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوئی ہے ۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی ماں کا تعلق اس شخص کے ساتھ قانوناً جائز اور درست تھا یا نہیں ۔ بہالفاظ دیگر اولاد کے مادری نسب کے تعیّن کے لیے یہ امر ناقابل لحاظ ہے کہ اس کی پیدائش مرد و عورت کے درمیان جائز نکاح کا نتیجہ ہے یا فعل زنا کا ثمرہ ۔

اولاد کا مادری نسب ہر صورت میں اس عورت سے قائم اور ثابت ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ فی الحقیقت پیدا ہوئی ہے لیکن پدری نسب اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک کہ اولاد صحیح یا نکاح فاسد کے نتیجے میں نہ پیدا ہوئی ہو ۔ یعنی اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ فعل زنا کا ارتکاب کرے اور اس سے حمل ٹھہر جائے اور اولاد پیدا ہو تو وہ اولاد صرف اس عورت کی قرار دی جائے گی اور اپنے قانونی حقوق اور ذمہ داریوں کے تعیّن کے لیے بھی اس عورت کی تابع رہے گی اور از روئے قانون شریعت اس مرد کی اولاد قرار نہ دی جائے گی ۔

---

(۲) مجموعۂ قوانین اسلام ، مؤلف ، جلد اول ، باب ، ۴ ، صفحات ۱۵۱-۱۴۷

نسب کے اثرات

۱۴۵ ـ نسب سے ولایت ذات و جائداد، نفقہ اور وراثت و وصیت سے متعلق حقوق اور ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں ۔

تشریح

نسب کے ثبوت کے ساتھ ہی اولاد کی صحیح النسبی مسلّم ہو جاتی ہے اور پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں جو والدین اور اولاد کے درمیان ہوتی ہیں شرع کی طرف سے ایک دوسرے پر عائد ہو جاتی ہیں ۔ چنانچہ اولاد نفقہ کی مستحق ہوتی ہے ۔ والدین کو اولاد کی ذات اور جائداد پر حق ولایت حاصل ہو جاتا ہے ۔ ایک دوسرے کی وفات پر متوفی کے ترکہ میں وراثت کا حق پیدا ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگراولاد کا نسب ثابت نہ ہو تو وہ اپنی ماں ہی کی اولاد متصور ہوتی ہے ، ایسی صورت میں وہ اولاد ماں اور اپنے (مادری) رشتہ داروں سے وراثت پانے کی مستحق ہوتی ہے نیز ماں اور اس کے رشتہ دار اس کی جائداد کے وارث قرار پاتے ہیں ۔

مختلف اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین :

نسب اولاد کے اثرات کے سلسلے میں قانون الاحوال الشخصیہ ، شام کی دفعہ ۱۳۳ کی ذیلی دفعہ (۲) میں مذکور ہے کہ "جب نسب ثابت ہو جائے ، خواہ نکاح فاسد کے ساتھ ہو یا وطی بالشبہ کی صورت میں ہو تو اس (عورت) پر قرابت کے تمام نتائج و اثرات مرتب ہوں گے ۔ چنانچہ درجات ممنوعہ میں نکاح ممنوع ہوگا اور وہ عورت نفقۂ قرابت اور وراثت کی مستحق ہوگی ۔"

اسی طرح تیونس کے مجلۃ الاحوال الشخصیہ کی دفعہ ۷۲ میں مذکور ہے کہ "بچے کا اپنے والد سے نسب ثابت نہ ہونا اس کو عصبہ ہونے سے خارج کرتا ہے اور اس کا حق نفقہ و وراثت ساقط ہو جاتا ہے ۔"

قانون الاحوال الشخصیہ، شام کی دفعہ ۱۳۳ (۲) کے تحت جب نسب

ثابت ہو جائے ، اگرچہ وہ نکاح فاسد کے ساتھ ہو یا وطی بالشبہ کی صورت میں ہو تو پھر (عورت) پر قرابت کے تمام نتائج و اثرات مرتب ہوں گے اور وہ عورت نفقہ قرابت اور وراثت کی مستحق ہوگی ۔ نیز درجات ممنوعہ میں نکاح ناجائز ہوگا ۔

جائز النسبی

۱۴۶ ۔ (۱) جائز النسبی کے لیے عقد شرعی کے بعد حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہوگی ۔

(۲) جائز النسبی کے لیے حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہوگی بشرطیکہ قرآئن حمل ہوں اور شوہر یا اس کے ورثاء انکار و تکذیب نہ کریں ۔

الّا یہ کہ اس عرصہ میں زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ حمل قرار پا سکتا ۔

(۳) زوجہ کے معتدۂ طلاق یا وفات ہونے کی صورت میں اس نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو ۔ الا یہ کہ شوہر یا اس کے ورثاء دو سال کے بعد بھی مولود کا دعویٰ کریں ۔

(۴) بصورت اقرار انقضاء عدت ، حمل کی زائد سے زائد مدت وقت اقرار سے (۱۸۰) یوم اور وقت فرقت یا موت سے دو سال ہوگی ۔

توضیح : مدت کے تعین کے لیے قمری ماہ و سال کا اعتبار کیا جائے گا ۔

تشریح

یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ از روئے شرع اسلام حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے ؟ البتہ حمل کی کم از کم مدت کے بارے میں تمام ائمہ اور فقہاء میں مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے ۔

حمل کی کم از کم مدت

حمل کی کم از کم مدت کے استدلال میں آیات قرآنی ”و حمله و فصاله ثلاثون شهراً“[۳] اور ”وفصاله فی عامین“[۴] پیش کی جاتی ہیں ۔ ان آیات

---

(۳) سورۂ احقاف آیات ۱۵ ۔ (۴) سورۂ لقمان آیت ۱۴ ۔

سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) ماہ ہے اور عورت کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے ۔ بالفاظ دیگر ۲۴ ماہ دودھ پلانے (رضاعت) کی مدت ہوئی اور باقی چھ ماہ حمل کی ۔ ان آیات سے اس استدلال میں تمام ائمہ اور مفسرّین متفق ہیں ۔

حمل کی زائد سے زائد مدت :

اس مسئلے میں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہو سکتی ہے ، ائمہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ۔ جمہور احناف کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے ۔ امام مالک ، شافعی اور احمد ابن حنبل کے مشہور اقوال کے مطابق حمل کی زائد سے زائد مدت چار سال ہے ۔ امام احمد ابن حنبل کا ایک قول حنفی مسلک کے موافق بھی ملتا ہے ۔ علاوہ ازیں لیث بن سعد کے نزدیک تین سال ، عباد بن عوام کے نزدیک پانچ سال اور امام ابن شہاب زہری کے نزدیک ایک روایت کے مطابق پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال تک آخری مدت ہے یعنی اتنے عرصے تک بچہ حمل میں رہ سکتا ہے ۔[5]

احناف کا نقطۂ نظر :

حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہونے کے ثبوت میں احناف اپنی دلیل میں حضرت عائشہ کی حدیث ”الولد لا یَبقیٰ فی بَطنِ اُمّہ اَکثَر مِنْ سَنَتَیْن وَلَوْ بِظلّ مغزلٍ“[6] پیش کرتے ہیں کہ بچہ اپنی ماں کے بطن میں دو سال سے ایک لمحہ زیادہ نہیں رہتا ۔ یہاں ”ظل مغزل“ کا لفظی ترجمہ ”تکلی کا سایہ“ ہے دراصل اس سے کنایہ قلّت وقت ہے ۔ احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ کا مذکورہ بالا قول حضرت محمد

---

(۵) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۰
المغنی ، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری ، جلد ۷، صفحہ ۴۷۷

(۶) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۰
مجمع الانہر داماد آفندی ، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۴

مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا اور اس کو ان کی ذاتی رائے تسلیم کیا جانا ممکن نہیں ، کیونکہ ایسے احکام میں ذاتی رائے کو دخل نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس قسم کے تشریعی حکم میں صحابی یا صحابیہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جاتا ہے ۔[۷]

ائمہ ثلاثہ کا مسلک :

امام مالک ، شافعی اور احمد ابن حنبل اپنے اقوال کے ثبوت میں چند واقعات بطور دلیل پیش کرتے ہیں ۔ چنانچہ ولید بن مسلم سے مروی ہے :

قال ، قلت : لمالک بن انس رحمة اللہ علیہ حدیث جمیلة بنت سعد عن عائشة لا تزید المرأة علی السنتین فی الحمل ، قال مالک : سبحان اللہ من یقول ھذا ؟ جارتنا امرأة محمد بن عجلان تحمل اربع سنین قبل ان تلد ۔"

یعنی ولید نے کہا "کہ میں نے حضرت امام مالک کے سامنے جمیلہ بنت سعد کی اس حدیث کا ذکر کیا جس کو انھوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی عورت دو سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی ۔ امام مالک نے فرمایا سبحان اللہ ! یہ کون کہہ سکتا ہے ؟ ہماری ہمسایہ عورت ، محمد بن عجلان کی بیوی چار سال تک حاملہ رہی ہے ۔"

اس واقعہ کو امام شافعی نے بھی نقل کیا ہے ۔ امام احمد ابن حنبل نے بھی بنی عجلان کے بارے میں کہا ہے کہ بنی عجلان کی عورتیں عموماً چار چار سال تک حاملہ رہی ہیں اور عجلان کی زوجہ کے تین بچے پیدا ہوئے اور ہر بچہ چار سال تک حمل میں رہا ۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی اپنی والدہ کے پیٹ میں چار سال تک رہے ۔ ابوالخطاب نے ابراھیم بن نجیح العقیلی کے متعلق بھی یہی روایت کیا ہے ۔ نیز حضرت عثمان اور حضرت علی سے بھی یہی منقول ہے ۔ چنانچہ امام مالک، شافعی اور

---

(۷) بدائع الصنائع ، امام کاسانی مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ ھجری جلد ۳ ، صفحہ ۲۱۱

احمد ابن حنبل کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت چار سال تک ہے۔[8]

حنفیہ کا جواب :

حنفیہ نے ایسے واقعات کے جواب میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ان کا قول شارع علیہ السلام کی طرف منسوب تصور کیا جائے گا جس میں خطا کا احتمال نہیں ۔ چنانچہ یہ حدیث مذکورہ واقعات کے مقابلے میں حجّت قرار پا سکتی ہے۔ نیز اگر ان واقعات کےبارے میں امام مالک کے بیان کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے ، تب بھی یہ امر قطعیت کے ساتھ ثابت قرار نہیں دیا جا سکتا کہ حمل کی انتہائی مدت چار سال ہے ۔ زیادہ سے زیادہ اس واقعہ (یا اس قسم کے واقعات) کو نادرالوجود کہا جا سکتا ہے ۔[9] جس پر قطعیت کے ساتھ اور آخری طور پر شرعی حکم کا مدار نہیں رکھا جا سکتا ۔

ہمارے نزدیک حضرت عائشہ کا قول ایک اور دلیل کے سبب بھی اس سلسلہ میں حجّت قرار پا سکتا ہے ، وہ یہ کہ خدائے تعالی قرآن حکیم میں فرماتا ہے :

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝[10]

یعنی ”کیا نہیں پیدا کیا ہم نے تم لوگوں کو بے قدرے پانی سے ۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم میں) ، مقررہ وقت تک ۔“

---

(۸) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۷ ہجری ، جلد ۷ ، صفحات ۴۷۷-۴۸

(۹) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۰
مجمع الانہر داماد آفندی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۴

(۱۰) المرسلت ، آیات ۲۰ - ۲۲

قرآن پاک کی یہ آیت اس امر کے بیان میں "مجمل" ہے کہ کب تک بچہ رحم مادر میں رہے گا؟ اور یہ اصول تمام ائمہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا کوئی حکم "مجمل" ہو تو اس کی تفسیر یا بیان "خبراحاد" کے ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے ۔ البتہ اگر حکم مطلق ہے تو احناف کے نزدیک "خبراحاد" اس حکم کی تفسیر یا بیان قرار نہیں دی جا سکتی ۔ دیگر ائمہ کے نزدیک مطلق حکم کی صورت میں بھی "خبراحاد" اس کی تفسیر یا بیان قرار دی جا سکتی ہے ۔

حضرت عائشہؓ کا مندرجہ بالا قول خبراحاد کے درجہ میں ہے اور یہ قول مذکورہ بالا آیت میں مذکور "مجمل حکم" کی تفسیر و بیان ہے ۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے ، لیکن حکم میں مرفوع کے ہے ، کیونکہ مقادیر کا تعین قیاس پر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ موقوف علی الوحی ہے ۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محض اپنے قیاس اور رائے سے "الی قدر معلوم" کو دو سال سے تعبیر نہیں کرسکتی تھیں ، جب تک کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے یہ قول نہ سنا ہوتا ۔ بہرکیف ، حضرت عائشہرضؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی بنیاد پر یہ قول مفتی بہ ہے کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال ہوسکتی ہے ۔

شیعہ نقطۂ نظر :

شیعہ فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت ۶ ماہ اور زائد سے زائد مدت ۹ ماہ ہے اور بعض کے نزدیک ۱۰ ماہ تک اور بعض کے نزدیک یہ مدت ایک سال تک ہوسکتی ہے۔ لیکن علاّمہ نجم الدین ابی جعفر الحلّی نے اپنی مشہور تصنیف شرائع الاسلام میں ایک سال کے قول کو متروک لکھا ہے ۔[11]

ممالک اسلامیہ میں مدت حمل کا تعین :

مدت حمل سے متعلق ممالک اسلامیہ میں جو قوانین پائے جاتے ہیں

(۱۱) شرائع الاسلام ، نجم الدین الحلّی ، مطبوعہ طہران ۱۳۷۷ھ ، صفحہ ۱۹۹

ان کے تحت بالعموم مدت حمل کا تعین کم از کم چھ ماہ اور زائد سے زائد ایک سال تک پایا جاتا ہے ۔ سطور ذیل میں مختلف اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس مسئلہ سے متعلق جدید رجحانات کو سمجھنے میں مدد ملے گی ۔

مصر :

''دفعہ ۱۵ ۔ (مرد کے) انکار کی صورت میں زوجہ کا بچے کے لیے نسب کا دعوی مسموع نہ ہوگا ، جب کہ زوجین کے درمیان وقت عقد سے ملاقات ثابت نہ ہو اور نہ اس صورت میں جب کہ عورت نے اس بچے کو شوہر کے غائب ہونے سے ایک سال بعد جنا ہو اور نہ مطلّقہ کا بچہ (بصورت انکار) شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا یا اس زوجہ کا بچہ جس کا شوہر مر چکا ہو اگر اس عورت نے طلاق یا وفات سے ایک سال کے بعد بچہ جنا ہو ۔[۱۲]

عراق :

''دفعہ ۵۱ ۔ ہر زوجہ کا بچہ حسب ذیل دو شرطوں کے ساتھ اس کے شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا :

(۱) کہ زوجین کے عقد کو حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ گزر چکی ہو ۔[۱۳]

(۲) زوجین میں ملاقات ممکن ہوئی ہو ۔

فصل ۶۹- بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا ، مرد کے انکار کی صورت میں، جب کہ زوجین کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو ، اور نہ اس بچے کا نسب ثابت ہوگا جس کو اس عورت نے شوہر کے غائب ہونے کے یا اس کی وفات کے یا تاریخ طلاق سے ایک سال کے بعد جنا ہو ۔

---

(۱۲) قانون المصری نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ع

(۱۳) قانون الاحوال الشخصیة ۱۹۵۹ع ' عراق

تیونس :

۱۷- جب زوجہ عقد کے بعد چھ ماہ کے اختتام پر یا اس کے بعد بچہ جنے تو بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا خواہ عقد صحیح ہو یا فاسد ۔[۱۴]

شام :

دفعہ ۱۲۸- حمل کی کم سے کم مدت ۱۸۰ یوم اور زائد سے زائد ایک سال شمسی ہے ۔[۱۵]

پاکستان میں مدت حمل کا تعین :

پاکستان میں حسب دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت، ۱۸۷۲ع صحیح النسبی کے متعلق قطعی قیاس کے بارے میں حسب ذیل قانون نافذ ہے :

''یہ واقعہ کہ کوئی شخص (بچہ) اپنی ماں کے کسی مرد کے جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدا ہوا اور اس اثناء میں اس کی ماں بے زوج رہی ، اس امر کا قطعی ثبوت ہوگا کہ وہ شخص (بچہ) اس مرد کا صحیح النسب بیٹا ہے ۔ بجز اس صورت کے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ تھا کہ حمل قرار پا سکتا ۔''

مذکورہ بالا دفعہ کی روشنی میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دفعہ سے صحیح النسبی کا اسلامی قانون متأثر ہوتا ہے یا نہیں ؟ الہ آباد ہائی کورٹ نے بمقدمہ سبط محمد بنام محمد (۱۹۲۶ع ، ۲۸ الہ آباد، ۶۲۵) یہ قرار دیا کہ اس دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ، ۱۸۷۲ع کے ذریعہ شرع اسلام کا جو قانون صحیح النسبی سے متعلق تھا ، منسوخ ہو جاتا ہے ۔ لاہور ہائی کورٹ نے بھی بمقدمہ مساۃ رحیم بی بی بنام چراغ دین (اے آئی آر ، لاہور ۱۹۳۰ع صفحہ ۹۷) یہی قرار دیا ۔

---

(۱۴) مجلّة الاحوال الشخصية ، تیونس
(۱۵) قانون احوال الشخصیہ ، شام

صحیح النسبی کے موضوع پر قانون شہادت اور اسلامی قانون کا موازنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دفعہ بالا اسلامی قانون سے متصادم ہے جیسا کہ حسب ذیل سطور سے ظاہر ہو گا :

(۱) قانون شہادت ، ۱۸۷۲ ع کی دفعہ ۱۱۲ کی رو سے جو بچہ نکاح کے دوسرے دن پیدا ہو وہ صحیح النسب ہے اور اس سے پدری نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ حسب دفعہ بالا وہ بچہ مرد و عورت کے نکاح کی حالت میں پیدا ہوا ہے ، بجز اس صورت کے کہ والدین کو کسی وقت بھی باہم یک جائی کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ اس کا حمل قرار پا سکتا ، (واضح رہے کہ قانون شہادت ، ۱۸۷۲ ع کی دفعہ ۱۱۲ کم از کم مدت حمل کا تعین نہیں کرتی) جبکہ شرع اسلام میں عقد زوجیت کے بعد چھ ماہ کم سے کم مدت مقرر ہے ۔

(۲) قانون شہادت کی دفعہ ۱۱۲ کے تحت جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ کے بعد ۲۸۰ دن کے اندر اگر بچہ پیدا ہو گیا تو از روئے دفعہ مذکورہ صحیح النسب ہونے کا قطعی ثبوت ہو گا ، بجز اس صورت کے والدین کو باہم یکجائی کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ اس کا حمل قرار پا سکتا ۔ بالفاظ دیگر اگر ۲۸۰ یوم کے بعد (بطور مثال ۲۹۰ یوم کے بعد) بچہ پیدا ہوا تو صحیح النسبی کا قطعی ثبوت نہ ہو گا ۔ جب کہ شرع اسلام کے تحت احناف کے نزدیک اگر وہ بچہ حالت نکاح میں دو سال کی مدت میں پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا الاّ یہ کہ شوہر انکار کرے ۔

اسی طرح حنفی فقہ کی رو سے انفساخ نکاح کے ۲ سال کے اندر بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی صحیح النسب قرار دیا جائے گا الا یہ کہ عورت عدت

گزر جانے کا اقرار کر چکی ہو اور بچہ کی پیدائش تاریخ اقرار سے چھ ماہ بعد ہوئی ہو یا مرد انکاری ہو ۔

اگرچہ بعض صورتوں میں دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت سے امداد لی جا سکتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ "عدالت ایسے واقعہ کے وجود کا قیاس کر سکتی ہے جس کا وقوع میں آنا عدالت کی دانست میں محتمل ہو مگر اس میں وقوع واقعات کے فطری طریقے کا لحاظ کیا جائے گا ۔" چنانچہ کلکتہ کے ایک مقدمے میں جو قانون شہادت کے اجراء سے قبل کا ہے عدالت نے ایک ایسے بچے کے متعلق جو تاریخ طلاق سے ۱۹ مہینے کے بعد پیدا ہوا تھا ، شرع اسلام کے قاعدے کے اس جزو کو ماننے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ ایسے بچے کو (جو تاریخ طلاق سے ۱۹ ماہ بعد پیدا ہوا ہو) صحیح النسب قرار دینا فطری طریقہ کے خلاف ہے اور محالات سے ہے۔"[۱۶]

طبّی نقطۂ نظر :

وضع حمل کی مدت کے بارے میں متعدد اطباء نے اپنے طبّی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے ۔ چنانچہ شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب "القانون فی الطب"[۱۷] میں لکھا ہے کہ وضع حمل عام طور پر اور اکثر ۹ ماہ کی مدت میں ہوتا ہے اور کم سے کم سات ماہ اور زیادہ سے زیادہ مدت ۱۰ ماہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں شیخ نے محض طبی نقطۂ نگاہ سے طبعی وضع حمل کا ذکر کیا ہے ۔ غیر طبعی طور پر یہ مدت کہاں تک ہو سکتی ہے اس کے متعلق قدیم اطباء کی کتابوں میں باوجود تلاش کوئی تفصیل نہ مل سکی ۔

ایک انگریزی کتاب Origin of Life and Process of Reproduction کا مصنف Dr. F. Hollick بقراط ، ارسطو ، جالینوس اور شیخ کے حوالہ سے

(۱۶) اشرف علی بنام اسد علی ، ۱۸۷۱ع ، کلکتہ ویکلی رپورٹ ، صفحہ ۲۹۰
(۱۷) مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۷۰

اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۵۴ پر لکھتا ہے کہ ان سب کے خیال میں وضع حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہے لیکن کبھی یہ مدت ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ اور بعض اوقات ۱۵ ماہ تک ہو سکتی ہے۔

طبّی نقطۂ نظر سے وضع حمل عموماً دس قمری مہینوں میں ہوتا ہے۔ اس طرح اوسطاً وضع حمل کی مدت ۲۶۶ دن ہوتی ہے۔ یک جاعتی (single sexual exposure) حمل کی صورت میں یہ مدت ۲۶۹ دن شمار کی گئی ہے۔ تاہم مغربی مصنّفین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت وضع حمل جس کا ریکارڈ موجود ہے، ۳۸۹ دن[18]، ۳۱۳ دن[19]، گیارہ ماہ[20]، اور ۳۳۰ سے ۳۴۲ دن[21] ہے۔

ڈاکٹر عارف صدق (شام) نے اپنی کتاب "الطب الشرعی" جلد اول، صفحہ ۱۲۲ میں تحریر کیا ہے کہ اس معاملے میں کوئی یقینی مدت ایسی نہیں ہو سکتی جس کا تعین کیا جا سکے۔ ہر کیس انفرادی نوعیت رکھتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر عورت کے حیض کے دور پر اس کا انحصار ہوتا ہے عام طور پر وضع حمل کی مدت دس دور یعنی ۲۸۰ دن ہوتی ہے جب کہ حیض کا ایک دور ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔

نتیجۂ فکر :

اگرچہ طبّی نقطۂ نظر سے بچہ کا دو سال میں پیدا ہونا نادرالوجود ہے لیکن ائمہ و فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ طب کی بنیاد پر فتویٰ جائز نہیں۔ یعنی طب کسی شرعی حکم میں قول فیصل قرار نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی اسے شرعی حکم کی اساس قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلام اپنے

(18) Ralph c. benson (hand-book of Obst. and Gyn-1964) Page 47-52.

(19) Medical Examiner, June 1946 with ref. of Origin of Life and process of reproduction. Page 354-355.

(20) Medical Gazette, with ref: of Origin of Life and Process of reproduction Page 355.

21) Legal Medicine by Maj. Collis (1902) Page 230-25.

بنیادی اخلاق تصورات کے تحت بچہ کو صحیح النسب قرار دینے میں معمولی سے معمولی حجت کو بھی گوارا کرتا ہے تاکہ بچے کو اپنے والدین کی صحیح اولاد تسلیم کیا جا سکے ۔ اس میں بہت سے سماجی فوائد اور تحفّظات مضمر ہیں ۔ اسی لیے شرع اسلام میں نکاح فاسد و وطی بالشبہ کو بھی ثبوت نسب کی حجّت قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد "الولد للفراش و للعاھر الحجر" ثبوت نسب کے سلسلے میں ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے ۔ چنانچہ فقہاء امت نے مسئلہ کی تفصیلات مرتب کرنے میں پوری توجہ اس طرف مرکوز کی ہے کہ بچہ صحیح النسب قرار دیا جائے ۔ اس پس منظر میں جب ہم زائد سے زائد مدت حمل کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء نے بعید الوقوع یا نادرالوجود صورتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حمل کی مدت کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی محوّلہ بالا حدیث پر اس مسئلہ کا مدار رکھنا ہی انسب اور قرین صواب ہے ۔ وضع حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال قرار دینے کا منشاء یہ ہے کہ محض کسی عورت کا ایک سال سے زائد (اور یہ مدت دو سال تک ہو سکتی ہے) مدت میں بچے کو جننا بجائے خود مرد کے انکار کے قائم مقام نہ ہو ۔

لیکن ساتھ ہی یہ امر مسلّمہ ہے کہ دو سال میں وضع حمل کے واقعات شاذ ہی دیکھنے میں آتے ہیں ۔ بنا بریں اس خطرہ کے سدباّب کے لیے کہ ولدالزنا جائز النسب کا مقام حاصل نہ کرے ، اسلامی ممالک میں ایک سال کی مدت ، حمل کی زائد سے زائد مدت ، قرار دی گئی ہے ، اس کی بنیاد محض شواہد اور روز مرہ پیش آنے والے واقعات پر رکھی گئی ہے ۔ لیکن اس میں احتیاط کے پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کو فقہاء امت نے بطور خاص ملحوظ رکھا ہے ۔

ثبوت نسب به حکم شرعی

۱۴۷۔ جب کسی مرد اور عورت میں بلا شک و شبہ ازدواجی تعلق (خواہ صحیح ہو یا فاسد) مشہور اور معروف طریقے پر قائم ہو کر شرع اسلام کے مقررہ اصول کے مطابق بچے کی پیدائش ہوئی ہو تو بحکم شرعی بچہ صحیح النسب کہلائے گا۔

تشریح

ثبوت نسب کے لیے دو طریقے معمول بہ ہیں۔ ایک قطعی اور دوسرا ظنّی۔ ان کو حجّت قطعی اور حجّت ظنی بھی کہا جاتا ہے۔ حجت قطعی سے مراد حکم شرعی ہے یعنی ایسی حجت جس سے شرعاً نسب ثابت ہو جائے۔

۱۔ چنانچہ اگر ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرے اور چھ ماہ سے کم میں اس کے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اولاد بحکم شرعی اس شوہر کی نہ ہو گی، کیونکہ حمل اس کے نکاح سے پہلے قائم ہوا ہے اور وہ حمل اس کے نطفے سے نہ ہو گا کیونکہ حمل کی مدت چھ ماہ سے کم نہیں ہے اور اگر پورے چھ ماہ یا چھ ماہ سے زائد عرصے میں اولاد پیدا ہو تو وہ اولاد اسی شوہر کی ہو گی کیونکہ عورت کا بہ قیام نکاح فراش ہونا بھی موجود ہے اور حمل کی مدت پوری ہے۔[۲۲]

۲۔ جس عورت کو اس کے شوہر نے رجعی طلاق دی ہو اس کے دو سال یا اس سے زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہوا۔ ایسی صورت میں اگر اس عورت نے اس مدت کے دوران اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بحکم شرعی بچے کا نسب طلاق دینے والے شوہر سے ثابت ہو گا۔ لیکن اگر اس عورت نے طلاق کی اتنی مدت کے بعد جس میں عدت پوری ہو سکتی ہے عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا ہو تو بچے کا نسب طلاق دینے والے

(۲۲) کنزالد قائق، عبداللہ نسفی، مطبع مجتبائی، دهلی، ۱۳۳۸ هجری، صفحہ ۱۵۰
المختصر، القدوری، علامہ ابوالحسن قدوری، صفحہ ۱۷۲

شوہر سے ثابت نہ ہو گا ۔ الا یہ کہ مرد دعویٰ کرے کہ وہ بچہ اسی کا ہے ۔[22] البتہ اگر چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا اس لیے اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ بچے کا حمل عدت گزرنے سے قبل قرار پایا ہوا تھا ۔[23]

۳- ایسی عورت کے بچے کا نسب جس کو بائن طلاق دی گئی ہو شوہر سے اس وقت ثابت ہو گا جب کہ بچے کی پیدائش دو سال سے کم مدت میں ہوئی ہو۔[25] کیونکہ اس صورت میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ حمل طلاق سے پہلے قرار پایا تھا۔ لیکن اگر تفریق کے پورے دو سال بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہو گا الّا یہ کہ شوہر بچے کا دعویٰ کرے۔ البتہ اگر دو سال ہوتے ہی بچہ پیدا ہو گیا (یعنی دو سال سے ایک لمحہ بھی زائد نہ ہو سکا) تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا ۔[26]

۴- بیوہ عورت کے بچے کا نسب اس کے شوہر کی وفات سے دو برس کے اندر ثابت ہو گا ۔[27] اگر اس عورت نے چار ماہ دس یوم ختم ہونے کے بعد عدت ختم ہونے کا اعلان کر دیا پھر پورے چھ ماہ کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا تو متوفی سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا ۔ اور اگر چھ ماہ سے

---

(۲۲) کنزالدقائق، عبداللہ نسفی ، مطبع مجتبائی ، دھلی ، ۱۳۳۸ ھجری ، صفحہ ۱۴۹
شرح وقایہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۵٦
ھدایہ ، برھان الدین مرغینانی ، مطبوعہ دھلی ، جلد ۲ صفحہ ۴۳۰

(۲۳) فتح القدیر، ابن ھمام، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵٦ ھجری ، جلد ۳ ، صفحات ۱-۳۰۰
مجمع الانھر، داماد آفندی،مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ھجری ، جلد ۱، صفحہ ۴۷۴

(۲۵) المختصر ، القدوری ، المطبعۃ الجالیہ ، ۱۳۳۰ ھجری ، صفحہ ۱۷۱

(۲٦) ھدایہ ، برھان الدین مرغینانی ، مطبوعہ دھلی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۰
فتح القدیر، ابن ھمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵٦ ھجری ، جلد ۳ ،صفحہ ۳۰۳
شرح وقایہ ، جلد ۲ ، صفحات ۵۷-۱۵٦

(۲۷) ھدایہ اولین ، برھان الرین مرغینانی ، مطبوعہ دھلی ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۱

کم میں پیدا ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا ۔[۲۸]

امام مالک و امام شافعی کے نزدیک حیض اور طہر (زمانۂ پاکی) والی عورت جو عدت میں ہو جب اپنی عدت ختم ہونے کا اقرار کر لے اور اس اقرار کے بعد پورے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصے میں اس کے بچہ پیدا ہو تو ۴ سال تک کی درمیانی مدت میں بچے کے پیدا ہو جانے کی صورت میں بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا بشرطے کہ اس نے دوسرا نکاح نہ کیا ہو ۔ لیکن امام احمد ابن حنبل کے نزدیک ایسی صورت میں بچے کا حمل اس شوہر سے ثابت نہ ہوگا ۔ (مگر بعض حنبلی فقہاء مثلاً خرقی وغیرہ اس مسئلے میں امام مالک اور شافعی کے ہم خیال ہیں) اسی طرح حنبلی فقہ کی کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ اگر آئسہ (وہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو) یا وہ عورت جو اپنے شوہر کی وفات کی عدت میں ہو تو اس کی عدت گزر جانے کے اقرار کے بعد اگر ۴ سال سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا ۔ اور یہ پیدائش اس عورت کے اقرار کے جھوٹے ہونے کا سبب قرار دی جائے گی ۔[۲۹]

۵ ۔ اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا ہو تو شوہر کے انتقال کے وقت سے دو سال کی مدت کے اندر جس وقت بھی بچہ پیدا ہو گا اس کا نسب متوفی کی طرف منسوب کیا جائے گا ۔[۳۰] لیکن امام زفر کے قول کے مطابق وفات کی عدت (چار ماہ دس یوم) گزرنے کے بعد اگر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ ہوا ہے تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں ۔ لیکن

---

(۲۸) هدایه اولین ، برهان الدین مرغینانی ، مطبوعه دهلی ، جلد ۲ ، صفحه ۴۳۱
فتح القدیر ، ابن همام ، مطبوعه مصر ، ۱۳۵۶ هجری ، جلد ۳ ، صفحه ۳۰۳
کنز الدقائق ، عبدالله نسفی ، مطبع مجتبائی دهلی ، ۱۳۳۸ هجری ، صفه ۱۴۹
المختصر ، القدوری ، المطبعة الجالیه ، ۱۳۳۰ هجری، صفحه ۱۷۲
(۲۹) المغنی، ابن قدامه مقدسی ، مصبوعه مصر ، ۱۳۶۷ هجری ، جلد ۷ ، صفحه ۴۷۹
(۳۰) المختصر ، القدوری ، المطبعة الجالية ، ۱۳۳۰ هجری ، صفحه ۱۷۲

اگر یہ لڑکی بالغہ نہ تھی بلکہ قریب البلوغ تھی اور شوہر کی وفات کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا ، اگر یہ بچہ کل دس ماہ دس یوم سے کم مدت میں پیدا ہوا ہے تو متوفی سے نسب ثابت ہوگا اور اگر اس کے بعد پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا ۔ کیونکہ چار ماہ دس یوم وفات کی عدت ہے اور حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے لہذا اگر اس کل یعنی دس ماہ دس یوم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ عدت میں استقرار حمل ہو چکا تھا ۔[۳۱]

٦ - اگر کسی عورت سے نکاح کرنے کی تاریخ سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو جائے تو ایسے بچے کا نسب اس شوہر سے ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں نکاح سے پہلے حمل قرار پانا واضح ہے ۔ البتہ اگر پورے چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہوا تو بحکم شرعی نسب ثابت ہوگا خواہ شوہر اقرار کرے یا نہ کرے یا خاموش رہے ۔ لیکن اگر شوہر نے انکار کیا کہ یہ بچہ اس عورت کے نہیں پیدا ہوا اور دایہ نے اس کی ولادت کی گواہی دے دی تو نسب ثابت ہو جائے گا اور بچے کی صحیح النسبی کے انکار سے شوہر پر لعان واجب ہو جائے گا ۔[۳۲]

ملک شام کا قانون :

ثبوت نسب کے بارے میں ملک شام میں حسب ذیل قانون رائج ہے :

دفعہ ۱۲۹ - (۱) ہر اس زوجہ کے بچے کا نسب ، جو نکاح صحیح میں ہو ، اپنے شوہر سے حسب ذیل دو شرائط کے ماتحت ثابت ہوگا :

(الف) یہ کہ زوجین کے عقد نکاح کو حمل کی کم از کم مدت (چھ ماہ) گزر چکی ہو ۔

---

(۳۱) مجمع الانہر ، داماد آفندی مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۷

(۳۲) فتح القدیر ، ابن ہمام مطبوعہ مصر ، ۱۳۵٦ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰۸
مجمع الانہر ، داماد آفندی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۷

(ب) یہ کہ ظاہر طور پر زوجین کے درمیان عدم ملاقات ثابت نہ ہو ۔ مثلاً یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک قید خانے میں ہو یا حمل کی انتہائی مدت تک کسی دور دراز شہر میں ہو۔

(۲) اگر مندرجہ بالا دو شرائط میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے تو بچے کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ شوہر اس بچے کے نسب کا اقرار کرے اور اس بچہ کا دعویٰ کرے ۔

(۳) جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو بچے کے نسب کی شوہر سے نفی نہ کی جائے گی ، مگر لعان کے ذریعہ سے (اس بچہ کے نسب کی نفی کی جا سکے گی) ۔

دفعہ ۱۳۰ ۔ اگر مطلقہ یا بیوہ نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو اس کے بچے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا ، بشرطیکہ اس عورت نے اس بچے کو تاریخ طلاق یا وفات سے ایک سال کے اندر جنا ہو اور اگر ایک سال سے زیادہ میں جنا تو اس بچے کا نسب اس شوہر سے ثابت نہ ہوگا الاّ یہ کہ شوہر (بصورت طلاق) اس کا دعویٰ کرے یا (بصورت وفات) اس کے ورثاء اس بچے کا دعوی کریں ۔

دفعہ ۱۳۱ ۔ مطلقہ یا بیوہ جس نے عدت گزرنے کا اقرار کر لیا ہو ان دونوں کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب کہ وہ (مطلقہ یا بیوہ) وقت اقرار سے ۱۸۰ یوم سے کم میں یا وقت طلاق یا موت سے ایک سال سے کم میں بچہ جنیں ۔

دفعہ ۱۳۲ ۔ (۱) اس بچے کا نسب جو نکاح فاسد میں دخول کے بعد پیدا ہوا ہو شوہر سے ثابت ہو جائے گا ، بشرطے کہ وہ بچہ تاریخ دخول سے ۱۸۰ یوم یا اس سے زائد دنوں میں پیدا ہوا ہو ۔

(۲) اگر اس بچے کی ولادت متارکت یا تفریق کے بعد ہوئی ہو تو

اس کا نسب ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ وہ عورت اس بچے کو تاریخ متارکت یا تفریق سے ایک سال کے اندر جنے۔

دفعہ ۱۳۳ - (۱) وہ عورت جس کے ساتھ شبہ میں وطی (صحبت) کی گئی ہو اگر وہ کم از کم مدت حمل اور زائد از زائد مدت حمل کے درمیان بچہ جنے۔ تو اس کا نسب وطی کرنے والے مرد سے ثابت ہوگا۔[۳۳]

ثبوت نسب بذریعہ دعویٰ

۱۴۸ - کسی مرد اور عورت میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو کر بچے کی صحیح النسبی بذریعہ دعویٰ ثابت ہو سکتی ہے۔

تشریح

قیام نسب کے لیے دوسرا ذریعۂ ثبوت دعویٰ ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کسی لڑکے سے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے بعد لڑکے کی ماں یہ کہے کہ میں متوفی کی زوجہ ہوں تو یہ عورت متوفی کی زوجہ متصور ہوگی اور وہ لڑکا اس شخص کا بیٹا مانا جائے گا[۳۴] بشرطے کہ اس شخص کا اس لڑکے کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ یہ اس کا بیٹا ہے عادتاً محال نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ اس شخص اور بیٹے کی عمر میں ایسا تفاوت نہ پایا جائے کہ اس لڑکے کا اس شخص کا بیٹا ہونا عادتاً محال ہو جیسے کہ مرد کی عمر ۲۵ سال ہو اور لڑکے کی عمر ۲۰ سال۔

اگر ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور اس زوجہ کے دو

---

(۳۳) قانون الاحوال الشخصیہ، شام

(۳۴) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۰۹
کنز الدقائق، عبداللہ نسفی، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۳۸ ہجری، صفحہ ۱۵۴
شرح وقایہ، جلد ۳، صفحہ ۱۶۷
ہدایہ، برہان الدین مرغینانی، مطبوعہ دہلی، جلد ۲، صفحہ ۴۳۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ، مصر، ۱۳۲۷ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۷۹
بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۱۷

سال یا اس سے زائد میں بچہ پیدا ہوا اور شوہر اس بچے کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بچہ ہے تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا۔[۳۵]

نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کی پیدائش کی صورت میں بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ وہ (مرد) اس بچے کا دعویٰ کرے (کہ وہ اس کا ہے) اور یہ نہ کہے کہ وہ زنا کا نتیجہ ہے۔

یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ ایک زانی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا ہو جس کے ساتھ اس نے زنا کیا ہے، درآں حالیکہ وہ عورت اس مرد سے حاملہ تھی اور نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو تو اس بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہ ہوگا الاّ یہ کہ وہ مرد اس بچے کا دعویٰ کرے اور یہ نہ کہے کہ بچہ زنا کا نتیجہ ہے۔

نسب بذریعہ شہادت

۱۴۹ - بچے کی صحیح النسبی کا قیاس ان حالات سے کیا جا سکتا ہے جن سے اس کے والدین میں نکاح کا ہونا قیاس کیا جا سکتا ہو:

(الف) کسی مرد اور عورت میں ازدواجی تعلق قائم ہو کر شریعت اسلامیہ کے مقررہ اصول میں شک و شبہ کے احتمال کے ساتھ بچے کی پیدائش ہوئی ہو تو اس کا نسب بذریعہ حجت ظنی (شہادت و قیاس) ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(ب) قیام نسب کے سلسلے میں شرعی اثبات کے تمام وسائل قبول کیے جائیں گے۔

تشریح

ثبوت نسب کا تیسرا ذریعہ شہادت ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ

(۳۵) فتح القدیر ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۰۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۳۷۶

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ھے کہ " عورتوں کی شہادت جائز ھے ان امور میں جن کے دیکھنے کی مرد اھلیت نہیں رکھتے ۔" اگرچہ اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ھے لیکن اس کو ابن ابی شیبہ نے ابن شہاب زھری سے روایت کیا اور کہا ھے کہ زھری نے فرمایا کہ "اس بات پر سنت جاری ھوئی کہ ان امور میں عورتوں کی شہادت جائز ھے جن (امور) پر سوا عورتوں کے کوئی اطلاع نہیں پاتا ۔" اس حدیث کو دار قطنی نے محمد بن عبدالملک واسطی کے واسطہ سے روایت کیا ھے اور محمد بن عبدالملک نے اعمش سے اور انھوں نے ابی وائل سے اور انھوں نے حذیفہ سے روایت کیا ھے کہ "نبی صلعم نے دایہ کی شہادت جائز قرار دی ۔" چنانچہ اگر شوھر بقیام نکاح بچے کی ولادت سے انکار کرتا ھے تو ایک دائی کی شہادت سے نسب ثابت ھو جائے گا ۔

امام محمد ایشیبانی نے بھی اپنی کتاب الآثار میں لکھا ھے کہ ابراھیم نخعی بھی بچہ کے رونے پر (ولادت کے وقت) عورتوں کی شہادت کو جائز سمجھتے تھے ۔

البتہ مطلقہ کے بطن سے پیدا شدہ بچہ کے نسب کے بارے میں مرد کے انکار کی صورت میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ھے ۔ امام ابویوسف و امام محمد کی دلیل یہ ھے کہ مطلقہ عورت نے دوران عدت بچہ جنا اور عدت موجود ھونے کے سبب وہ اپنے شوھر کی فراش ھے اور فراش ھونے سے نسب لازم ھو جاتا ھے لہذا نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں اور بصورت انکار اگر ضرورت ھے تو یہ کہ بچہ اسی عورت نے جنا ھے اور یہ بات ایک عورت (دائی) کی گواھی سے ثابت ھو جائے گی ، جیسا کہ نکاح قائم رھنے کی صورت میں بالاتفاق ثابت ھو جاتی ھے ۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ھیں کہ مطلقہ عورت نے وضع حمل کا اقرار کیا تو عدت گزر گئی اور گزری ھوئی چیز حجّت نہیں ھوتی ، لہذا نئے

سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت لاحق ہوگی ۔ اس لیے مکمل گواہی شرط ہے ۔ بالفاظ دیگر وضع حمل کے ساتھ ہی عدت گزر جانے کے بعد عورت اجنبیہ ہو گئی اور اجنبیہ کے بچے کا نسب اس کے سابق شوہر سے ثابت کرنے کے لیے حجّت یعنی شہادت شرعی (مکمل شہادت) قائم ہونی چاہیے جو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ہو ۔ یعنی اگر معتدّہ (وہ عورت جو عدت میں ہو) کے اولاد پیدا ہو اور شوہر منکر ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مرد یا دو عورتیں اور ایک مرد کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائےگا ۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک ایک دائی کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائےگا ۔ البتہ اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر حمل کا اقرار کرے تو بلا شہادت نسب ثابت ہوگا ۔[36]

اگر شوہر بچے کی ولادت سے انکاری ہے تو دائی کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائےگا ۔ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ اگر معتدّہ عورت نے دعوی کیا کہ میں نے لڑکا جنا اور شوہر نے اس کی ولادت سے انکار کیا تو اگر قبل ولادت حمل ظاہر نہ تھا اور نہ ہی شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عوتوں کی گواہی ضروری ہوگی ۔ لیکن صاحبین کے نزدیک صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے ۔[37]

۴ ۔ امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی شرط ہے ۔ امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے ۔ علماء حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اگر نکاح قائم ہو تو ایک دائی کی گواہی سے نکاح

---

(۳۶) المختصر ، القدوری ، المطبعة الجالية ، ۱۳۳۰ هجری ، صفحه ۱۷۲
هدایه ، برهان الدین مرغینانی ، مطبوعه دهلی ، جلد ۲ صفحه ۴۳۱
(۳۷) شرح وقایه ، جلد ۲ ، صفحه ۱۶۰
هدایه ، برهان الدین مرغینانی ، مطبوعه دهلی ، جلد ۲ ، صفحه ۴۳۱

ثابت ہو جائے گا لیکن اختلاف موت اور طلاق کی صورت میں ہے چنانچہ موت اور طلاق کی صورت میں آکیلی دائی کی گواہی سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نسب ثابت نہ ہوگا ، جب کہ صاحبین کے نزدیک ایک دائی کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا ۔

خلاصۂ بحث :

مندرجہ بالا نظائر کا خلاصہ یہ ہے کہ معتدہ عورت خواہ معتدۂ طلاق ہو یا معتدۂ وفات ، طلاق رجعی ہو یا بائن ، بچے کا نسب اس کے باپ سے (بصورت انکار) اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کہ اس عورت سے بچے کی پیدائش پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں یا پہلے سے حمل ظاہر ہو یا شوہر نے اپنی زوجہ کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا ہو ۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے ۔

صاحبین کے نزدیک تمام صورتوں میں صرف ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا ۔ چونکہ عدت کے قیام کی بناء پر عورت کا فراش ہونا ثابت ہے جو نسب لازم کرنے کے لیے کافی ہے اور صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ تعین کیا جائے یا قرار دیا جائے کہ بچہ اسی عورت کا ہے ۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عورت کے وضع حمل کا اقرار کرنے سے شرعاً عدت ختم ہوگئی اور جو چیز گزر چکی ہے وہ آئندہ حکم کے لیے حجت نہیں ہو سکتی ۔ لامحالہ ثبوت نسب کے لیے کامل حجت کی ضرورت پیش آئے گی ۔ چنانچہ حجت بذریعۂ شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں ، بخلاف اس صورت کے جب واضح طور پر حمل موجود ہو یا شوہر نے حمل کا اقرار کر لیا ہو کیونکہ نسب کا ثبوت پہلے سے موجود ہے اب شہادت کی ضرورت صرف اس لیے ہوگی کہ یہ تعین کیا جائے کہ بچہ اسی عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے ۔

اگر معتدۂ وفات کے بچہ پیدا ہو جس کی تصدیق متوفی کے ورثاء کر دیں اور شہادت کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ورثاء کے حق میں بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ البتہ دیگر اشخاص کے حق میں بچے کا نسب ثابت ہو گا یا نہیں ، اس میں اختلاف ہے ۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر متوفی کے ورثاء شہادت کے اہل ہیں تو دیگر تمام افراد کے حق میں بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا ایسی صورت میں بعض فقہاء کے نزدیک یہ شرط ہے کہ متوفی کے ورثاء نے تصدیق نسب شہادت کے لفظ کے ساتھ کی ہو لیکن بعض فقہاء کے خیال میں تصدیق اور اقرار کے لیے شہادت کے لفظ کا استعمال ضروری نہیں اور یہی نقطۂ نظر صحیح تسلیم کیا گیا ہے ۔[۳۸]

ایک عورت کے بچہ پیدا ہونے کے بعد زوجین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ شوہر نے کہا کہ اسے نکاح کیے ہوئے صرف چار ماہ گزرے ہیں عورت نے کہا چھ ماہ ہو گئے ۔ ایسی صورت میں عورت کا قول معتبر ہو گا ، کیونکہ یہاں ظاہر حال کی شہادت عورت کے حق میں ہے یعنی یہ کہ بچے کی پیدائش نکاح کے تحت مانی جائے نہ کہ زنا کا نتیجہ ہو ۔[۳۹]

اگر عورت مطلقہ بائنہ یا بیوہ ہو اور اس کے بطن سے اولاد پیدا ہو اور اس کا شوہر یا بصورت وفات اس کے ورثاء اس بچے کے نسب کا انکار کریں اور اولاد دو برس سے کم میں ہوئی ہو اور اس عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نسب کی شہادت دے دیں یا حمل ظاہر ہو یا وارث اس کو سچا بتائیں تو وہ اولاد اسی شوہر کی ہوگی ۔[۴۰]

---

(۳۸) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۰۶-۷
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۷۷
(۳۹) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۰۹
(۴۰) کنزالدقائق، عبداللہ نسفی، مطبع مجتبائی دھلی، ۱۳۳۸ ہجری، صفحہ ۱۴۹-۵۰

نسب بذریعہ اقرار

۱۵۰ - جب کسی بچے کا نسب غیر متعین ہو تو شرع اسلام کے مطابق اقرار کے ذریعہ نسب ثابت کیا جا سکے گا - مگر لازم ہے کہ اس اقرار کا اثر ، سوائے ماں باپ اور بچے کے ، دیگر اشخاص پر ان کی تصدیق کے بغیر نہ پڑے گا -

تشریح

جب کسی بچے کا نسب بطریق معمول اپنے باپ سے ثابت نہ ہو یعنی یہ امر ثابت نہ ہو کہ اس کا نطفہ قرار پکڑنے کے وقت اس کے والدین میں صحیح ازدواجی تعلق قائم تھا ، تو شرع اسلام کے تحت اقرار بالنسب کے ذریعہ نسب ثابت کیا جا سکتا ھے لیکن اگر بچہ کا کسی دیگر شخص کے تعلق سے صحیح النسب ہونا ثابت ہو جائے تو اقرار نسب غیر موثّر ہو گا - بالفاظ دیگر اقرار بالنسب کے اصول کا اطلاق صرف ایسی صورت میں ہو گا جب کہ نسب غیر متعین اور مبہم ہو -

اقرار بالنسب کی شرائط :

اقرار بالنسب کا بنیادی اصول یہ ھے کہ صحیح النسبی شرعاً ، عادتاً اور عرفاً ممکن ہو مثلاً باعتبار عمر وہ شخص اس بچے کا باپ ہو سکتا ہو، وہ عورت محرمات میں سے نہ ہو اور وہ بچہ کسی دوسرے شخص کی مشہور و معروف اولاد نہ ہو -

یہاں یہ وضاحت ضروری ھے کہ اقرار بالنسب کے اصول کی حیثیت ایک قاعدۂ شہادت کی نہیں ھے بلکہ یہ قانون اصلی (substantive law) کا ایک جزو ھے - چنانچہ اقرار بالنسب کے سلسلے میں عدالتوں کو اسلامی احکام فقہ پر عمل پیرا ہونا چاہیے -

اقرار بالنسب کا صریح ہونا ضروری نہیں اگر ایک شخص عادتاً اور علانیہ طور پر اس بچے کے ساتھ مثل اپنی صحیح النسب اولاد کے سلوک کرتا رھا ھے تو اس واقعہ سے صحیح النسبی کا قیاس کیا جا سکتا ھے -

اسلامی ممالک میں اقرار بالنسب کے احکام

عراق :

دفعہ ۵۲- (۱) اقرار فرزندی اگرچہ مرض الموت میں کیا جائے مجہول النسب کے واسطے ثبوت نسب کا سوجب ہوگا ، جب کہ اس اقرار کے ساتھ مقر کا مثل اس مقرلہ کے لڑکا پیدا ہو سکتا ہو ۔

(۲) جب کہ مقر شادی شدہ یا معتدہ عورت ہو تو اس کے بچے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت نہ ہوگا مگر ساتھ شوہر کی تصدیق یا گواہی کے ۔

۳- مجہول النسب کا کسی کے بارے میں باپ یا ماں ہونے کا اقرار کرنے سے اس اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہے ، جب کہ مقرلہ اس کی تصدیق کر دے اور وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کا مثل پیدا ہو سکتا ہو اس مقر کے ۔

(۴) اقرار کرنا ساتھ نسب کے علاوہ بیٹے ہونے کے ، باپ ہونے کے اور ماں ہونے کے ، نہیں سرایت کرے گا غیر مقر پر (یعنی جس شخص نے اقرار کیا ہے اس کے سوائے دوسرے اشخاص پر اس کے اقرار کا اثر نہ پڑے گا) الّا یہ کہ دوسرا شخص (جس پر اثر پڑے) اس کی تصدیق کرے ۔ [۴۱]

شام :

دفعہ ۱۳۴-(۱) مجہول النسب کے لیے اس کا نسب اقرار کنندہ سے ثابت ہو جاتا ہے واسطے فرزندی کے اقرار سے خواہ وہ مرض الموت میں ہو ، جب کہ عمر میں ایسا فرق ہو جو اس فرزندی کا احتمال رکھتا ہو ۔

(۲) جب کہ اقرار کنندہ عورت منکوحہ یا معتدہ ہو تو بچے کا

---

(۴۱) قانون الاحوال الشخصیہ

نسب ثابت نہیں ہوتا ہے مگر ساتھ باہمی تصدیق کے یا بذریعہ گواہی کے۔

دفعہ ۱۳۵- اگر کوئی مجہول النسب کسی کے متعلق یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا باپ یا ماں ہے تو اس کا نسب اس مرد یا عورت سے ثابت ہو جائے گا جب کہ مقرلہ (جس کے لیے اقرار کیا جائے) نے اس کی تصدیق کی ہو اور دونوں کے درمیان عمر میں ایسا تفاوت پایا جائے جو اس تعلق کا احتمال رکھتا ہو۔

دفعہ ۱۳۶- کسی شخص کے بارے میں فرزند، باپ یا ماں ہونے کے اقرار کا اثر غیر مقر پر نہیں ہوگا الّا اس (شخص) کی تصدیق کے۔[۴۲]

عدالتی فیصلے:

بمقدمہ محمد عظمت بنام لالی بیگم پریوی کونسل نے یہ تحریر کیا کہ متعدد مقدمات میں یہ طے ہو چکا ہے کہ اقرار بالنسب کا صریح ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا اپنی اولاد کے نسب کا اقرار اس کے علانیہ پدرانہ برتاؤ سے لگایا جا سکتا ہے۔[۴۳]

اقرار بالنسب اور بار ثبوت کے سلسلے میں پریوی کونسل نے بمقدمہ حبیب الرحمٰن بنام الطاف علی اس مسئلہ میں تفصیل کے ساتھ لکھتے ہوئے کہا کہ چونکہ مسلمانوں میں بغیر کسی رسم کے نکاح منعقد ہوتا ہے، اس لیے براہ راست نکاح کا ثبوت ہر حالت میں دستیاب ہونا مشکل ہے۔ جہاں نکاح کا بلا واسطہ ثبوت نہیں مل سکتا، وہاں قیاسی ثبوت کافی متصور ہوتا ہے۔ بالواسطہ یا قیاسی ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اولاد کی صحیح النسبی کا اقرار کیا جائے۔ یہ اقرار نہ صرف فرزندی بلکہ صحیح النسب فرزندی کا ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ اقرار مذکور ظاہراً نا ممکنات میں سے نہ ہو۔ جب شرائط مذکور مکمل ہو جاتی ہیں تو اقرار کی وقعت محض

---

(۴۲) ۱۸۸۱ع آئی۔ اے۔
(۴۳) قانون الاحوال الشخصیہ

شہادتی بیان سے بالاتر ہوکر نکاح کا قیاس قائم کرتی ہے اس قیاس سے زوجہ اور بیٹا دونوں بحیثیت مدعی فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ چونکہ یہ واقعاتی قیاس ہے نہ کہ قیاس قطعی ، اس سے دیگر واقعاتی قیاسات کی طرح اس کے خلاف ثابت کرنے سے اس کی تردید ممکن ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس دعویدار بیٹے کی تائید میں صحیح النسبی کا باضابطہ اقرار موجود ہو اس کی ماں کا نکاح ثابت شدہ اور اس بیٹے کی صحیح النسبی مسلمہ تصور کی جائے گی تاوقتیکہ اس نکاح کی تردید نہ کی جائے ۔[۴۴]

اقرار بالنسب سے رجوع

۱۵۱ ۔ اقرار بالنسب جو بہ پابندی احکام شرع کیا جائے ناقابل رجوع ہوگا۔

تشریح

اگر کوئی باپ کسی بچے کے بارے میں یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا ہے ، اور وہ رشتہ شرعی اور واقعاتی اعتبار سے ممکنات میں سے ہو تو پھر اس مرد کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اس سے منحرف ہو جائے ۔ چنانچہ جو اقرار بالنسب ایک بار کر لیا جائے اس سے رجوع نہیں کیا جا سکتا ۔

متبنی بنانا

۱۵۲ ۔ اسلام میں کسی کو متبنیٰ بنانا بہ لحاظ احکام شرع بے اثر ہوگا۔

تشریح

مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا ۔ جب زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دے دی اور عدت گذر جانے کے بعد رسول اللہ نے بحکم الٰہی اس سے نکاح کر لیا تو لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ۔ تب ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم''[۴۵] والی آیت قرآنی نازل ہوئی کہ محمد (صلعم) تم آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۔

(۴۴) (۱۹۲۱ء) ۴۸ ' آئی ۔ اے ۔ ۳۱۴ ' ۱۲۰-۲۱
(۴۵) پارہ ۲۲ سورۃ احزاب ۴۰

زید بن حارثہ جن کو آپ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ آپ ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح نہ کر سکیں ۔ اس آیت سے یہ حکم مرتب ہوا کہ کسی کو متبنیٰ بنا لینے سے اس کو شرعاً اولاد کا درجہ اور حق حاصل نہیں ہو جاتا ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کا متبنیٰ ہو تو اسے وہ حقوق حاصل نہ ہوں گے جو اولاد کو ماں باپ پر حاصل ہوتے ہیں مثلاً حق نفقہ یا وراثت وغیرہ ۔ اسی طرح تبنیت میں لینے والا بھی متبنیٰ کی جائداد کا وارث نہیں بن سکتا ۔

بعض حضرات جو کھینچ تان کر تبنیت کو اسلام میں باین طور رائج کرنے کا خیال رکھتے ہیں کہ اس میں اولاد حقیقی کے حقوق قائم ہو جائیں حضور کے زمانے کے ''عقد مواخات'' کو دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو حکم دیا کہ مہاجر و انصار آپس میں ''عقد مواخات'' کر لیں یعنی ایک دوسرے کو اپنا بھائی بنا لیں ۔ اس کے نتیجے میں وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہو جاتے تھے اور ان میں وراثت بھی جاری ہو جاتی تھی ۔ لیکن اس واقعہ سے یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اس واقعہ کے بعد ''آیت قرآنی'' ''واولو الارحارم بعضھم اولیٰ ببعض'' نازل ہوئی جس نے یہ تصریح کر دی کہ ذوی الارحام آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور اس طرح ''عقد مواخات'' کے ذریعہ وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا ۔ بعض حضرات تبنیت میں لینے والے شخص اور متبنیٰ کے درمیان بر بنائے معاھدۂ تبنیت وراثت جاری کرنے کے حق میں نظر آتے ہیں لیکن وراثت بر بنائے معاھدہ جاری نہیں ہو سکتی ۔ البتہ تبنیت میں لینے والا متبنی کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت کر سکتا ہے جیسا کہ وہ کسی اجنبی کے لیے کرنے کا شرعاً مجاز ہے ۔

حضانت

بائیسواں باب

حضانت

پرورش کا حق

۱۵۳ ۔ سات سال سے کم عمر لڑکے اور تا حد بلوغ لڑکی کی حضانت کا حق ماں کو حاصل ہوگا الاّ یہ کہ کسی سبب سے شریعت نے اس کو غیر مستحق قرار دیا ہو :

مگر لازم ہے کہ حق حضانت میں بچے کی فلاح و بہبود اور حفاظت کا لحاظ رکھا جائے ۔

تشریح

حضانت کے لغوی معنی تربیت کے ھیں ۔ شرعی اصطلاح میں ماں یا کسی شرعی مستحق کے چھوٹے بچے کو پرورش کرنے کو ''حضانت،، کہتے ھیں ۔

اجماع :

اس امر میں امّت مسلمہ کا اجماع ھے کہ بچہ کی پرورش کی مستحق سب سے پہلے اس کی ماں ھے ۔ دوسرے رشتہ داروں کا درجہ اس کے بعد ھے ۔ البتہ اس امر میں اختلاف ھے کہ اس لڑکے یا لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو کتنی عمر تک رھتا ھے ؟

حنفیہ مسلک :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب لڑکا خود کھانے پینے، لباس پہننے اور استنجا کرنے لگے تو اس کی پرورش کا حق ماں سے باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ھے ۔ لڑکے کی اس حالت کو پہنچنے کی عمر کا اندازہ علامہ خصّاف نے سات آٹھ سال بیان کیا ھے ۔ البتہ ماں کو لڑکی کی پرورش کا حق اس

کے بالغ ہونے تک ہے ۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے ۔ امام محمد کے نزدیک جب لڑکی میں نفسانی خواہش ظاہر ہو تو اس وقت تک ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے ۔ متاخرین احناف نے امام محمد کے قول کو پسند کیا ہے ۔[1]

ائمہ ثلاثہ کا نقطۂ نظر :

امام مالک کے نزدیک ماں کو لڑکے کی پرورش کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ لڑکا واضح طور پر بات چیت کر سکے اور لڑکی کا شادی ہونے تک ۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کی پرورش کا حق دونوں کی سات سال عمر ہونے تک ماں کو حاصل ہے ۔ اس کے بعد بچے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ماں اور باپ میں جس کو پسند کرے اس کے سپرد کر دیا جائے ۔[2]

شیعہ فقہاء کی رائے :

شیعی فقہ کی رو سے ماں کو لڑکے کے متعلق دو سال اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق حضانت حاصل رہتا ہے ۔ جب بچے مذکورہ بالا عمر کی حد کو پہنچ جائیں تو باپ کو حق حضانت حاصل ہو جاتا ہے ۔[3] اس ضمن میں اهلسنت و الجماعت کا مسلک صواب سے قریب تر معلوم ہوتا ہے ۔ نابالغوں کی مصلحتیں بھی اسی کے متقاضی ہیں اور اسی بنیاد پر قانون سازی مناسب ہوگی ۔

قرآن میں ظاہر نص نہیں :

ماں کے حق حضانت کے بارے میں قران کریم میں کوئی آیت ظاہر

---

(۱) مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ہجری، جلد ۱، صفحات ۸۲-۴۸۱
بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۴، صفحہ ۴۲
فتح القدیر، ابن ہمام مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۱۶
(۲) المغنی، ابن قدامہ مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحات ۱۶-۶۱۴
(۳) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر، مطبوعہ تہران، القسم الثانی صفحات (۱ و ۲)

نص کے طور پر اس مسئلہ میں موجود نہیں البتہ اقتضاء نص کے طور پر فقہاء نے آیت رضاعت ''والوالدات یرضعن اولاد ھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة'' سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لیے ہے کہ جو رضاعت مکمل کرنا چاہتا ہے ۔ چنانچہ اس آیت سے اقتضاء نص کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صغر سنی میں بچے کی پرورش کا حق اولاً ماں کو حاصل ہے ۔

احادیث نبوی :

فقہاء نے ماں کے حق حضانت میں مذکورہ آیت قرانی کے ساتھ متعدد احادیث سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ جن احادیث سے اس مسئلہ میں استنباط کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں ۔

(۱) ''پس نکلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ کے بعد) حمزہ کی بیٹی نے آپ کا تعاقب کیا اور آواز دی اے چچا، اے چچا، پس اس بچی کا ہاتھ حضرت علی نے پکڑ لیا اور فاطمہ سے کہا : اپنے چچا کی بیٹی کو لو ۔ چنانچہ فاطمہ نے اس کو اٹھا لیا ۔ اس بارے میں حضرت علی ، زید اور جعفر نے جھگڑا کیا ، حضرت علی نے کہا کہ میں نے اسے لے لیا ہے اور وہ میرے چچا کی بیٹی ہے ۔ اور جعفر نے کہا کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے , اور زید نے کہا کہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے ۔''[۳]

---

(۳) فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتبعته ابنة حمزة تنادی یاعم یاعم فتناولها علی فاخذ بیدها وقال لفاطمة دونک ابنة عمک فحملتها فاختصم فیها علی و زید و جعفر ، قال علی انا اخذ تها و ھی بنت عمی ، وقال جعفر ابنة عمی و خالتها تحتی ، وقال زید ابنة اخی فقضیٰ بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم لخالتها ۔ وقال الخالة بمنزلة الام ۔ الخ (بخاری، مطبوعہ مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷ ۔ والسنن الکبری بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۸ ، صفحہ ۵)

(۲) ”عمرو بن شعیب نے اپنے باپ اور ان کے باپ نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے روایت کی کہ ایک عورت رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی (اور عرض کیا) یہ میرا بیٹا ہے جس کے لیے میرا پیٹ ظرف تھا اور میری چھاتی مشکیزہ اور میری گود اس کے لیے پناہ گاہ تھی ۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور چاہتا ہے کہ اسے مجھ سے لے لے پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تو اپنے بچے کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ تو (دوسرا) نکاح نہ کر لے ۔“[۵]

(۳) ”حدیث بیان کی مجھ سے رافع بن سنان نے کہ تحقیق انھوں نے اسلام قبول کیا اور ان کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کیا پس وہ نبی کریم صلعم کے پاس آئی اور کہا کہ میری بیٹی کا دودھ چھوٹ گیا اور رافع نے کہا کہ وہ میری بیٹی ہے نبی صلعم نے رافع سے کہا کہ ایک طرف بیٹھ جاؤ اور اس کی عورت سے کہا کہ تم بھی ایک طرف بیٹھ جاؤ اور کہا کہ بچی کو درمیان میں بٹھاؤ پھر کہا کہ تم دونوں بلاؤ پس وہ بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوئی ۔ پس نبی صلعم نے دعا کی ، کہ اے اللہ اس لڑکی کو ہدایت فرما پس وہ اپنے باپ کی طرف مائل ہو گئی ۔ چنانچہ رافع نے اس سے بیٹی کو لے لیا “[۶]

---

(۵) عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبداللہ بن عمرو ان امراۃ قالت یا رسول اللہ ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء و ثدیی له سقاء و حجری له حواء و ان اباه طلقنی اراد ان ینزعه منی فقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انت احق به مالم تنکحی ۔ (السنن الکبریٰ بیهقی ، مطبوعه دکن ، جلد ۸ ، صفحات ۵-۴)

(۶) حدثنی رافع بن سنان انه اسلم و ابت امرأته ان تسلم فاتت النبی صلعم فقالت ابنتی وهی فطیم وقال رافع ابنتی فقال النبی صلعم لرافع اقعد ناحیة وقال لامراته اقعدی ناحیة ، قال واقعد الصبیة بینهما ثم قال ادعواها فمالت الصبیة الی امها ، فقال النبی صلعم ، اللهم اهدها فمالت الی ابیها فاخذها ۔ (السنن الکبری بیهقی مطبوعه دکن ، جلد ۸ ، صفحه ۳ ابوداؤد ، مطبوعه کارخانه تجارت کتب کراچی جلد اول ، صفحه ۳۰۵)

(۴) ''ابی میمونہ سے مروی ہے ، انہوں نے کہا کہ ہم ابی ہریرہ کے پاس تھے پس ابو ہریرہ نے کہا کہ ایک عورت رسول اللہ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرا باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے اور وہ مجھے نفع دیتا ہے اور ابی عیینۃ کے کنویں سے پانی پلاتا ہے پس اس کا شوہر آیا اور کہا کون جھگڑا کرتا ہے مجھ سے میرے بیٹے کے بارے میں ؟ پس فرمایا رسول اللہ نے کہ اے لڑکے ! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے پس جس کا ہاتھ چاہے تھام لے ۔ لڑکے نے ماں کا ہاتھ تھام لیا اور وہ عورت اس لڑکے کو لے کر چلی گئی ۔''[7]

(۵) ''عمارۃ الجرمی سے مروی ہے ، انہوں نے کہا کہ حضرت علی نے مجھے اختیار دیا درمیان میں ماں اور چچا کے ، پھر کہا میرے بھائی کے واسطے جو مجھ سے چھوٹا تھا ، اور یہ ایسا ہی ہے ۔ اگر اس کی عمر کو پہنچے گا اس کو یہی اختیار میں دوں گا ۔''[8]

(۶) ''بیان کیا مجھ سے عبدالرحمن بن ابی الزناد نے ، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے جو روایت کرتے ہیں فقہاء سے جن کا قول

---

(۷) عن ابی میمونۃ قال بینا انا عند ابی ہریرۃ فقال ان امراۃ جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت فداک ابی وامی ان زوجی یرید ان یذھب بابنی وقد نفعنی وسقانی من بئر ابی عیینۃ فجاء زوجھا وقال من یخاصمنی فی ابنی فقال : یا غلام ھذا ابوک و ھذا امک فخذ بیدایھما شئت فاخذ بیدامہ فانطلقت بہ ۔ (نسائی ، مطبوعہ اصح المطابع ، کراچی ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۳ السنن الکبری بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۸ ، صفحہ ۳)

(۸) (عن عمارۃ الجرمی ۔ قال خیرنی علی رضی اللہ عنہ بین امی و عمی ثم قال لاخ لی اصغر منی ، و ھذا ایضاً لوقد بلغ مبلغ ھذا لخیرتہ ۔ (السنن الکبریٰ البیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۸ ، صفحہ ۴)

پہنچتا ہے اہل مدینہ سے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ فیصلہ کیا ابوبکر نے عمرالخطاب کے خلاف ، ان کے بیٹے عاصم کے حق میں عمر کی نانی کے واسطے ، اس کی حضانت کے بارے میں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گیا اور ام عاصم اس دن زندہ تھی اور (دوسرے شخص) کے نکاح میں تھی۔''۹

(۷) ''قاسم بن محمد سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ عمربن الخطاب کے پاس انصار میں سے ایک عورت تھی جس نے ایک لڑکا عاصم بن عمر جنا ۔ پس حضرت عمر نے اس کو طلاق دے دی ۔ پس ایک دن حضرت عمر گھوڑے پر سوار قبا کی طرف جا رہے تھے کہ اپنے بیٹے کو مسجد کے سامنے کھیلتا ہوا پایا ۔ اس کے بازو کو پکڑ لیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان سواری پر بٹھا لیا ، لڑکے کی نانی نے اس کو پا لیا ۔ پھر نانی اور حضرت عمر کا اس لڑکے میں جھگڑا ہوا ۔ دونوں ابوبکر صدیق کی خدمت میں آئے ۔ حضرت عمر نے کہا یہ میرا بیٹا ہے ۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا اے عمر اس عورت اور اس لڑکے کو چھوڑ دے ۔ پس حضرت عمر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا (اس فیصلے سے کوئی تعرض نہیں کیا) ۔''۱۰

---

(۹) ثنا عبدالرحمن بن ابیه الزناد ، عن ابیه عن الفقهاء الذین ینتهی الی قولهم من اهل المدینة کانو یقولون، قضی ابوبکرالصدیق علی عمر بن الخطاب رضی الله عنهما لجدة ابنه عاصم بن عمر بحضانته حتی یبلغ وام عاصم یومئذ حیة متزوجة (السنن الکبریٰ ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۸ صفحہ ۵)

(۱۰) عن القاسم بن محمد قال : کانت عند عمر بن الخطاب رضی الله عنه امرأة من الانصار فولدت له عاصم بن عمر ۔ ثم فارقها عمر رضی الله عنه فرکب یوماً الی قباء فوجدابنه یلعب بفناء المسجد فاخذ بعضده فوضعه بین یدیه علی الدابة فادرکته جدة الغلام فنازعته ایاه فا قبلاحتی اتیا ابابکر الصدیق رضی الله عنه فقال عمر رضی الله ابنی ۔ فقال ابوبکر رضی الله عنه خل بینها و بینه فما راجعه عمر الکلام ۔ (السنن الکبریٰ بیہقی مطبوعہ دکن جلد ۸ ، صفحہ ۵)

(۸) ''مسروق سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ام عاصم کو طلاق دی ۔ وہ(عاصم) اپنی نانی کی زیر پرورش تھا ۔ پس اس نانی نے ابوبکر کی خدمت میں تنازعہ پیش کیا ۔ حضرت ابوبکر نے فیصلہ دیا کہ لڑکا اپنی نانی کے پاس رہے گا اور حضرت عمر کو نفقہ دینا ہوگا اور فرمایا کہ یہ (نانی) اس لڑکے کی (پرورش کی) زیادہ حقدار ہے ۔''[11]

(۹) ایک اور روایت میں ہے کہ پس فیصلہ کیا ابوبکر نے اس لڑکے کی ماں کے حق میں ، پھر فرمایا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا نہیں چھڑاؤ والدہ کو اس کے بیٹے سے ۔''[12]

علامہ ابن قدامہ مقدسی کی رائے :

کتاب المغنی کے مصنف علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے لکھا ہے کہ ''الام احق بکفالۃ الطفل والمعتوہ اذا طلقت'' بچے اور عدیم العقل کی پرورش کی ماں زیادہ حق دار ہے ، جبکہ اسے طلاق دے دی گئی ہو اور اس کی دلیل میں مذکورہ بالا نمبر ۲ حدیث عمرو بن شعیب کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اثر مذکورہ بالا ۶، ۷ اور ۸ پیش کیا ہے ۔ پھر فرمایا ہے ''ولا نہا اقرب الیہ و اشفق علیہ ولا یشار کہا فی القرب الاابوہ ولیس لہ مثل شفقتہا ولا یتولی الحضانۃ بنفسہ و انما یدفعہ الی امرأتہ و امہ اولی بہ من اُمّ ابیہ'' یعنی بچے سے زیادہ قریب اور زیادہ شفقت رکھنے والی ماں ہوا کرتی ہے ۔ اس قرب و شفقت میں باپ کے علاوہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور حقیقت تو یہ ہے ۔ کہ باپ بھی ماں

---

(۱۱) عن مسروق ان عمر رضی اللہ عنہ طلق ام عاصم فکان فی حجرجدتہ فخاصمتہ الی ابوبکر رضی اللہ عنہ فقضی ان یکون الولد مع جدتہ و النفقۃ علی عمر رضی اللہ عنہ وقال ھی احق بہ (السنن الکبریٰ بیہقی مطبوعہ دکن جلد ۸ صفحہ ۵)

(۱۲) فقضی بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ لامہ ثم قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول لاتولہ والدۃ عن ولدھا ۔ (السنن الکبریٰ بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۸ ، صفحہ ۵)

جیسی شفقت نہیں رکھتا اور نانی دادی کی نسبت سے اولیٰ ہو گی ۔ نیز والدہ کی حضانت کے تقدّم میں ایک اور مقام پر اسی کتاب میں ابن مقدسی نے لکھا ہے کہ ''والحضانۃ انما تثبت لحظ الولد فلا تشرع علی وجہ یکون فیہ ھلاکہ و ھلاک (دینہ)'' اور حضانت بچے کی بہبودی و فلاح کے پیش نظر مقرر کی گئی ہے ۔ للہذا کسی ایسے طریقے پر درست نہ ہوگی جس سے بچے کی ذات اور دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو ۔[۱۳]

ابن ہمام کی تصریح :

اسی طرح برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ اور کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے سابقہ دونوں روایات کا حوالہ دیا ہے اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ''ولان الام اشفق و اقدر علی الحضانۃ فکان الدفع الیھا انظر و الیہ اشار الصدیق رضی اللہ عنہ بقولہ، ریقھا خیر من شھدو عسل عندک یا عمر رضی اللہ عنہ '' یعنی اس لیے کہ ماں بچے کے حق میں انتہا سے زیادہ شفیق ہوتی ہے اور نگرانی و حفاظت پر مرد کی نسبت سے زیادہ قدرت رکھتی ہے ۔ اسی شفقت کی طرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ ''اے عمر ! بچے کی ماں کا لعاب دہن بچے کے حق میں تمہارے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہو گا '' صاحب فتح القدیر اس کی شرح میں فرماتے ہیں ''و انما کانت اشفق علیہ لانہ کان جزأ لھا حقیقۃ ، حتی قد یقرض باالمقراض و اقدر علی الحضانۃ لتبتلھا بمصالحا والرجل اقدر علی الاکتساب ولذاجعلت نفقتہ علیہ '' یعنی ماں باپ کی نسبت سے اس لیے زیادہ شفیق ہوتی ہے کہ حقیقت میں بچہ ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات بچے کو قینچی کے ذریعہ کاٹ کر ماں سے جدا کیا جاتا ہے ، اور عورت اسی پرورش میں مشغول

---

(۱۳) المغنی، ابن قدامہ، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحات ۶۱۳-۶۱۴

ہونے کی وجہ سے حضانت پر زیادہ قدرت رکھتی ہے، بخلاف مرد کے کہ وہ مال حاصل کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے ، چنانچہ بیہقی کی منقولہ روایت (۷) ' (۹) اس کی دلیل میں پیش کی ہیں ۔ و نیز سوطا ، امام مالک و مصنف ، ابن ابی شیبہ کے حوالے سے بھی ان روایات کو نقل کیا ہے ۔[۱۴]

ماں کے حق فائق کی علت :

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال میں یہی احادیث پیش کی ہیں اور والدہ کے تقدم کی علت ان الفاظ میں بیان فرمائی ''فلما کان لا یعقل کانت الام اولی بہ علی ان ذلک حق للولد لا للابوین لان الام احنی علیہ وارق من الاب ''[۱۵] پس جب کہ بچہ ناسمجھ ہو تو ماں اس کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے ۔ کیونکہ یہ حق بچے کا ہے نہ کہ والدین کی محبت و الفت و شفقت کے درجات کا ، جس کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل احادیث سے بھی ہوتا ہے ۔

''عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتقبلون الصبیان فما نتقبلہم ، فقال النبی صلعم او املک لک ان نزع اللہ من قبلک الرحمۃ'' متفق علیہ ۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں ایک دیہاتی عرب حاضر ہو کر کہنے لگا آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ، ہم تو ایسا نہیں کرتے ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا جب کہ اللہ نے تیرے دل سے رحم کو نکال دیا ہے تو اس میں میں کیا کر سکتا ہوں ؟ ''و عنہا قالت جائتنی امرأۃ و معہا ابنتان لہا تسالنی فلم اجد عندی غیر تمرۃ واحدۃ فاعطیتہا ایاہا فقسمہا بین ابنتیہا ولم تاکل منہا الخ'' یعنی حضرت عائشہ

---

(۱۴) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، صفحہ ۳۱۴ ۔

(۱۵) کتاب الام ، امام شافعی مطبوعہ مصر ، ۱۳۸۱ ہجری ، جلد ۸، صفحہ ۲۳۵

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک سائلہ آئی جس نے مجھ سے سوال کیا اس وقت میرے پاس سوائے ایک چھوارے کے اور کچھ موجود نہ تھا ۔ میں نے وہ چھوارہ اس عورت کو دے دیا اس نے اس کے دو حصے کرکے اپنی ان دونوں بچیوں کو دے دیا (جو هم راہ تھیں) اور خود نہ کھایا ۔[۱۶]

تجزیہ :

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے ماں اور باپ کی شفقت و محبت کا اندازہ کرنا اور اس سے پرورش کے حق میں ماں کا مقدم ہونا واضح ہو جاتا ہے ، الّا یہ کہ ایسے عوارض پیش آ جائیں جن کی بناء پر بچے کے حق میں ماں کی اس محبت‌وشفقت کے معدوم ہو جانے کا ظن غالب پیدا ہوجائے، چنانچہ سابقہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا ''انت احق بہ مالم تنکحی،، اس وقت تک تو بچے کی زیادہ مستحق ہے جس وقت تک دوسرا نکاح نہ کرلے ، اس امر کی طرف اشارہ ہےکہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد عورت کو چونکہ دوسرے شوہر سے ازدواجی تعلق پیدا ہونے کی بناء پر اس کی اولاد سے شفقت و محبت کا لگاؤ پیدا ہوجائے گا اور ساتھ ہی شوہر ثانی کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہنا ہو گا اس لیے اپنے اول شوہر کے بچے کی پرورش کا حق ادا نہ کر سکے گی ۔ (اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آئے گی) ۔ اسی طرح فقہا نے ماں کے فاسقہ یا غیر مامونہ ہونے کی صورت میں بھی حق حضانت کو ساقط تصور کیا ہے ۔

نتیجۂ فکر :

ان تمام احادیث و آثار سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حق پرورش میں بچے کی بہبودی اور حفاظت کا لحاظ رکھا جائے گا ۔ اور حالات

(۱۶) بخاری و مسلم بحوالۂ مشکوۃ مطبوعہ نور محمد کراچی ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۶۱

کے تقاضے کو نظر انداز نہ کیا جائے گا ۔ اور جہاں تک ممکن ہو ماں کو تقدم حاصل ہوگا اگر کوئی مانع موجود نہ ہو اور بعض مواقع میں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں کہ بچے کو ماں اور باپ کے درمیان اختیار دینا مناسب ہو گا ۔ اور ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے ماں کے سلسلہ کے دوسرے رشتہ داروں ، نانی یا ماموں کے زیر پرورش دینا بہتر ہو گا ۔ اگر حالات کا تقاضا یہ ہے کہ والدہ کی زیر پرورش دینے سے بچے کو دنیوی یا دینی نقصان پہنچے گا تو اس وقت حاکم عدالت کو بچے کے حق میں بہتر طریقہ کا انتخاب از خود کرنا ہوگا۔ اس طرح اگر ایسے افراد جن کو اولاً یا ثانیاً بچے کی پرورش کا حق حاصل تھا موجود نہ ہوں تو خود حاکم کو یہ حق منتقل ہو جائے گا اور پھر حاکم بچے کے عصبات کے علاوہ ایسے رشتہ داروں میں سے کسی کو انتخاب کرے گا جو حتی الامکان بچے کا ذی رحم محرم ہو اور سلسلہ نسب بچے تک عورت کے واسطے سے پہنچا ہو ۔ چنانچہ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر بچے کا چچا زاد بھائی ہو اور ماموں بھی تو ایسی صورت میں ماموں کو مقدم سمجھا جائے گا کیونکہ چچا زاد بھائی محرم نہیں ہے اور ماموں محرم ہے اور اس کا سلسلہ نسب بچے تک ماں کے واسطے سے پہنچا ہے ۔[۱۷]

ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت قوانین

قانون الاحوال الشخصیہ ، عراق :

دفعہ ۵۷۔ (الف) ماں اپنے بچے کی حضانت اور تربیت کی ، دوران زوجیت اور بعد تفریق ، سب سے زیادہ مستحق ہے ۔

(ب) شرط ہوگا کہ حاضنہ عورت ، بالغ ، عاقل اور بچے کے تربیت و

(۱۷) بدائع الصنائع ، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۴، صفحہ ۴۳

تحفظ پر قادر ہو اور کسی ایسے شخص کے نکاح میں نہ ہو جو محضون کے لیے اجنبی (غیر محرم) ہو۔

(ج) جب زوجین حضانت کی اجرت اور مدت کے تعین میں اختلاف کریں تو قاضی اس کا تعین نابالغ کے مصلحت کے پیش نظر کرے گا۔

(د) باپ اور اس کے علاوہ جو بھی ولی ہو ان پر لازم ہے کہ وہ محضون کے معاملے میں اس کی تربیت اور تعلیم کا خیال رکھیں یہاں تک کہ وہ اپنے عمر کے ۷ سال مکمل کر لے۔ لیکن وہ بچہ سوائے حاضنہ کے کسی اور کے پاس نہ رہے گا، جب تک کہ قاضی اس کے خلاف حکم نہ دے۔

(ہ) قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ وہ بچے کی حضانت کی برقراری کے لیے اجازت دے، جب کہ اس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ بچے کی مصلحت اس امر کی متقاضی ہے۔

قانون الاحوال الشخصیہ، مصر:

دفعہ ۲۰۔ قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کو حضانت کی اجازت دے دے، لڑکے کی صورت میں سات سال کے بعد نو سال تک اور لڑکی کے واسطے نو سال کے بعد گیارہ سال تک جب کہ ان دونوں کی مصلحتیں اس بات کی مقتضی ہوں۔

قانون الاحوال الشخصیہ تیونس:

دفعہ ۶۰۔ باپ اور اس کے علاوہ دوسرے اولیاء کے لیے لازم ہے کہ وہ محضون پر نگاہ رکھیں اور اس کو درس گاہ میں بہ غرض حصول تعلیم بھیجیں۔

دفعہ ۶۱۔ جب حاضنہ سفر کرے تو ولی پر اس کے واجبات نہ ہوں گے۔

دفعہ ۶۲۔ جب تک کہ اس کی ماں کی حضانت قائم ہے اور محضون کی مصلحت اس کے خلاف متقاضی نہیں ہے، باپ کو منع کیا جائے گا بچے

کو اس کی ماں کے شہر سے باہر لے جانے سے ، الا یہ کہ اس کی ماں کی رضامندی ہو ۔

دفعہ ۶۳۔ جو عورت بغیر جسانی معذوری کے حق حضانت کو کسی دوسرے پر منتقل کر دے تو بلا رضائے ولی ایسا نہ ہوگا الّا یہ کہ وہ عورت اپنے حق حضانت کو ساقط کر لے ۔

دفعہ ۶۴۔ مستحق حضانت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا حق حضانت ساقط کر لے ، پس حق اس کی طرف جو رتبے میں اس کے بعد ہو ، منتقل ہو جائے گا ، جس کا ذکر فصل ۵۷ میں کیا گیا ہے اور اگر وہ شخص جو رتبے میں اس کے بعد ہے جس کا ذکر فصل ۵۷ میں کیا گیا ہے ، انکار کر دے یا کوئی دوسرا مستحق حضانت موجود نہ ہو تو اس کا حق حضانت ساقط نہ ہو گا ۔

دفعہ ۶۵۔ حاضنہ اجرت حضانت کی مجاز نہ ہوگی سوائے معاوضہ خدمت کے مثلاً کھانا پکانے اور اسی قسم کی دیگر خدمتیں مطابق معروف طریقے کے۔

دفعہ ۶۶۔ اگر بچہ ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے پاس رہتا ہو تو دوسرے کو اس سے ملنا جلنا منع نہ ہوگا اور جو شخص دیکھنے کے واسطے اس بچے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا چاہے تو اس کی مشقت اسی پر ہو گی ۔

دفعہ ۶۷۔ متعین ہو گا کہ محضون بالغ ہونے سے پہلے لڑکے کی صورت میں ۷ سال اور لڑکی کی صورت میں ۹ سال حاضنہ کے پاس رہے ، اور اس کے بعد جب باپ انتقال حضانت کی خواہش کرے تو اس کی خواہش کو پورا کیا جائے گا ، جب کہ حاکم کوئی ایسی بات نہ دیکھے جو اس بچے کی بقا کے لیے ضروری ہو ۔

قانون الاحوال الشخصیہ ، اردن :

۱۲۳- نابالغ بچے کی حضانت ختم ہو جائے گی جب کہ وہ اپنی عمر کے ۷ سال پورے کر لے اور لڑکی کی صورت میں جب کہ وہ ۹ سال مکمل کرلے- قاضی کے لیے جائز ہو گا کہ وہ اجازت دے لڑکے کی حضانت کے واسطے عورتوں کو ۷ سال کے بعد نو سال تک اور لڑکی کی صورت میں نو سال کے بعد گیارہ سال تک ، جب کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ان دونوں کی مصلحتیں ایسے حکم کا تقاضہ کرتی ہیں ۔

قانون الاحوال الشخصیہ ، شام :

دفعہ ۱۴۲- حضانت کی اجرت اس شخص پر ہے جو نابالغ کے نفقے کا ذمہ دار ہے اور وہ اس کے (بچے کے) نفقے سے نصف سے زائد نہ ہو گی۔

دفعہ ۱۴۳- ماں قیام زوجیت یا عدت طلاق کے دوران اجرت حضانت کی مستحق نہ ہوگی ۔

دفعہ ۱۴۴ - جب بچہ کے نفقہ کا ذمہ دار شخص اجرت حضانت ادا کرنے سے بہ سبب تنگدستی عاجز ہو اور نابالغ بچہ کے کسی محرم نے نابالغ کی پرورش کا ذمہ بطور احسان لے لیا تو حاضنہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بچے کو بلا اجرت اپنے پاس روکے رکھے یا اس شخص کے حوالے کر دے جس نے احسان کیا ہو ۔

۱۴۵- جب عورت نافرمان ہو اور اولاد پانچ سال سے زیادہ عمر کی ہو تو قاضی کے لیے اس اولاد کی حضانت کے بارے میں فیصلہ کرنا جائز ہے کہ کس کے پاس رکھے- قاضی ان دونوں کی سلامتی کا لحاظ کرے گا ۔

دفعہ ۱۴۷- قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ وہ عورتوں کو بچے کی حضانت ۹ سال کے ختم تک اور بچی کی حضانت ۱۱ سال کے ختم تک کی اجازت دے دے ۔

دفعہ ۱۴۸۔ (الف) ماں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے لڑکے کے ساتھ دوران قیام نکاح سفر کرے ، ماسوائے باپ کی اجازت کے ۔

(ب) عورت مجاز ہے کہ وہ انقضائے عدت کے بعد بچے کے باپ کی اجازت کے بغیر اپنے شہر ، جہاں اس کا عقد نکاح ہوا ہو ، سفر کرے۔

دفعہ ۱۴۹۔ اگر حاضنہ ماں کےعلاوہ کوئی دوسری عورت ہے تو اس کو لڑکے کے ولی کی اجازت کے بغیر لڑکے کے ساتھ سفر کرنے کا اختیار نہیں ۔

دفعہ ۱۵۰۔ باپ اپنی حضانت کی مدت میں بلا اجازت حاضنہ مجاز نہیں ہے کہ لڑکے کے ساتھ سفر کرے ۔

دفعہ ۱۵۱۔ عورتوں کے ولی کے واسطے لازم ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر میں رکھے جب کہ عورت چالیس سال کی عمر سے کم ہو خواہ وہ عورت ثیبہ ہو ، پس جب کہ وہ بغیر وجہ جائز کے اس ولی سے سرکشی کرے تو اس ولی پر اس کے نفقے کی ذمہ داری نہ ہوگی ۔

ماں کے بعد رشتہ دار عورتوں کا حق

۱۵۲۔ ماں کے نہ ہونے یا اپنے حق سے دست بردار ہو جانے یا شرعاً غیر مستحق قرار دیے جانے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی حضانت کا حق مفصلۂ ذیل رشتہ دار عورتوں کو علی الترتیب حاصل ہوگا :

نانی (پڑنانی بھی شامل ہے) ، دادی (پڑدادی بھی شامل ہے)، حقیقی بہن ، اخیافی بہن ، علّاتی بہن ، حقیقی بہن کی بیٹی ، اخیافی بہن کی بیٹی ، علاتی بہن کی بیٹی ، خالہ اور پھوپی ۔

تشریح

اگر بچے کی ماں موجود نہ ہو یا اس کا شرعی حق کسی بناء پر ساقط ہو گیا ہو تو حضانت کا حق کس کو حاصل ہوگا ؟ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے ۔

احناف کے نزدیک ایسی صورت میں استحقاق کی ترتیب حسب ذیل ہو گی :

ماں کے بعد نانی ، خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو ۔ نانی کے سلسلے میں نہ ہونے پر ، دادی خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو ۔ پھر حقیقی بہن ، پھر مادری ، پھر پدری ، اس کے بعد خالہ کا سلسلہ پھر پھوپی کا سلسلہ ، اس کے بعد حقیقی بہن کی لڑکیاں اس کے بعد بھائی کی لڑکیاں پھر پھوپی کی لڑکیاں[۱۸] ۔

امام احمد ابن حنبل کے نزدیک بھی ماں کے سلسلے کی عورتیں باپ کے سلسلے کی عورتوں سے مقدم ہوں گی اور ان سب کے نہ ہونے کی صورت میں بہنوں کا سلسلہ قائم ہو گا تقریباً یہی ترتیب تھوڑے سے فرق کے ساتھ امام مالک و شافعی کے نزدیک بھی ہے ۔ بہر حال یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ بچے کی ماں کے سلسلے کی عورتوں کو باپ کے سلسلے کی عورتوں پر مقدم کیا جائے گا ۔

ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت قوانین

قانون الاحوال الشخصیہ ، تیونس ،

دفعہ ۵۴ ۔ حضانت بچے کے تحفظ کے لیے ہے اس کے رہن سہن اور تربیت کے بارے میں ۔

دفعہ ۵۵ ۔ اگر عورت حضانت سے انکار کرے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو ۔

دفعہ ۵۶ ۔ زیر حضانت بچے کے اخراجات اس کے مال سے پورے کیے جائیں گے بشرطے کہ اس کا مال ہو ورنہ اس کے باپ کے مال سے ۔ اور اگر حضانت میں رکھنے والی عورت کے پاس مکان نہ ہو تو باپ پر لازم ہے کہ

---

(۱۸) مجمع الانہر ، داماد آفندی مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۸۱

وہ زیر پرورش بچے کے ساتھ اس کے لیے گھر کا بندوبست بھی کرے۔

دفعہ ۵۷۔ حضانت والدین کے حقوق میں سے ہے ، جب ان کے درمیان رشتہ زوجیت قائم ہو ۔ جب کہ زوجیت بوجہ طلاق یا موت ختم ہو جائے تو حضانت کے حسب ذیل اشخاص مستحق ہوں گے ۔ بچے کی ماں ، پھر نانی ، پھر بچے کی خالہ ، پھر ماں کی خالہ ، پھر ماں کی پھوپی ، پھر بچے کی دادی ، پھر اس کا باپ ، پھر اس کی بہن ، پھر اس کی پھوپی ، پھر اس کے باپ کی پھوپی ، پھر اس کے باپ کی خالہ ، پھر اس کے بھائی کی لڑکی ، پھر اس کی بہن کی بیٹی ، پھر وصی ، پھر بچے کا بھائی پھر اس کا دادا ، پھر اس کا نانا ، پھر اس کے بھائی کا لڑکا ، پھر اس کا چچا ، پھراس کے چچا کا لڑکا ، اور مقدم کیا جائے گا حقیقی بھائی . . . .

اور اسی طرح دوسرے تمام مراتب میں جہاں تک ممکن ہو پہلے مادری رشتہ دار کو فوقیت دی جائے گی اور ان رشتے داروں کو جو پدری ہوں ۔ اگر دو مستحق حضانت ایک درجے میں برابر ہوں تو اس کو فوقیت دی جائے گی جو ان دونوں میں بلحاظ عمر بڑا ہو ۔ اور لڑکے کے عصبہ ہونے میں اتحاد دین شرط ہو گا۔ (یعنی لڑکا اور اس کا سرپرست ہم مذہب ہوں) ۔

قانون الاحوال الشخصیہ ، شام :

دفعہ ۱۳۹۔ حضانت کا حق ماں کے واسطے ہے اور پھر اس کی ماں یعنی نانی کے واسطے ہے ، خواہ کتنے ہی اونچے درجے میں ہو پھر دادی کے واسطے ہے، خواہ کتنے ہی اونچے درجے میں ہو ، پھر حقیقی بہن کے لیے ہے پھر اخیافی بہن کے لیے ہے پھر علاتی بہن کے لیے ہے ، پھر اخیافی بہن کی لڑکی ، پھر علاتی بہن کی لڑکی کے لیے ہے ، پھر پھوپیوں کے لیے ہے اسی ترتیب سے پھر بترتیب وراثت ۔

دفعہ ۱۴۰ - جب اصحاب حضانت چند ہوں تو قاضی کو بہترین شخص انتخاب کر لینے کا حق ہے جو محضون کے حق میں زیادہ سودمند ہو۔

مردوں کا حق حضانت

۱۵۵- جب کہ حضانت کی مستحق عورتوں میں سے کوئی موجود نہ ہو یا اس کے لیے آمادہ نا ہو یہ اس کا حق ساقط ہو گیا ہو تو پھر مردوں کو بہ ترتیب عصوبت حضانت کا حق ہوگا۔

تشریح

یہ امر ثابت ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو حضانت کا حق فائق حاصل ہے اور مردوں کو حق حضانت صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جب کہ حضانت کی مستحق عورت موجود نہ ہو یا اس کے لیے آمادہ نہ ہو یا کسی شرعی سبب سے اس کا حق حضانت ساقط ہو گیا ہو۔ ایسی صورت میں جو عصبی رشتہ دار وراثت میں مقدم ہے وہ حضانت میں بھی مقدم ہوگا جیسے باپ پھر دادا، (خواہ کتنا ہی اوپر کے درجہ کا ہو) پھر حقیقی بھائی پھر پدری بھائی پھر حقیقی بھائی کی اولاد[19]۔ لیکن لڑکی کی حضانت کے موقع پر عصبات میں اس امر کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ وہ دیانت دار و امانت دار ہو۔ فاسق یا خائن ہونے کی صورت میں اس کو حق حضانت نہ ہو گا اسی طرح عصبات کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔[20]

بچوں کی پرورش کرنے والوں کی شرائط

۱۵۶- بچے کی پرورش کرنے کے لیے لازم ہے کہ بالغ اور عاقل ہو اور بچہ کی مناسب پرورش پر قادر ہو اور اس میں کوئی ایسا امر مانع موجود نہ ہو جو اُسے بچے کی حضانت کے ناقابل بنا دے۔

---

(۱۹) بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳ صفحہ ۴۳
فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۱۶
المحرر فی الفقہ، ابوالبرکات مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۱۸

(۲۰) بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۴۳
فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۱۶

تشریح

بچے کی پرورش کرنے کے لیے حسب ذیل شرائط کا ہونا لازمی ہے :
عاقل ہو ، بالغ ہو ، آزاد ہو ، فاسق نہ ہو ۔

ان شرائط میں تمام ائمہ متفق ہیں ۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ بچے کی پرورش کرنے والا مسلمان ہو کافر نہ ہو لیکن احناف اور ابن قاسم و ابو ثور کے خیال میں بچہ کی ماں کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ۔[۲۱]

ماں کے حق میں ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اگر والدین میں تفریق ہو گئی ہو تو ماں نے کسی دوسرے اجنبی سے نکاح نہ کیا ہو نیز یہ کہ وہ مرتد نہ ہوئی ہو ۔ البتہ حسن بصری کے نزدیک یہ شرط نہیں ۔ ان کے نزدیک ماں کے دوسرا نکاح کر لینے سے اس کا حق حضانت ساقط نہیں ہوتا ۔[۲۲]

اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ بچے کے کسی ایسے رشتے دار سے جو بچے کا محرم ہے نکاح کر لینے سے ماں کا حق حضانت ساقط نہیں ہوتا مثلاً چچا[۲۳] ۔

ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت قوانین

قانون الاحوال الشخصیہ ، تیونس :

دفعہ ۵۸ ۔ مستحق حضانت کے لیے شرط ہوگا کہ وہ مکلف ہو ، امین

---

(۲۱) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی' مطبوعہ مصر' ۱۳۶۷ ہجری' جلد ۷' صفحہ ۶۱۶
فتح القدیر' ابن ہام' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶' ہجری' جلد ۳' صفحہ ۳۰۵
مجمع الانہر' داماد آفندی' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۷ ہجری' جلد ۱ ' صفحہ ۴۸۱
بدائع الصنائع' امام کاسانی' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۸ ہجری' جلد ۴' صفحہ ۴۱
(۲۲) المغنی' ابن قدامہ مقدسی' مطبوعہ مصر' ۱۳۶۷ ہجری جلد ۷' صفحات ۶۱۹-۲۰
(۲۳) مجمع الانہر' داماد آفندی مطبوعہ مصر' ۱۳۲۷ ہجری' جلد' ۱ ' صفحہ ۴۸۱
بدائع الصنائع' امام کاسانی' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۴ ' صفحہ ۴۲
فتح القدیر' ابن ہام' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۳' صفحہ ۳۱۴

ہو اور حضانت پر قدرت رکھتا ہو ، متعدی امراض سے محفوظ ہو ۔ مزید یہ کہ جب مستحق حضانت مرد ہو تو اس لیے ضروری ہوگا کہ وہ بچی کی حضانت کے لیے اس بچی کا محرم بالنسب ہو ۔ مستحق حضانت عورت ہو تو اس کے واسطے شرط ہوگا کہ وہ عورت اس زوج سے خالی ہو جس نے اس کے ساتھ صحبت کی ہو الا یہ کہ وہ شوہر زیر حضانت بچی یا بچے کا محرم یا اس کا ولی ہو ۔

دفعہ ۵۹ ۔ اگر حضانت کی مستحق عورت محضون کے باپ کے مذہب کے خلاف ہو تو اس عورت کی حضانت اس بچے کے لیے جائز نہ ہوگی ۔ الّا یہ کہ محضون کی عمر پانچ سال نہ ہوئی ہو ۔ اور اگر اس امر کا خوف ہو کہ وہ بچہ اپنے باپ کے دین کے خلاف دین کی طرف متوجہ ہو جائے گا تو اس فصل کے احکام اس کی حاضنہ ماں کے اوپر لاگو نہ ہوں گے ۔

قانون الاحوال الشخصیہ ، شام :

دفعہ ۱۳۷ ۔ حضانت کے واسطے بلوغ اور عقل اور بچے کو صحت اور اخلاق کے ساتھ پرورش کرنے پر قدرت شرط ہے ۔

ماٸیں کب ناقابل حضانت قرار پاتی ہیں

۱۵۷ ۔ ماں کا ترجیحی حق حضانت کسی ایسے اجنبی سے نکاح کر لینے سے ساقط ہو جائے گا جو بچہ کا محرم نہ ہو الّا یہ کہ عدالت کی رائے میں نابالغ کا اپنی ماں کی حضانت میں رہنا اس کی بہبود میں ہو ۔

تشریح

ائمہ اربعہ اس امر میں متفق ہیں کہ اگر بچہ کے والدین میں فرقت واقع ہو چکی ہو تو ماں کا حق حضانت اس وقت ساقط ہو جائے گا جب عورت کسی ایسے اجنبی سے نکاح کر لے جو اس بچہ کا محرم نہ ہو ۔ البتہ حضرت حسن بصری کے نزدیک دوسرا نکاح کر لینے سے حق حضانت ساقط نہیں ہوتا [۲۴]۔

---

(۲۴) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۶۱۹

امام شافعی اور احمد بن حنبل کے ایک قول کے بموجب نکاح (ثانی) منعقد ہوتے ہی حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اور احمد بن حنبل کے دوسرے قول کے بموجب نکاح کے بعد جب تک شوہر (ثانی) سے ہم بستری نہ ہو جائے اس وقت تک حق حضانت ساقط نہ ہوگا۔ لیکن امام احمد کا پہلا قول زیر عمل رہا ہے[۲۵]۔

اسلامی ممالک کے متعلقہ قوانین

قانون الاحوال الشخصیہ، تیونس :

دفعہ ۸۵ - مستحق کے لیے شرط ہوگی کہ وہ مکلف ہو، امین ہو، اور حضانت پر قدرت رکھتا ہو، متعدی امراض سے محفوظ ہو۔ مزید یہ کہ جب مستحق حضانت مرد ہو تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ بچی کے حضانت کے لیے اس بچی کا محرم بالنسب ہو۔ اگر مستحق حضانت عورت ہو تو اس کے واسطے شرط ہوگی کہ وہ عورت اس زوج سے خالی ہو جس نے اس کے ساتھ صحبت کی ہو، الا یہ وہ شوہر زیر حضانت بچی یا بچے کا محرم یا اس کا ولی ہو۔

قانون الاحوال الشخصیہ، شام :

دفعہ ۱۳۸ - حاضنہ کا ایسے شخص سے نکاح جو از روئے قرابت محضون کا محرم نہ ہو اس عورت کے حق حضانت کو ساقط کر دے گا۔

دفعہ ۱۴۱ - حق حضانت عود کر آئے گا جب کہ اس کے ساقط ہونے کا سبب زائل ہو جائے۔

پاکستانی عدالتوں کے فیصلے :

اجنبی سے نکاح ثانی کر لینے کی صورت میں زوجہ کے حق حضانت سے محرومی کے سلسلے میں ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالتوں نے متعدد فیصلے

---

(۲۵) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۶۲۰

دیے ہیں جن کا ذکر مسئلہ کو سمجھنے میں مدد دے گا ۔

بمقدمہ محمد بشیر بنام غلام فاطمہ جسٹس کیکاؤس نے قرار دیا کہ بیوہ عورت کے نکاح ثانی کی صورت میں شوہر ثانی کا نابالغ کا بذریعہ قرابت محرم ہونا ضروری ہے ۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے جس پر یہ قاعدہ قائم ہے کہ عورت حق حضانت کھو دیتی ہے جب کہ وہ ایک اجنبی سے نکاح (ثانی) کر لے ۔ یہ کہنا کہ دوسرا شوہر جوں ہی اس عورت سے نکاح کرتا ہے اور تعلق زنا شوئی قائم ہو جاتا ہے وہ شوہر اس نابالغ کے محرم کے درجے میں آ جاتا ہے، درست نہ ہوگا اور عورت کا حق حضانت محفوظ نہ رہ سکے گا ۔

جسٹس کیکاؤس نے مقدمۂ بالا میں مزید قرار دیا کہ اگرچہ ماں اپنے نابالغ بچے کا (قانونی) حق حضانت رکھتی ہے لیکن باپ حقیقی ولی ہوتا ہے اور بچے پر نگرانی اور کنٹرول استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے ۔ چنانچہ اگر عورت بچے کو ایسی جگہ لے جائے جہاں باپ اس پر اپنی نگرانی اور کنٹرول نہیں رکھ سکتا تو ماں بچے کے حق حضانت کو کھو دیتی ہے ۔[۲۶]

جسٹس کیکاؤس نے ایک اور مقدمے نیاز بی بی بنام فضل الٰہی میں یہ قرار دیا کہ بالعموم عورت کا حق حضانت اس بناء پر ختم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے پاس بچے کی پرورش کے لیے سرمائے کی کمی ہے ۔ اسلامی قانون اس امر کو عورت کی نااہلیت بسلسلہ حضانت تصور نہیں کرتا ۔ بلکہ ہم کو یہ تصور کرنا ہوگا کہ نابالغ کا مفاد اسی شخص کی زیر حضانت رہنے میں ہے جس کو اسلامی قانون قرار دیتا ہے تا آن کہ اس کے خلاف امر ثابت نہ ہو ۔[۲۷]

ایک اور مقدمے عمر الٰہی بنام رشیدہ اختر جسٹس اخلاق حسین نے

---

(۲۶) پی' ایل' ڈی' ۱۹۵۳ع' لاہور' صفحہ ۷۳

(۲۷) پی' ایل' ڈی' ۱۹۵۳ع' لاہور' صفحہ ۴۳۲

یہ قرار دیا کہ اسلامی قانون ایک ایسی ماں کے حق حضانت کو جس نے ایک ایسے شخص سے نکاح کر لیا ہو جو اس کی نابالغ لڑکی کے درجات محرم میں نہ ہو ، سرپرست (ولی) مقرر کیے جانے سے تمام صورتوں میں منع نہیں کرتا ۔ کسی اجنبی سے نکاح (ثانی) کر لینے سے عورت کا حق حضانت مطلقاً ختم نہیں ہوگا ۔ وہ محض اپنا بچے کی حضانت کا ترجیحی حق کھو دیتی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بچے کا کوئی دوسرا رشتہ دار ہے جو اسلامی قانون کے تحت بچے کی حضانت کا حق رکھتا ہے اور جس پر بچے کی بہبود کا صحیح اور اطمینان بخش طریقے سے اعتماد کیا جا سکتا ہے تو ماں ایسی صورت میں بچے کی حضانت کا بطور استحقاق ادّعا نہیں کر سکتی ۔

جسٹس اخلاق حسین نے اسی مقدمے میں یہ اظہار خیال کرتے ہوئے کہ اے ، آئی ، آر ، ۱۹۲۸ع صفحہ ۲۲۰ اور پی ، ایل ، ڈی ، ۱۹۵۲ع ، بغداد الجدید ، صفحہ ۵۳ میں قانون کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا ، قرار دیا کہ ایک باپ جو دفعہ ۲۵ "گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ" کے تحت اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ ماں نے ایک اجنبی سے نکاح کر لیا ہے اس لیے بچہ ماں کی حضانت سے نکال کر اسے دلایا جائے محض اس وقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ ایسا کرنا اس نابالغ لڑکی کے مفاد میں ہو ۔ جسٹس اخلاق حسین نے مزید قرار دیا کہ جب عدالت دفعہ ۲۵ کے تحت ایک ایسی درخواست پر غور کر رہی ہو جس میں بچے کی واپسی بہ حضانت ولی کی درخواست کی گئی ہو تو عدالت پر لازم نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا حکم دے جو اس قانون کے مطابق ہو جس کا وہ نابالغ تابع ہے جیسا کہ دفعہ ۱۷ (۱) کے تحت مذکور ہے ۔ ایک باپ بچے کے نفقے کی ذمہ داری اور اس کی ماں کے مہر سے بچنے کے لیے اپنے حق حضانت سے دستبردار ہوگیا ہو اور بچہ کے عہد طفولیت میں اور اس کی زندگی میں کوئی دلچسپی نہ لی ہو اور بچے کی نگرانی ماں اچھی طرح کر رہی ہو اور

بچہ سن تمیز کو پہنچ چکا ہو اور باپ کے پاس جانے سے منع کر چکا ہو تو باپ کی درخواست زیر دفعہ ۲۵ "گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ" اس بناء پر منظور نہیں کی جا سکتی کہ نابالغ کی ماں نے ایک اجنبی سے نکاح (ثانی) کر لیا ہے - پی - ایل - ڈی ، ۱۹۵۲ع بغداد الجدید ، صفحہ ۵۳ میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ اگر کوئی ماں ایک ایسے اجنبی شخص سے نکاح (ثانی) کر لے جو نابالغ کا محرم نہ ہو تو اس کا یہ فعل اس کو نابالغ کے سرپرست کی حیثیت سے عمل کرنے کا نا اہل بنا دے گا اور اس ضمن میں اس قانون کے احکام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جس کا وہ بچہ تابع ہے خواہ ایسا کرنا بچے کے مفاد ہی میں کیوں نہ ہو[28]۔

پی ، ایل ، ڈی ، ۱۹۵٦ع ، لاہور ، صفحہ ۴۸۴ میں یہ قرار دیا گیا کہ اسلامی قانون کے تحت بچے کا اپنے ولی کی طرف لوٹنا یہ تصور کیا جائے گا کہ نابالغ کے مفاد میں ہے چنانچہ ایک لڑکا جس کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہو باپ اس کی حضانت کا مستحق ہے -

پی ، ایل ، ڈی ، ۱۹۵۳ع ، لاہور ، صفحہ ۳۷ میں یہ قرار دیا گیا کہ بچے کا مفاد اسی شخص کی حضانت میں تصور کیا جائے گا جو شخصی قانون کے تحت نابالغ کی حضانت کا مستحق ہے الا یہ کہ پیش آمدہ واقعات اس کے خلاف نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ثابت کیے جائیں -

جسٹس محمد شفیع نے بمقدمہ رشیدہ بیگم بنام شہاب الدین[29] قرار دیا کہ اگر نابالغ بچے کی ماں ایک ایسے شخص سے شادی کر لے جو نابالغ کا محرم نہ ہو تو اس کا ایسا کرنا اس بچے کے لیے ماں کے حق حضانت کے لیے رکاوٹ نہ ہوگا - سب سے بڑھ کر خیال (نظریہ) بچے کی بہبود ہے -

---

(۲۸) پی' ایل' ڈی' ۱۹۵۵ع' لاہور' صفحہ ۳۱۲
(۲۹) پی' ایل' ڈی' ۱۹٦۰ع' لاہور' صفحہ ۱۱۴۲

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی ہدایت نہیں کہ ایک عورت طلاق پا کر اگر دوسری شادی کر لے تو پہلا شوہر اس سے اپنا بچہ لے سکتا ہے ۔ اگر محض اس بنا پر کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے وہ بچہ سے محروم ہو سکتی ہے تو میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ ایک مرد دوسری شادی کر لینے کی صورت میں کیوں نہ اپنے بچے سے محروم ہو ۔ سوتیلی ماں اگر سوتیلے باپ سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر تکلیف‌دہ اور خطرناک ضرور ہے ۔ بہرحال نابالغوں کے متعلق قانون بنانا ریاست کا کام ہے کیونکہ قرآن اس بارے میں قطعاً ساکت ہے ۔ گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ نابالغان کے معاملات اس کے تابع ہیں ۔ پاکستان کی اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد ملک کے منتخب نمائندوں نے اس قانون کو منظور کر لیا تھا لیکن اس قانون میں بھی اس بارے میں کوئی واضح اور متعین ضابطہ نہیں ہے کہ والدہ کے نکاح ثانی کے بعد نابالغ بچے کا حق حضانت اس کے حائل ہوگا ۔ قرآن اور اس ایکٹ دونوں کے مطابق واحد قابل لحاظ امر بچے کی فلاح و بہبود ہے ۔ ہر مقدمے کا فیصلہ اس کے خاص حالات و کوائف کی بنا پر ہوگا[۳۰]۔

(۳۰) اس فیصلہ میں فاضل جج نے کافی تفصیل کے ساتھ اسلامی قانون کے ماخذوں کے ضمن میں سنت کی تشریعی حیثیت، قانون سازی کے طریق (اجماع اور اجتہاد) اور اسلامی فقہی سرمایے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جن کا براہ راست واقعات مقدمہ سے تعلق نہ تھا ۔ چونکہ یہ بحثیں براہ راست ''اصول فقہ اسلام'' کے تحت آتی ہیں، اس لیے ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اور ان سے صرف نظر کیا جا رہا ہے ۔ البتہ یہاں اس قدر اشارہ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ بہتر ہوتا اگر یہ اصولی مباحث عدالتی فیصلے کا جزو نہ ہوتے اور ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کر کے دعوت فکر دی جاتی ۔ ایک جج کے فیصلے پر کھلی اور مکمل تنقید ہمارے معاشرے میں خاصی پیچیدگیوں کا موجب ہوتی ہے ، کیونکہ ججوں کو ''عدالتی تحفظ'' حاصل ہوتا ہے اور ناقدین کو عدالتی وقار کے مجروح ہونے کا خدشہ بھی دامنگیر رہتا ہے ۔

عدالت عالیہ مغربی پاکستان کراچی بینچ نے بمقدمہ مسماۃ نظیر بیگم بنام عبدالستار قرار دیا کہ "شرع اسلام میں ماں تمام اشخاص کے مقابلے میں زمانہ ازدواج میں نیز تنسیخ نکاح کے بعد بھی اپنے بچوں کی حضانت کی بہترین مستحق ہے (چنانچہ) ماں کے اپنے نابالغ بچوں کی حضانت کے حق پر لڑکی کی صورت میں بلوغت تک اعتراض نہیں کیا جا سکتا ۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس مقدمے میں ماں نے اپنا قانونی حق حضانت شرع اسلام کے تحت کھو دیا کیونکہ اس نے ایک اجنبی مرد سے نکاح کر لیا ۔ لیکن کسی اجنبی شخص سے نکاح کر لینا اس (ماں) کو اپنے بچوں کے حضانت سے محروم نہیں کرتا ، اگر عدالت کی رائے ہو کہ اجنبی مرد سے نکاح (ثانی) کرنے کے باوجود یہ امر نابالغوں کی بہبود میں ہوگا کہ وہ ماں ہی کے پاس رہیں"[۳۱]۔

بمقدمہ اختر احمد بنام مسماۃ حضور بیگم جسٹس وحیدالدین احمد نے قرار دیا کہ "محض یہ امر واقعہ کہ ماں نے اپنے نابالغ بچے کا حق حضانت کھو دیا ہے بچے کی آئندہ حضانت کے سوال کو قطعی طور پر طے نہ کرسکے گا ۔ یہ سوال ہمیشہ نابالغ کے مفاد اور بہبود کے تقاضوں کی روشنی میں طے کرنا ہوگا"۔

جسٹس وحیدالدین احمد نے مقدمے کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "تنسیخ نکاح کے بعد فریقین میں ایک باہمی تصفیہ ہوا جس کے تحت شوہر نے ماں کے دین مہر اور نفقہ سے دست برداری کے عوض اپنی نابالغ لڑکی (عمر ۴ سال) کے حق حضانت سے ماں کے حق میں دست برداری اختیار کر لی ۔ بعد ازاں ماں نے نکاح ثانی کر لیا ۔ پھر باپ نے اس دلیل کی بنا پر کہ شوہر (ثانی) نابالغ کا محرم نہیں ہے ، نابالغ کی

---

(۳۱) پی' ایل' ڈی' ۱۹۶۳ع' کراچی' ۶۵ء

حضانت کا دعویٰ دائر کر دیا ۔ عدالت ابتدائی نے یہ قرار دیا کہ اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ نابالغ لڑکی کی اپنی ماں کی زیر حضانت مناسب طور پر دیکھ بھال نہیں ہو رہی یا اس سے برا سلوک کیا جا رہا ہے یا یہ کہ ماں ایک غیر اخلاق زندگی گذار رہی ہے۔"

مقدمہ مذکورہ میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ باپ نے بھی دوسرا نکاح کر لیا ہے جس سے اس کے ایک بچہ بھی ہے ۔ چنانچہ عدالت ماتحت نے اس امر کو مناسب نہ سمجھا کہ لڑکی کو باپ کی حضانت میں دیا جائے کیونکہ سوتیلی ماں سے لڑکی کے لیے اچھے سلوک کی توقع نہ تھی ۔ عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ "حالات مقدمہ کے پیش نظر عدالت ماتحت نے جس صواب دید کا استعمال کیا اس میں مداخلت کا کوئی جواز موجود نہیں اور یہ کوئی مناسب مقدمہ نہیں ہے جس میں ماں کو اپنے نابالغ بچے کی حضانت سے محروم کردیا جائے ۔"[۳۲]

نابالغ کی بہبود ــــ حضانت کا بنیادی اصول :

بمقدمہ خوشی محمد بنام محمد النساء جسٹس شبیر احمد و جسٹس بشیر احمد نے قرار دیا کہ "حضانت کے معاملے میں نابالغ کی بہبود کو فوقیت حاصل ہے شخصی قانون کے تحت عام اصولوں سے انحراف محض اس صورت میں ہونا چاہیے جب کہ یہ خیال ہو کہ نابالغ ایک ایسے فائدے سے محروم ہو جائے گا جو زیادہ بنیادی نوعیت کا ہے ۔"

اس مقدمے میں فاضل ججان نے نابالغ بچوں کو اس بنا پر ماں کی حضانت سے نکال کر باپ کی حضانت میں دے دیا کہ ماں غیر اخلاق زندگی بسر کر رہی ہے اور اپنے لیے ایک ایسے ماحول کا انتخاب کر لیا ہے جس میں رہ کر نابالغ بچے مستقلاً ایسے اثر میں رہیں گے جو ان کے اخلاق اور روحانی

---

(۳۲) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۵ع ' کراچی ' صفحہ ٦۵

اقدار کو متاثر کرنے کا فی نفسہ خطرہ اپنے اندر رکھتے ہیں ۔[۳۳]

نابالغ بچوں کی حضانت کے سلسلے میں عدالت عالیہ مغربی پاکستان لاہور نے بمقدمہ زہرہ بیگم بنام لطیف احمد منور یہ اقرار دیا کہ "جہاں کہیں کسی قانونی مسئلے میں قرآن ، حدیث یا اجماع کے ذریعے نص موجود نہ ہو اور ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہو تو عدالت قانونی مسئلے میں اپنی رائے قائم کر سکتی ہے ۔ چنانچہ عدالتیں اس امر کی مجاز ہوں گی کہ وہ فقہ اسلام کی کتب میں حضانت کے قاعدے سے اختلاف کر سکیں جب کہ اس مسئلے میں قرآن و سنت سے کوئی نص موجود نہ ہو ۔ عدالتوں نے قاضیوں کی جگہ لے لی ۔ اس لیے وہ اجتہاد کے ذریعہ خود نتائج تک پہنچ سکتی ہیں ۔ امام شافعی کے نزدیک اجتہاد اصول قیاس میں شامل ہے ۔ حضانت کے مسئلے میں مختلف کتب فقہ میں جو اصول پیش کیا گیا ہے وہ یکساں نہیں ہے ۔ اس لیے عدالتوں کو اس امر کی اجازت ہوگی کہ وہ کتب فقہ میں بیان کردہ اصول سے انحراف کریں ، اگر واقعات مقدمہ کے پیش نظر ان اصولوں کی پیروی نابالغ کے مفاد کے خلاف ہو ۔"

مقدمہ مذکورہ بالا میں ماں نے اپنے دو نابالغ بچوں کی نو سال تک بغیر کسی خطا و قصور کے پرورش کی تھی اور اس تمام عرصے میں باپ نے اپنے بچوں کو نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی ان کے نفقے کے سلسلے میں ایک پائی دی ۔ چنانچہ عدالت عالیہ نے یہ قرار دیا کہ ان بچوں کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ اپنی ماں کے پاس رہیں ۔[۳۴]

عدالت عالیہ آزاد جموں وکشمیر نے بمقدمہ زدھا بیگم بنام محمدنظیر خاں یہ قرار دیتے ہوئے کہ ماں نکاح ثانی کی صورت میں اپنے نابالغ بچے کے حق حضانت سے محروم ہو جاتی ہے تحریر فرمایا کہ نابالغ کی بہبود کا تصفیہ

---

(۳۳) پی ایل ڈی ' ۱۹۶۱ء ' ۱۹۶۱ء ' لاہور ' ۷۶۸

(۳۴) پی ایل ڈی ' ۱۹۶۵ء ' لاہور صفحہ ۶۹۵

خود اختیار کردہ طور پر جج کی آزاد مرضی پر نہیں ہونا چاھیے بلکہ اس قانون کے ماتحت کیا جانا چاھیے جس کا نابالغ تابع ہے ۔ قانون یہ تصور کرتا ہے کہ جہاں قانونی حضانت ہے وہاں بچے کی بہترین بہبود بھی ہے ۔ عدالت نابالغ کی بہبود کے لیے کہ کس کی حضانت بہترین ہے ، قانونی احکام کی پابند ہے ۔ اپنی رائے کی تشکیل میں وقتاً فوقتاً اس ضرب المثل کا مفہوم کہ نابالغ کی بہبود سب سے زیادہ اہم ہے اس طرح لیا جانا چاھیے کہ وہ اصل جس پر قانون ساز ادارہ آگے بڑھتا ہے یہ ہے کہ نابالغ کی بہبود سب سے اہم اور غور طلب مسئلہ ہے ۔ یہ حقیقت قانون کے الفاظ کی تعبیر کے وقت ذہن میں رہنی چاھیے کہ بعض اوقات نابالغ کی بہبود واضح طور پر اشارہ کرتی ہے کہ کون شخص سرپرست کی حیثیت سے منتخب کیا جانا چاھیے ، اس اعتماد کے ساتھ کہ قانون کا آخری مقصد نابالغ کی بہبود ہے ۔ چنانچہ یہ ضرب المثل اس محفوظیت کے ساتھ پڑھی جانی چاھیے کہ جج صاحبان اپنے ذاتی نظریات کو قانون ساز ادارے کے اوپر حیثیت نہیں دے سکتے اور اگر قانون یہ تجویز کرتا ہے کہ ایک مخصوص شخص بچے کی حضانت کا حق رکھتا ہے تو عدالتیں اس امر کی پابند ہیں کہ اس طریقے کو عمل میں لائیں ، جس کا قانون مقتضی ہے ، کیونکہ عدالتیں قانون ساز ادارے کی خواہش سے بالا رہ کر اپنے ذاتی خیالات کو روبکار نہیں لا سکتیں کہ ان کے نزدیک نابالغ کی بہبود کیا ہے ۔ جہاں قانون جج کی صواب دید کا لحاظ رکھتا ہے وہاں وہ صواب دید اولین طور پر نابالغ کی بہبود کو زیادہ کرنے کے مقصد سے جج کی سمجھ کے مطابق استعمال کی جائے گی ، لیکن ایسا کرنے میں جج اس قانون کے مطابق عمل کرتا ہے جس کا کہ نابالغ تابع ہوتا ہے اور جو چاھتا ہے کہ جج اپنی صواب دید استعمال کرے ۔ فاضل جج نے آگے چل کر قرار دیا کہ گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ اور شرع اسلام میں کوئی تصادم نہیں ہے ۔[۳۵]

(۳۵) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۶ع ، آزاد جموں و کشمیر ، صفحہ ۱

بمقدمہ مسماۃ بیوی بنام شاہ نواز خان ، جسٹس جمیل حسین رضوی نے قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت ایک ماں اپنی لڑکی کی حضانت کی اس کے بالغ ہونے تک اور لڑکے کی ۷ سال کی عمر کو پہنچ جانے تک مستحق ہے ۔ ایک ماں اپنا حق حضانت محض اس بناء پر نہیں کھو دیتی کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدہ رہ رہی ہے ۔ حضانت کے بارے میں شرع اسلام کا اصول بنیادی طور پر اس امر واقعہ پر مبنی ہے کہ نابالغوں کا اپنے سرپرستوں کے ساتھ رہنا جیسا کہ قانون میں ہدایت کی گئی ہے ، ان کے مفاد میں ہے اگر زوجین کے تعلقات کشیدہ ہیں جس کی بناء پر وہ علیحدہ رہتے ہیں تو زوجہ اپنے بچوں کے حق حضانت سے اس مدت کے دوران جس میں کہ قانون اسے بچوں کی حضانت کا حق دیتا ہے ، محروم نہ ہوگی ۔[۳٦]

نابالغ کی ماں کا اپنی اولاد کے نفقے کی استطاعت نہ رکھنا اس کے حق حضانت کو محروم نہیں کر سکتا ۔[۳۷]

باپ تعبیری حضانت رکھتا ہے :

بمقدمہ محمد صادق بنام مسز صادق صفورا قرار دیا گیا کہ باپ اپنے بچوں کا قانونی اور حقیقی سرپرست ہے ، تاآنکہ وہ بچے بالغ ہوں ۔ ماں لڑکے کی صورت میں ۷ سال اور لڑکی کی صورت میں بلوغت یعنی ۱۵ سال کی عمر تک حق حضانت رکھتی ہے لیکن اس عرصے میں بھی ماں کا حق حضانت باپ کی نگرانی اور کنٹرول میں ہوگا ۔ باپ اپنے بچوں کے نفقہ کا ذمہ دار ہے ۔ باپ کے متعلق ہمیشہ یہ تصور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بچوں کی تعبیری حضانت (constructive custody) رکھتا ہے خواہ ماں یا کوئی دوسری رشتہ دار عورت یا کوئی دیگر شخص جو باپ کا نامزد ہو حقیقی حضانت (actual custody) رکھتا ہو ۔[۳۸]

---

(۳٦) پی ایل ڈی ، ۱۹٦۱ع ، لاہور ، صفحہ ۵۰۹
(۳۷) پی ایل ڈی ، ۱۹٦۱ع ، لاہور ، صفحہ ۷٦۸
(۳۸) پی ایل ڈی ، ۱۹٦۳ع ، لاہور ، صفحہ ۵۳۴

نتیجۂ فکر :

ہماری عدالتوں کا یہ نقطۂ نظر کہ حضانت کے معاملے میں "بچے کی بہبود" کا تصور ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے ، شرع اسلام کے عین مطابق ہے ۔ لیکن اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ رکھنا ہوگا کہ بچے کی بہبود کا تصفیہ جج کے موضوعی (subjective) انداز نظر پر نہیں چھوڑا جاسکتا ۔ اس کا تصفیہ معروضی (objective) طور پر کرنا چاہیے ۔ معروضی طور پر تصفیہ کرنے کے لیے شرعی قاعدہ کا لحاظ رکھا جائے گا کیونکہ شرعی قاعدہ کے بارے میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کا اطلاق بچہ کی بہبود میں ہے الا یہ کہ حالات مقدمہ اس کے متقاضی ہوں کہ ایک شرعی قاعدہ کو چھوڑ کر دوسرا شرعی قاعدہ (یعنی بچے کی بہبود کا خیال) اختیار کرنا انسب ہے ۔ مثال کے طور پر یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ عورت کا ایک ایسے اجنبی مرد سے نکاح ثانی کرنا جو بچے کا محرم نہ ہو اس کے حق حضانت سے محرومی کا موجب ہوگا لیکن دوسرا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ "حضانت کا مدار بچے کی منفعت پر ہے" چنانچہ اگر حالات مقدمہ کے تحت عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ دوسرے قاعدے کے اتباع میں پہلے قاعدے سے صرف نظر کرنا چاہیے تو ایسا کرنا شرع کے مطابق ہوگا ۔ چنانچہ ہماری عدالتوں کا یہ نقطۂ نظر کہ اگر حالات مقدمہ کے پیش نظر بچے کی بہبود اسی میں ہو کہ وہ ماں کے پاس رہے تو محض کسی عورت کا اجنبی مرد سے نکاح (ثانی) کر لینا اس کے حق حضانت کو ساقط نہیں کرے گا ، صحیح ہے ۔ بلکہ اس کی تائید خود فقہاء کے اقوال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ علامہ ابن عابدین نے اپنی مشہور تصنیف رد المحتار میں (جلد دوم ، صفحہ ۶۹۳ مطبع بولاق ، مصر) حضانت کے باب میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"اگر حاضنہ عورت کھانے پینے میں شوہر سے علیحدہ ہے اور بیٹا اس

عورت کے ساتھ ہے تو اس کو حق حضانت حاصل ہے کیونکہ اس مرد کو اس عورت یا بچہ پر کوئی دخل نہیں ہے ، برخلاف اس صورت کے جبکہ حاضنہ اجنبی شوہر کی عیال (زیر پرورش) ہو یا اس اجنبی مرد کے ایک اور زوجہ ہو یعنی اس عورت کی سوکن موجود ہو (تو بچہ اس کی ماں کی حضانت سے لے لیا جائے گا) ۔"

ماں کے غیر محرم مرد سے نکاح کرنے کی صورت میں اس کے حضانت کے حق کا ساقط ہو جانا نابالغ کے ضرر کو دور کرنے کی غرض سے ہے ۔ لہذا مفتی کو چاہیے کہ صاحب بصیرت ہو اور بچہ کی مصلحت کا لحاظ رکھے کیونکہ کبھی بچہ کا قریبی رشتہ دار اس بچہ سے بغض رکھتا ہے اور اس کی سوت کا طلب گار ہوتا ہے اور (کبھی) اس کی ماں کا اجنبی شوہر بچہ کے لیے مشفق ہوتا ہے اور اس پر بچے کی جدائی شاق ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس بچے کا قریبی رشتہ دار اس بچے کو لینے کا (کبھی اس غرض سے) ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اور اس کی ماں کو تکلیف پہنچائے یا اس غرض سے لیتا ہے کہ اس (بچہ) کے نفقہ ھی سے کھائے یا اور کچھ اس کے مانند ۔ اور کبھی اس مرد کی زوجہ ہوتی ہے جو اس بچہ کو دگنی امداد دیتی ہے یہ مقابلہ اس کے اجنبی شوہر کے — کبھی اس (قریبی رشتہ دار) کے اولاد ہوتی ہے جس کے سبب لڑکی کے لیے فتنہ کا خدشہ ہوتا ہے بوجہ یکجا رہائش کے ۔ جب مفتی یا قاضی اس بارے میں واقف ہو جائیں تو ان کے لیے اس بچہ کو ماں کی حضانت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں ہے ، کیونکہ امر حضانت کا مدار بچہ کی منفعت پر ہے"

تجویز

پاکستان میں بچوں کی حضانت کے سلسلے میں رائج الوقت قانون گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ ، ۱۹۲۵ع نافذ ہے لیکن یہ

قانون مسلمانوں کی معاشرتی ضروریات پر پورا نہیں اترتا ۔ اس کمی کو ہماری عدالتوں کے فیصلوں نے کسی حد تک پورا کیا ہے ۔ البتہ یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان عدالتی فیصلوں کی روشنی میں اور مسلم ممالک میں رائج الوقت قوانین (جن کے تفصیلی حوالے اس باب میں دیے گئے ہیں کی مدد سے حضانت کا ایک جامع قانون مرتب کر کے مقننہ سے منظور کرا لیا جائے تو اس سے مسلمانوں کی عائلی زندگی کے ایک اہم پہلو سے متعلق بہت سی الجھنیں دور ہونے میں مدد ملے گی ۔ ہم نے حتی الامکان اپنے بیان کردہ نظریہ کو کتاب ہذا کی دفعات میں ملحوظ رکھا ہے چنانچہ یہ اصول کہ(حضانت کا مدار بچے کی بہبود پر ہے)اور یہ قاعدہ کہ(عورت کا غیر محرم سے نکاح اس کے حق حضانت کو ساقط کر دیتا ہے) واقعات و حالات کے پیش نظر اپنی اپنی جگہ دونوں صحیح ہیں البتہ ان کا اطلاق مقدمہ کے مخصوص واقعات کے پیش نظر کیا جانا چاہیے ۔

نفقۂ اولاد وآباء واجداد

تیسواں باب

نفقۂ اولاد

اولاد کے نفقے کی ذمہ داری

۱۵۸ - باپ اپنے بیٹوں کے بالغ ہو جانے تک اور بیٹیوں کے نکاح ہو جانے تک حسب استطاعت نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا ۔

تشریح

اسلام سے قبل عرب میں والدین پر اپنے بچوں کے نفقے کی ذمہ داری نہ تھی ۔ بالخصوص لڑکیوں کو ایک نحوست شمار کیا جاتا تھا اور انہیں زندہ دفنا دیا جاتا تھا ۔ اسلام جہاں نفس انسانی کی عظمت پر زور دیتا ہے وہاں انسانی جان کے تحفظ کے قواعد بھی مرتب کرتا ہے ۔ چنانچہ اسلام اہل و عیال کے نفقے کو ایک عبادت قرار دیتا ہے ۔ بہ روایت ابو مسعود انصاری آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جب مسلمان اپنے بیوی بچوں کی ذات پر ثواب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے ۔" یعنی وہ صدقے کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے ۔

نابالغ اولاد کا نفقہ صرف باپ پر واجب ہوتا ہے اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا جیسے کہ اس کی زوجہ کے نفقے میں کوئی شریک نہیں ہوتا ۔[1] لیکن باپ پر اولاد کا نفقہ اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ بچے کا ذاتی مال موجود نہ ہو ۔ اگر بچے کا مال موجود ہو تو اس کا نفقہ اپنے مال سے ہوگا اور نابالغ بچے کا مال ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس نے کسی سے ترکے میں حاصل کیا ہو یا کسی نے ہبہ کیا ہو ۔ فقہ کی مشہور کتاب "ذخیرہ" میں مذکور ہے کہ اگر نابالغ

(۱) ہدایہ جلد دوم مطبوعہ قرآن محل کراچی صفحہ ۴۴۴

کے پاس زمین یا کپڑے (زائد از ضرورت) ہوں اور اس کے نفقے کے واسطے ان کی ضرورت پڑے تو باپ بحیثیت ولی کے ان کو بیچ کر نفقے میں خرچ کرنے کا مجاز ہوگا۔[۲]

باپ پر اولاد کے نفقے کی ذمہ داری غیر مشروط اور مطلق ہے۔[۳] محض اس بناء پر کہ اولاد نافرمان ہے یا ماں کی زیر پرورش ہے باپ اپنی اولاد کو نفقہ دینے کی ذمہ داری سے نہیں بچ سکتا۔[۴] چنانچہ از روئے شرع باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بیٹوں کو بالغ ہونے تک اور بیٹیوں کو نکاح ہو جانے تک حسب استطاعت نفقہ دے۔ اگر اولاد خود صاحب جائداد ہے اور اس کی پرورش اس سے ہو سکتی ہے تو باپ پر نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوگی۔[۵] جہاں تک بیٹوں کے بالغ ہونے کا تعلق ہے از روئے شرع بلوغ کی عمر ۱۵ سال ہے الا یہ کہ اس سے قبل بالغ ہو جائیں۔ قانون بلوغ مجریہ ۱۸۷۵ع کا اولاد کے بلوغ کے تعلق سے باپ کی ذمہ داری نفقہ پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔[۶]

مسٹر رولینڈ ولسن نے اپنی کتاب اینگلومحمڈن لاء (دفعات ۱۴۰، ۱۴۲) پر تحریر کیا ہے کہ نفقہ ان امور میں شامل نہیں ہے جو قانون بلوغ کے اطلاق سے مستثنی قرار دئے گئے ہیں۔ اس لیے ولسن کے خیال میں نفقہ کی ذمہ داری بھی اولاد کے ۱۸ سال کی عمر تک رہتی ہے۔ لیکن ولسن کا یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ قانون بلوغ نے حقوق اور اس

---

(۲) ہدایہ عربی مطبوعہ قرآن محل کراچی، جلد دوم صفحہ ۴۴۵
(۳) فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ جلد ۳ صفحہ ۳۴۴
(۴) فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ مصر ۱۳۴۶ھ جلد ۳ صفحہ ۳۴۴
(۵) صغرا بیگم بنام محمد یونس ' پی ایل ڈی ' لاہور ' ۱۹۵۷ع ' صفحہ ۴۴۱
فتح القدیر مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ جلد ۳ صفحہ ۳۴۴۔
المسبوط السرخسی مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ جلد ۵ صفحہ ۱۸۵
(۶) Majority Act, 1875.

کے بالمقابل وجوب کے قائم رہنے کی مدت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ۔ اس لیے ایک مسلمان کے بیٹوں کو بالغ ہو جانے کے بعد باپ سے نفقہ پانے کا حق باقی نہیں رہتا اور نہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد والدین پر ان کا نفقہ واجب رہتا ہے ، الاّ یہ کہ کسی نقص یا بیماری کے سبب کسب معاش پر قادر نہ ہوں ۔

عام اصول یہ ہے کہ نفقہ محتاج پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ اس کا واجب ہونا صلۂ رحمی کے طور پر ہوتا ہے جب کہ محتاج خود اس بات کا مستحق ہے کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ احسان کرے تو اس پر کیوں کر نفقہ واجب ہو سکتا ہے ؟ لیکن اس عام اصول کا اطلاق زوجہ اور نابالغ اولاد کے نفقے کی صورت میں نہیں ہوتا ، کیونکہ زوجہ اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوھر اور والد پر نادار ہونے کے باوجود واجب ہوتا ہے کیونکہ جب اس نے نکاح کیا تو نفقہ دینا اس پر لازم ہوگیا ۔

خوش حالی کے بارے میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ شخص بقدر نصاب مالک ہو یعنی اس پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہو (یا بالفاظ دیگر اس پر زکٰوۃ لینا حرام ہو) ۔ امام محمد الشیبانی سے مروی ہے کہ خوش حالی کا اندازہ یہ ہے کہ ایک ماہ تک اس کی ذات اور اہل و عیال کے خرچے کے بعد پس انداز ہو یا اس کی مستقل کمائی سے اس طرح پس انداز ہوتا ہو تو اس پر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں ، بندوں کے حقوق کی ادائی میں صرف قادر ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ نصاب کا ، کیونکہ نصاب مالدار ہی کے واسطے ہے ۔ لیکن فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے ۔ چنانچہ آدمی کی بنیادی ضروریات سے اتنا مال زائد ہو جس پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہو تو اس پر اپنے ذی رحم رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہوگا ۔

جب قاضی نے مرد پر اس کے فرزند ، والدین اور قریبی رشتہ داروں کا نفقہ متعین کرکے ادائی کا حکم دیا اور پھر بغیر نفقے کے کچھ عرصہ گزر گیا تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ فرزند ، والدین یا قرابت داروں کا نفقہ تکمیل ضرورت کے واسطے واجب ہوتا ہے ۔ چنانچہ اگر یہ لوگ خوشحال ہوں تو نفقہ واجب نہیں ہوتا ، لہذا مدت گزرنے سے وہ نفقہ ساقط ہوگیا ۔ البتہ زوجہ کا نفقہ بالخصوص جب قاضی نے مقرر کر دیا ہو تو ساقط نہیں ہوتا کیونکہ شوہر پر زوجہ کا نفقہ اس کی خوشحالی کے باوجود واجب ہوتا ہے ۔ زوجہ کا نفقہ دراصل معاوضۂ حبس ہے جب کہ اولاد ، والدین اور دیگر رشتہ داروں کا نفقہ بربناء احسان واجب ہوتا ہے ۔

اولاد کا صحیح النسب ہونا ضروری ہے

۱۵۹ ۔ باپ صرف صحیح النسب اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا ۔

تشریح

باپ صرف اپنی صحیح النسب اولاد کےنفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پر غیر صحیح النسب اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔

ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعہ۴۸۸ کے تحت باپ کو غیرصحیح النسب اولاد کا نفقہ دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔[7] عدم ادائی کی بناء پر اس کو سزائے قید بھی دی جا سکتی ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ از روئے قانون رائج الوقت اولاد غیر صحیح النسب ہے تو باپ ادائی نفقہ کے حکم کی تعمیل سے محض اس بناء پر انکار کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ ماں اس اولاد کو باپ کے حوالے کرنے سے انکار کرتی ہے ۔

(7) If any person having sufficient means neglets or refuses to maintain his wife or his legitimate or illegitimate child unable to maintain itself, may order such person to make a monthly allowance for the maintenance of his wife or such child, at such monthly rate, not exceeding (four hundred) rupees in the whole.

تجویز

از روئے شرع اسلام باپ ناجائز اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے ، جب کہ رائج الوقت قانون (دفعہ ۴۸۸ ضابطۂ فوجداری) کے تحت اس کو ذمہ دار قرار دیاگیا ہے ۔ ضرورت ہےکہ مذکورہ دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری میں شرع اسلام کے مطابق ترمیم کی جائے ۔

ماں اور دادا کی ذمہ داری

۱٦۰ - (۱) باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری بشرط مقدرت ماں پر ہوگی ۔

(۲) والدین کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقے کی ذمہ داری بشرط مقدرت ان کے دادا پر عائد ہوگی ۔

تشریح

باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقے کی ذمہ داری جب کہ خود اولاد کی کوئی جائداد نہ ہو ' بچوں کی ماں اور ماں کے مفلس ہونے کی صورت میں دادا پر منتقل ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ عدالت اس امر کی مجاز ہوگی کہ باپ کی عدم استطاعت کی صورت میں ماں اور ماں کی عدم استطاعت کی صورت میں بچوں کے دادا کو بچوں کے نفقے اور پرورش کا انتظام کرنے کا حکم دے ۔ البتہ ماں اور دادا کی یہ ذمہ داری باپ کی طرح غیر مشروط اور مطلق نہیں ۔ جوں ہی باپ کی مالی حالت بہتر ہو جائے اور وہ اس قابل ہو کہ بچوں کے نفقے اور پرورش کے اخراجات کا بار اٹھا سکے ' اس کی ذمہ داری عود کر آئے گی اور وہ اپنے بچوں کے نفقے کا ذمہ دار ہوگا ۔

کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے اور باپ ، بھی یا ماں کا مال موجود نہ ہو تو عورت حسب ضرورت اور دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بچوں کے گزارے کے لیے باپ کے نام پر قرض لے کر گزارہ کر سکتی ہے ۔

آبا و اجداد کا نفقہ

۱۶۱ - اولاد پر اپنے حاجت مند آباو اجداد کو نفقہ دینا واجب ہے - خواہ وہ اس کے ہم مذہب نہ ہوں -

تشریح

بالغ اولاد پر واجب ہے کہ اپنے والدین اور دادا ، دادیوں کو نفقہ دے جب کہ وہ حاجت مند ہوں خواہ وہ اس کے ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں - اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت "وصاحبھا فی الدنیا معروفا" ہے ، کہ دنیا میں والدین کے ساتھ اعتدال (خوش اسلوبی) کے طور پر رہو - اس آیت کا نزول ایسے ماں اور باپ کے حق میں تھا جو کافر تھے - اعتدال (خوش اسلوبی) کے طور پر رہنے کا یہ مطب نہیں ہے کہ اولاد خود تو اللہ کی نعمتوں سے مستفیض ہو اور والدین کو چھوڑ دے کہ بھوکے مر جائیں ، اولاد پر والدین کے نفقے کے علاوہ دادہ اور دادیوں کے نفقے کی ذمہ داری کی دلیل یہ ہے کہ وہ بھی باپ اور ماؤں میں سے ہیں کیونکہ باپ کی غیر موجودگی میں دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے - چونکہ وہ بھی اس اولاد کے زندہ ہونے کا سبب ہیں اس لیے وہ اس اولاد پر اپنی زندگی کا استحقاق رکھتے ہیں جیسا کہ والدین کی صورت میں ہے - شرع اسلام نے آباء و اجداد کے نفقے کی ذمہ داری میں محتاجی کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اگر وہ مال دار ہیں تو ان کے نفقے کا وجوب دوسرے کے مال میں قائم ہونے کی بہ نسبت اپنے مال میں قائم ہونا اولی ہے - جہاں تک اختلاف دین کا تعلق ہے تو یہ اختلاف نفقہ واجب ہونے میں مانع نہیں ہوتا ، جیسا کہ مذکرہ بالا آیات سے ظاہر ہے - (کیونکہ آیت قرآنی مطلق ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ والدین خواہ مسلمان ہوں یا کافر ان کے ساتھ اعتدال (خوش اسلوبی) کا برتاؤ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے) - لیکن اگر یہ لوگ ایسے کافر ہوں جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں تو مسلمان اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ جو شخص مسلمان سے دین کے بارے

میں لڑائی کرے خواہ کوئی ہو اس کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[8]

والدین کے نفقے میں فرزند کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا یعنی اگر والدین کا فرزند موجود ہے اور نفقہ دے سکتا ہے تو قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا کہ اور رشتہ دار بھی شریک ہو کر نفقہ دیں۔ نفقہ صرف ان کا فرزند دےگا، کیونکہ والدین کے واسطے اپنے فرزند کے مال میں حق ہے آنحضرت (صلعم) نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے واسطے ہیں۔ ظاہر ہے کہ غیر کے مال میں باپ کا حق ثابت نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ والدین کے حق میں ان کا فرزند سب سے زیادہ قریب ہے۔ ظاہر الروایت میں ہے کہ محتاج والدین کے واسطے نفقے کا استحقاق ان کے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں پر برابر ہے کیونکہ سبب قرابت لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو شامل ہے۔ امام سرخسی نے شرح کافی میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت بیان کی ہے کہ میراث کی طرح دو حصہ لڑکا ایک حصہ لڑکی دے۔[9] فتویٰ ظاہر الروایت پر ہے۔

دیگر رشتہ داروں کا نفقہ

۱۶۲ - مسلمان رشتہ داروں پر واجب ہے کہ اپنے حاجت مند رشتہ داروں کو جن سے میراث کا باہمی تعلق ہو، حسب قاعدۂ وراثت نفقہ دیں۔

تشریح

نفقے کا تعلق میراث کے ساتھ ہے چنانچہ جن میں باہم میراث ہے ان میں نفقہ بھی ہوتا ہے۔ بنابریں ایک مسلمان پر واجب نہیں کہ اپنے غیر مسلم بھائی کو نفقہ دے کیونکہ غیر مسلم مسلمان کی میراث نہیں لے سکتا۔[10]

(۸) فتح القدیر شرح هدایہ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ جلد ۳ صفحہ ۳۴۷
بحرالرائق مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳

(۹) فتح القدیر مع هدایہ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ جلد ۳ صفحہ ۳۴۸
بحرالرائق جلد ۳ صفحہ ۲۲۳/۲۲۴ مطبوعہ مصر

(۱۰) فتح القدیر مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ هجری جلد ۳ صفحہ ۳۴۸
بحرالرائق جلد ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ هجری صفحہ ۲۲۴

نفقہ ہر ذی رحم محرم کے لیے واجب ہوتا ہے جب کہ وہ نابالغ یا محتاج ہو یا عورت بالغہ نادار ہو یا مرد بالغ نادار ، لنجہ یا اندھا ہو کیونکہ قریبی رشتہ داری میں احسان کرنا واجب ہوتا ہے ۔ جو رشتہ دار محرم ہو وہ قریب ہوتا ہے یعنی جس سے نکاح کی دائمی حرمت ہو ورنہ دور کی رشتہ داری میں نفقہ واجب نہیں ہوتا ۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے "علی الوارث مثل ذلک" یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہے ۔ بالفاظ دیگر استحقاق اور ذمہ داری دونوں کا تعلق یکساں طور پر ہوتا ہے یعنی جس درجے میں جو رشتہ دار استحقاق رکھتا ہے اسی درجے میں اس پر ذمہ دادی عائد ہوتی ہے ۔

علامہ ابو الحسن نے جو قدری کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب "المختصر" میں لکھا ہے کہ نفقہ کا واجب ہونا میراث کی مقدار پر ہے ۔ کیونکہ آیت میں وارث کا لفظ کہنے میں یہ تنبیہ ہے کہ مقدار میراث معتبر ہے ، کیونکہ حالات کے بقدر آدمی تاوان اٹھاتا ہے یعنی جتنا اسے میراث سے ملے گا اسی حساب سے بالفعل مورث کو نفقہ دے رہا ہے ۔

دیگر رشتہ داروں کے نفقے کی صورت میں ایسی قرابت موجود ہونے کے باوجود جس سے دائمی نکاح حرام ہوتا ہے اگر باہم دین میں اختلاف ہو تو نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ باہم وارث ہونے کی اہلیت (capacity) موجود نہیں ہے جب کہ دیگر رشتہ داروں کے نفقے کا وجوب میراث پر قائم ہے ۔

اسلامی ممالک میں قوانین نفقہ

عراق کا قانون نفقہ :

دفعہ ۵۸ ۔ ہر انسان کا نفقہ اس کے مال میں ہے ماسوائے زوجہ

(۱۱) فتح القدیر مع ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۰.
بحرالرائق جلد ۳ صفحہ ۲۲۸

کے جس کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے ۔

دفعہ ۵۹ - (۱) لڑکے کا مال موجود نہ ہونے کی صورت میں اس کا نفقہ اس کے باپ پر ہے جب تک کہ وہ (باپ) نادار یا کسب معاش سے عاجز نہ ہو ۔

(۲) اولاد کا نفقہ جاری رہے گا بصورت لڑکی کے نکاح تک اور بصورت لڑکے کے اس وقت تک کے لیے جب تک کہ اس کے مثل دیگر لڑکے کمانے کے لائق نہ ہو جائیں ، جب کہ وہ طالب علم نہ ہو ۔

دفعہ ٦۰ (۱) جب کہ باپ اپنی اولاد کا نفقہ دینے سے مجبور ہو تو نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا جس پر باپ کی عدم موجودگی کی صورت میں ہوتا ۔

(۲) ایسا نفقہ خرچ کرنے والے کی طرف سے (جو باپ کے قائمقام نے کیا ہو) باپ کے ذمہ قرض ہوگا جو باپ کے صاحب فراغت ہو جانے کے بعد واپس دلایا جائے گا ۔

دفعہ ٦۱ - صاحب استطاعت لڑکے پر خواہ بالغ ہو یا نابالغ ، اپنے نادار والدین کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ (والدین) کسب معاش پر قادر ہوں تا آنکہ یہ ظاہر نہ ہوتا ہو کہ باپ کاہلی اختیار کرنے پر تُلا ہوا ہے ۔

دفعہ ٦۲ - ہر نادار کسب معاش سے عاجز شخص کا نفقہ اس کے ایسے صاحب استطاعت رشتہ داروں پر جو اس کے وارث ہوں بقدر حصۂ ترکہ واجب ہوگا ۔

دفعہ ٦۳ - رشتہ داروں کے نفقہ کا حکم تاریخ دعوے سے دیا جائے گا۔

شام کا قانون نفقہ :

دفعہ ۱۵۴ - ہر انسان کا نفقہ اس کے مال میں ہے مگر زوجہ کا اس کے شوہر پر ہے ۔

دفعہ ۱۵۵ (۱) ۔ اگر لڑکے کا مال موجود نہ ہو تو اس کا نفقہ اس کے باپ پر ہے الاّ یہ کہ اس کا باپ نفقہ دینے سے عاجز اور جسمانی یا عقلی آفت کے سبب کمانے سے مجبور ہو ۔

(۲) اولاد کا نفقہ لڑکی کی صورت میں نکاح تک اور لڑکے کی صورت میں جب کہ اس کے مثل لڑکے کمانے کے لائق ہوں قائم رہے گا ۔

دفعہ ۱۵۶ (۱) ۔ جب کہ باپ نفقہ دینے سے عاجز ہو اور (در آں حالے کہ) وہ کمانے سے عاجز نہ ہو تو اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری اس شخص پر ہوگی جس پر باپ کی غیر موجودگی میں ہوتی ۔

(۲) نفقہ باپ کے ذمہ قرض کے طور پر ہوگا اور جب وہ خوشحال ہو جائے تو اس کو دلایا جائے گا ۔

دفعہ ۱۵۷ (۱) ۔ اپنے بیٹے کی زوجہ کا نفقہ باپ پر واجب نہ ہوگا جب وہ (بیٹا) خوشحال ہو ۔

(۲) عسرت کی حالت میں باپ کا نفقہ پر خرچ کرنا بیٹے کے ذمہ قرض ہوگا تاآنکہ وہ خوشحال ہو ۔

دفعہ ۱۵۸ ۔ خوشحال اولاد پر خواہ مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ ، اپنے محتاج والدین کا نفقہ واجب ہوگا ، خواہ وہ (والدین) کمانے پر قادر ہوں، جب تک کہ باپ کی طرف سے کمانے کے معاملے میں اس کے مثل اشخاص کے مانند کسل اور سستی ظاھر نہ ہو ۔

دفعہ ۱۵۹ ۔ نادار اور آفت بدنی یا عقلی کے سبب کمانے سے قاصر شخص کا نفقہ اس صاحب فراغت شخص پر واجب ہے جو اس کا وارث ہو ، بمقدار ان کے حصص وراثت کے ۔

دفعہ ۱۶۰ ۔ اختلاف دین کی بناء پر نفقہ واجب نہیں ہوتا مگر آباءو اجداد اور اولاد کے واسطے ۔

دفعہ ۱٦۱ - رشتہ داروں کا نفقہ تاریخ دعویٰ سے دلایا جائے گا (یعنی جس تاریخ سے عدالت میں درخواست پیش کی جائے) -

لیونس کا قانون نفقہ :

دفعہ ۴۳ - بذریعہ قرابت نفقہ کے مستحقین کی دو قسمیں ھیں - باپ و دادا خواہ درجے میں کتنے ھی اونچے ھوں - صلبی اولاد خواہ درجے میں کتنے ھی نیچے ھوں -

دفعہ ۴۴ - بیٹے اور خوشحال اولاد لڑکے ھوں یا لڑکی ان پر محتاج والدین ، دادا ، دادی کو نفقہ دینا واجب ھے -

دفعہ ۴۵ - اگر اولاد ایک سے زائد ھو تو خوشحال سے نفقہ دلایا جائے گا نہ کہ انفرادی طور پر ھر ایک سے اور نہ ھی ورثہ کی بنیاد پر -

دفعہ ۴٦ - باپ پر خواہ درجے میں کتنا ھی بلند ھو اپنی نابالغ اور کسب معاش سے عاجز اولاد کا نفقہ خواہ درجہ میں کتنا ھی نیچے ھو واجب ھے - عورت کا نفقہ اس وقت تک قائم رھے گا جب تک کہ اس کا نفقہ اس کے شوھر پر واجب نہ ھو جائے اور لڑکی کا نفقہ اس وقت تک ھے جب تک کہ سولہ سال کی عمر بلوغ کو نہ پہنچ جائے اور کسب معاش پر قادر نہ ھو -

دفعہ ۴۷ - باپ کے تنگدست ھونے کی صورت میں ماں پر اپنی اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری دادا کے مقابلے میں مقدّم ھے -

دفعہ ۴۸ - اگر ماں بچہ کی رضاعت سے معذور ھو تو باپ پر واجب ھے کہ عرف و عادت کے بموجب بچے کو دودھ پلانے کے قائمقام انتظام کرے -

دفعہ ۴۹ - جس شخص نے کسی غیر کے نفقہ کی ذمہ داری جو بالغ ھو یا نابالغ ، اپنے اوپر ایک معین مدت تک کے لیے لازم کر لی تو اس کی

تکمیل اس پر لازم ہوگی اور اگر مدت غیر معین ہو اور اس نے خود اس مدت کا تعین کر لیا تو اس بارے میں اس کا قول مانا جائے گا ۔

دفعہ ۵۰۔ خوراک ، لباس ، مکان ، تعلیم اور جن اشیاء کا عرف کے تحت ضروری ہونا معتبر ہو ، نفقہ میں شامل ہوں گی ۔

دفعہ ۵۱ ۔ نفقہ اپنے سبب کے زائل ہو جانے سے ساقط ہو جاتا ہے اور جو کچھ نفقہ دینے والے سے جبراً بلا سبب لیا گیا ہے وہ اس کو واپس لوٹا دیا جائے گا ۔

دفعہ ۵۲۔ نفقہ دینے والے کی استطاعت اور نفقہ پانے والے کے حال ، زمانہ اور نرخوں کے بموجب مقرر کیا جائے گا ۔

دفعہ ۵۳ ۔ اگر نفقے کے مستحق ایک سے زائد ہوں اور نفقہ دینے والا ان سب کو نفقہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زوجہ کے نفقہ کو اولاد کے نفقہ پر تقدم حاصل ہوگا اور نابالغ اولاد کے نفقہ کو والدین کے نفقہ پر ۔

اردن کا قانون نفقہ :

دفعہ ۶۵ (ج) جس اولاد کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے اس کی تعلیم کا خرچ بھی نفقہ کی طرح اس پر واجب ہے اور معتبر ہوگا ۔ طلب علم ان اسباب میں سے بطور ایک سبب کے ہے ، جن کی بنیاد پر اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور اسی طرح برابر ہے کہ تعلیم ابتدائی ہو یا ثانوی یا جامعی (یعنی یونیورسٹی کی) اور تعلیم کے لیے اس کا تعین لڑکے کی سمجھ اور اہلیت کے پیش نظر باپ کی خوشحالی یا تنگدستی کے مطابق کیا جائے گا ۔

(د) اگر باپ تنگدست ہے اور ڈاکٹری فیس یا علاج کی قیمت یا تعلیم کا خرچہ ادا نہیں کر سکتا اور ماں خوشحال ہے اور قدرت رکھتی ہے

تو وہ نفقہ اس پر لازم ہو جائے گا باین طور کہ باپ کے ذمہ قرض ہو گا اور خوشحالی کے وقت وہ اس سے لے سکتی ہے اور یہی صورت اس وقت ہو گی جب کہ باپ غائب ہو - (اور اس کا مال اولاد کے نفقہ کی ادائی کے لیے موجود نہ ہو -)

تجویز

پاکستان میں مسلمان بچوں یا آباء و اجداد کے نفقہ سے متعلق کوئی مفصل قانون موضوعہ (enacted law) موجود نہیں البتہ کتب فقہ سے اخذ کردہ احکام پر عمل کیا جاتا ہے - ضرورت ہے اس سلسلہ میں مفصل ضابطوں کے ساتھ قانون سازی کی جائے جیسا کہ دفعات مندرجہ بالا میں کوشش کی گئی ہے - اس ضمن میں ممالک اسلامیہ میں رائجُ الوقت قوانین سے کافی مدد مل سکتی ہے جن کے تفصیلی اقتباسات سطور بالا میں پیش کیے گئے ہیں -

---

چوبیسواں باب

ھبہ

ھبہ کی تعریف

۱۶۳۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کا فوری اور بلا معاوضہ منتقل کرنا اور اس دوسرے شخص کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور صاحب مجاز کا اس شے موھوبہ کو قبول کر لینا ھبہ کہلاتا ہے :

مگر شرط یہ ہے کہ واھب (ھبہ کرنے والا) موھوبہ (ھبہ کی ہوئی) جائداد کے حق ملکیت اور اس پر اختیارات سے کلیتاً دستبردار ھو جائے۔

تشریح

ھبہ اپنے لفظی معنی میں کسی ایسی شے کا دے دینا ھے جس سے وہ شخص جس کے نام ھبہ کیا جائے فائدہ حاصل کر سکتا ھو۔ ھبہ کی تعریف کنز الدقائق میں ''ھی تملیک العین بلاعوض'' کے الفاظ میں بیان کی گئی ھے۔[1] یعنی ھبہ (دوسرے شخص کو) بلا معاوضے کے مالک بنانا ھے۔

شرعاً کسی مخصوص شے کی ملکیت کا حق بغیر کسی معاوضے کے عطا کرنا ''ھبہ'' کہلاتا ھے۔

علامہ نجم الدین ابی جعفر الحلّی نے شیعی فقہ پر اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں ھبہ کی تعریف یوں بیان کی ھے کہ ''ھبہ وہ عقد ھے جو بلا عوض عین مال کے اس طرح مالک کر دینے کو مقتضی ھے کہ فوری (غیر معلّق) اور نیت قربت سے مجّرد (خالی) ھو۔ کبھی ھبہ کی تعبیر

---

(۱) (کنزالدقائق ' عبداللہ بن محمود النسفی ' مطبوعہ مصر . . . صفحہ ۳۵۲
فتح القدیر ' ابن ھام ' مطبوعہ مصر . . . ' جلد ۷ ' صفحہ ۱۱۳

لفظ " نحلہ " اور " عطیہ " سے بھی کی جاتی ہے ۔"[۲]

ہبہ کے اصول کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "تہادوا تحابوا" ہے یعنی باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دو تا کہ محبت بڑھے ۔[۳]

پاکستان میں رائج الوقت قانون انتقال جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ع کی دفعہ ۱۲۲ کے تحت ہبہ کی حسب ذیل تعریف بیان کی گئی ہے :

"ہبہ کسی ایسی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کا انتقال ہے جو وجود میں ہو اور جو رضا کارانہ طور پر بلا معاوضہ ایک شخص کی طرف سے جس کو واہب (Donor) کہا جاتا ہے دوسرے شخص کے حق میں جس کو موہوب لہ (Donee) کہا جاتا ہے کیا جائے اور جو موھب لہ یا اس کی طرف سے قبول کر لیا جائے" ۔

ایسی قبولیت واہب کی زندگی میں دی جائے نیز جب کہ وہ ہبہ کرنے کا اہل ہو ۔

اگر موہوب لہ قبولیت سے پہلے مر جائے تو ہبہ کالعدم ہو جائے گا ۔"

حق ملکیت و اختیار سے دستبرداری :

ہبہ کے لیے یہ امر لازمی ہے کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کی ہوئی جائداد کے حق ملکیت اور اس سے متعلق اختیارات سے کلیتاً دستبردار ہو جائے ۔

ہبہ صاف اور صریح ہونا چاہئے ۔ ہبہ کرنے والوں کی نیت کا انحصار ہبہ کی ہوئی شے کو موہوب لہ (donee) کے حق میں قطعی طور پر چھوڑ دینے پر ہے ۔ چنانچہ اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کی ہوئی شے پر اپنے مالکانہ اختیارات استعمال میں لاتا رہے تو وہ ہبہ کالعدم متصور ہوگا ۔

ہبہ رضا کارانہ ہونا چاہئے ۔ جبراً ہبہ ناجائز اور کالعدم متصور ہوگا ۔

---

(۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی ، (۶۷۶ھ) مطبوعہ بیروت ، القسم الرابع ، جلد اول ، صفحہ ۲۵۳

(۳) ھدایہ ، برھان الدین مرغیناتی ، مطبوعہ قرآن محل ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۳

انعقاد ہبہ

۱۶۴ ۔ ہبہ ایک عقد ہے جو ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے ۔

تشریح

دیگر عام معاہدات کی طرح ہبہ کا انعقاد بھی ایجاب و قبول پر منحصر ہے جیسا کہ المختصر للقدوری ، کنزالدقائق اور ھدایہ میں لکھا ہے کہ ہبہ ایجاب و قبول اور قبضے سے صحیح ہوتا ہے ۔[۴]

در اصل ہبہ کی نوعیت ایک معاہدے کی ہے اور معاہدہ ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے ۔ جہاں تک قبضے کا تعلق ہے ، قبضہ ثبوت ملک کے لیے ضروری ہے نہ کہ انعقاد ہبہ کے لیے ۔ چنانچہ اگر عقد ہبہ میں ایجاب اور قبول پایا جائے تو کہا جائے گا کہ ہبہ منعقد ہو گیا البتہ عدم قبضہ کی صورت میں ہبہ نامکمل اور غیر نافذ قرار پائے گا۔

شہادت ہبہ

۱۶۵ ۔ انعقاد ہبہ کے لیے شہادت لازم نہیں ۔

تشریح

ہبہ کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں ۔ اس کی تکمیل قبضہ دینے سے ہوتی ہے ۔ کوئی ہبہ جس میں مطلوبہ ارکان پائے جائیں اور قبضہ بھی دے دیا گیا ہو ، محض اس بناء پر ناجائز نہ ہوگا کہ اس ہبہ میں گواہ نہیں ۔

ہبہ کی تکمیل

۱۶۶ ۔ ہبہ اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کی ہوئی جائداد کا قبضہ موہوب لہ کے حوالے نہ کر دے ۔

استثناء : جن اشیاء کا قبضہ نہیں دیا جاسکتا ان کے ہبہ کی تکمیل واہب کے کسی ایسے فعل سے ثابت ہو جائے گی جس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہو کہ وہ جائداد کے حق ملکیت سے دست بردار ہو گیا ہے ۔

---

(۴) المختصر للقدوری ، مطبوعہ قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۲۸
کنزالدقائق ، عبداللہ ابن محمود نسفی ، مطبوعہ مصر . . . صفحہ ۳۵۲
ھدایہ ، برہان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۳

تشریح

ہبہ کی تکمیل قبضہ کے بعد ہوتی ہے یا اس کی تکمیل کے لیے قبضہ کی حاجت نہیں، اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ۔

حنفیہ اور مالکیہ کا اختلاف :

حنفیہ کے نزدیک ہبہ ایجاب و قبول سے منعقد ہو جائے گا ، لیکن موہوب لہ (donee) کی ملکیت اسی وقت کامل ہوگی جب کہ شے موہوبہ (gifted property) پر اس کا قبضہ ہو جائے ۔

امام مالک کے نزدیک شے مبیعہ (جو شے فروخت کی گئی ہو) کی طرح ہبہ کی صورت میں بھی بلا قبضہ ملکیت ثابت ہو جاتی ہے ، لیکن احناف کے نزدیک بلا قبضہ ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۔ احناف اپنے قول کی دلیل میں حدیث نبوی ''لایجوز الھبة الا مقبوضة'' پیش کرتے ہیں ۔ یعنی ہبہ جائز نہیں الا یہ کہ شئے موہوبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو۔[۵]

احناف کی دلیل :

احناف ہبہ کے سلسلے میں مذکورہ بالا حدیث سے استناد کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ عبدالرزاق کے بقول ابراہیم نخعی (تابعی) کا قول ہے ۔ تاہم یہ بات صحیح ہے کہ ہبہ کی تکمیل بلا قبضے کے نہیں ہوتی ۔ امام مالک کا بلا قبضہ شے موہوبہ کو شے مبیعہ پر قیاس کرنا درست نہیں ۔ ہبہ در اصل احسان کا معاملہ ہے اس کو بیع پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بیع عقد معاوضہ یا مبادلہ (contract for consideration or exchange) ہے ۔ چنانچہ اگر محض ہبہ (بلا قبضہ) سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت قرار دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہبہ کرنے والے پر یہ ذمہ داری عائد ہو گی کہ وہ

---

(۵) ہدایہ، برہان الدین مرغینانی ،مطبوعہ قرآن محل کراچی، جلد۳ ، صفحہ۲۸۳

شے موھوبہ بلا تاخیر موھوب لہ کے سپرد کر دے ۔ حالانکہ ھبہ میں احسان کا معاملہ ھونے کے سبب یہ کیوں کر لازم ھو سکتا ھے ، جب کہ موھوب لہ کا واھب پر کوئی حق واجب نہیں ۔ لہذ امام مالکرح کا یہ نقطۂ نظر درست نہیں معلوم ھوتا کہ بلا قبضہ شے موھوبہ میں موھوب لہ (donee) کی ملکیت ثابت ھو جائے گی ۔

اس ضمن میں احناف کا یہ نظریہ درست معلوم ھوتا ھے کہ قبضے سے پہلے شئے موھوبہ میں ملکیت ثابت نہیں ھوتی ۔ چنانچہ اگر الف نے اپنی کوئی جائداد ب کو ھبہ کر دی مگر ابھی قبضہ اسی کے پاس ھے تو ب الف کو بر بناء ھبہ اس جائداد سے بے دخل نہیں کرا سکتا ۔

حضرت عائشہ کی حدیث :

موطاء امام مالک میں حضرت عائشہ سے ایک روایت بیان کی گئی ھے کہ حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ کو ۲۰ وسق* کھجوریں جو ابھی درختوں سے توڑی نہ گئی تھیں ھبہ کی تھیں اور ابھی وہ کھجوریں توڑی نہ گئی تھیں کہ حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت آ پہنچا ۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ سے فرمایا ۔ اگر تو نے ان کھجوروں پر قبضہ کر لیا ھوتا تو وہ تیری ھو جاتیں ۔ اب بموجب احکام وراثت سب وارثوں میں تقسیم کرنا ۔

نیز عبدالراق نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ھے کہ حضرت عمر نے بھی ھبہ کی تکمیل کے لیے قبضے کو شرط قرار دیا ھے ۔ عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی مروی ھے کہ ھبہ میں قبضہ شرط ھے اور بلا قبضہ ملکیت ثابت نہیں ھوتی ۔[5]

---

*ایک وسق ۶۰ صاع کے برابر ھوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کے برابر ھوتا ہے یعنی تقریباً پانچ من دس سیر کھجوریں ھبہ کی تھیں ۔

(۵) الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ، محبوب المطابع دھلی ۱۳۵۰ھ ، صفحہ ۳۰۳

المبسوط :

قبضہ کے سلسلہ میں امام سرخسی اپنی مشہور تصنیف "المبسوط" میں لکھتے ہیں کہ : ہمارے (احناف کے) نزدیک ہبہ میں ملکیت عقد ہبہ کے سبب قبضہ سے پہلے ثابت نہیں ہوتی ، اور امام مالک کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے کیوں کہ امام مالک کے نزدیک ہبہ ایک عقد تملیک ہے ۔ لہذا ملکیت کا ثبوت (قیام) عقد ہبہ کے ساتھ قبضہ پر موقوف نہیں رہے گا، جیسا کہ عقد بیع میں ہے، بلکہ اس سے بھی افضل صورت ہے کیوں کہ بیع میں ملک کے اثبات کے لیے حاجت دونوں جانب سے ہوتی ہے اور ہبہ میں صرف ایک طرف سے ۔ پس جب محض قول دونوں طرف سے ملکیت کو واجب کر دیتا ہے تو ایک جانب سے ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ملک ثابت ہو جائے گی ۔

اس مسئلہ میں ہماری (احناف کی) دلیل وہ ہے جو حضور علیہ السلام کی جانب سے روایت کی گئی ہے کہ "ہبہ جائز نہیں ہوتا مگر قبضہ سے"، اس کے معنی ہیں کہ حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ (حکم) ملکیت ہے ، اس واسطے ہبہ کا انعقاد بالاتفاق قبضہ سے پہلے ثابت ہو جاتا ہے ۔ دوسری علت یہ ہے کہ یہ عقد (ہبہ) احسان کا معاملہ ہے پس اس میں ملکیت مجرد قبول سے ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ وصیت میں ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عقد تبرّع (عقد احسان) فی نفسہ (اپنی ذات میں) کمزور ہوتا ہے ۔ اور اسی واسطے اس کے ساتھ لزوم متعلق نہیں ہوتا اور واہب کی ملکیت جو قائم ہوتی ہے قوی ہوتی ہے ۔ وہ ایک ضعیف سبب کے ذریعے زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ اس میں وہ شے شامل ہو جائے جو اس کو مضبوط بنا دے اور وصیت میں یہ شے (وصیت کرنے والے) کی موت ہے کیوں کہ وہ ملک کی منافی ہوتی ہے ۔[٦]

---

(٦) المبسوط ، امام سرخسی مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ جلد ۱۲ ، صفحہ ۴۸

المبسوط میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے
کہ آپ نے فرمایا ''کہ میرے باپ نے اپنے باغ میں سے جو عالیہ میں
تھا کٹی ہوئی کھجور کے بیس و سق ھبہ کئے ۔ جب آپ کا وقت آخر آ پہنچا
تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا
کہ اے بیٹی ! میں لوگوں میں تجھ سے بہ اعتبار تیرے غنی ہونے کے
سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور تیری دوسرے لوگوں کے مقابلے میں
بہ اعتبار تیرے فقیر ہونے کے سب سے زیادہ عزت کرتا ہوں ۔ میں نے
تجھے بیس و سق کٹی ہوئی کھجور اپنے باغ میں سے عالیہ مقام میں ھبہ
کیں ۔ تو نے ان کا قبضہ نہیں لیا اور اس مال کو علیحدہ بھی نہ کیا ۔
پس وہ مال وارثوں کا ہے ۔ وہ تمہارے دونوں بھائی اور دونوں بہنوں کا
ہے ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ وہ تو
صرف ام عبداللہ یعنی اسماء ہیں ۔ ابوبکر نے کہا کہ میرے دل میں یہ
بات ڈالی گئی ہے کہ بنت خارجہ کے رحم میں لڑکی ہے ۔ شعبی نے حضرت
عائشہ سے روایت کیا کہ ابوبکر نے (کھجوروں کے عوض) حضرت عائشہ
کو اپنی زمین ھبہ کر دی تھی ۔''^۷

مندرجہ بالا حدیث سے اخذ نتائج :

اس واقعہ میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ ھبہ بلا قبضہ مکمل نہیں
ہوتا اور قبضہ کے سلسلے میں یہ امر برابر ہے کہ وہ اجنبی ہو یا بیٹا ،
جب کہ وہ دونوں بالغ ہوں ۔

حضرت عائشہ کی اس حدیث میں یہ دلیل بھی پائی جاتی ہے کہ ھبہ
بلا تقسیم مکمل نہیں ہوتا جب کہ وہ شئے قابل تقسیم ہو ، کیونکہ حضرت
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدم قبضہ اور عدم تقسیم دونوں کی بناء پر
اس ھبہ کو ، جو حضرت عائشہ کو کیا تھا ، باطل قرار دے دیا ۔

---

(۷) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ جلد ۱۲ ، صفحہ ۴۹

حضرت ابوبکر کے قول میں ''کہ تو نے نہ قبضہ لیا اور نہ تقسیم کیا،، میں ''حیازت،، سے مراد تقسیم ہے اور اس حدیث سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ غیر منقسمہ شے کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو (فی‌الاصل) باطل نہیں ہوتا ، البتہ مشاع قابل تقسیم کی صورت میں ملک حاصل نہیں ہوتی تاوقتیکہ مشاع تقسیم نہ ہو جائے جس طرح قبضے کے بغیر ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور ہم (احناف) یہ نہیں کہیں گے کہ ہبہ قبضے سے پہلے باطل ہے ۔ اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہبہ کا تسلیم کر دینا ابتداء تملیک کے مانند ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تسلیم کرنے سے بوجہ اپنے مرض کے رک گئے تھے کیونکہ مریض کا حالت مرض (مرض‌الموت) میں اپنے مال میں سے کوئی شے اپنے ورثاء کو بطور ہدیہ کے دینا ممنوع ہے ۔ اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ مرض‌الموت کی حالت میں مریض کے مال سے وارث کا حق متعلق ہو جاتا ہے نیز اس میں سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ حمل جملہ ورثاء میں شامل ہے ۔[۸]

نابالغ کے حق میں ہبہ کی صورت میں قبضہ کی نوعیت :

امام سرخسی آگے لکھتے ہیں کہ ''حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے نابالغ بچے کے حق میں ہبہ کرے تو اس آدمی کے ہبہ کا اعلان کر دینے سے وہ ہبہ جائز ہو جاتا ہے ۔ حضرت عمر اور عثمان کے اس قول سے ہم (احناف) یہ اخذ کرتے ہیں کہ اس ہبہ میں حق قبضہ نابالغ کی جانب سے باپ کو ہوتا ہے ۔ اگر ہبہ کرنے والا خود قابض ہوتا ہے تو اسی قبضے سے ہبہ مکمل ہو جاتا ہے اور حصول مقصد کے لیے اس ہبہ کا اعلان کرنا لابدی ہوتا ہے ، کیونکہ لڑکا اس چیز کے مطالبے پر قادر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے معلوم نہ ہو کہ کوئی شے اسے ہبہ کی گئی ہے اور یہی اس روایت

(۸) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۱-۵۰

کے معنی ھیں جو شریح نے بیان کی ھے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا چیز نابالغ بچے کے واسطے اس کے باپ کے ھبہ کو جائز کرتی ھے ؟ شریح نے کہا کہ ”اس ھبہ پر شہادت“ اور یہاں اس ھبہ پر شہادت سے مراد اس ھبہ کا اعلان ھے ۔ کیونکہ شہادت ھبہ میں اس کے تکمیل کی شرط نہیں ھے اور اعلان کا جو ذکر کیا گیا وہ مضبوطی کے واسطے ھے تا کہ بیٹا باپ کی موت کے بعد تمام ورثاء کے خلاف اپنی ملکیت دلیل کے ساتھ ثابت کرنے پر قادر ھو جائے ۔[9]

”امام محمد نے فرمایا کہ اگر قبضے سے پہلے واھب اور موھوب دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے خواہ واھب ، خواہ موھوب لہ تو ھبہ باطل ھو جائے گا کیونکہ ھبہ قبضے سے مکمل ھوتا ھے اور قبضہ ھبہ میں اس طرح ھوتا ھے جس طرح بیع میں قبول، بایں طور کہ ملک اس سے ثابت ھوتی ھے جیسا کہ بائع اور مشتری (seller and purchaser) دونوں میں سے کسی کی موت ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے بیع کو باطل کر دیتی ھے اسی طرح ھبہ قبضے سے پہلے واھب یا موھوب کی وفات کے سبب باطل ھو جاتا ھے“ ۔[10]

قبضے کے لیے اجازت ضروری ھے :

امام محمد نے فرمایا کہ ”اگر شئے موھوبہ عقد ھبہ کی مجلس میں موجود ھو اور موھوب لہ نے واھب کی اجازت سے اس کا قبضہ لیا ھو تو شئے موھوبہ موھوب لہ کی ملک ھو جائے گی اور اگر اس کا قبضہ واھب کی اجازت کے بغیر لیا ھو تو اس طرح قبضہ لینا بر بناء قیاس موھوب لہ کو شئے موھوبہ کا مالک نہیں بناتا مگر از روئے استحسان وہ اس کا مالک ھو

(٩) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ١٣٢٤ھ ، جلد ١٢ ، صفحہ ٥١
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ١٣١١ھ ، جلد ٧ ، صفحہ ٢٨٨
(١٠) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ١٣٢٤ھ ، جلد ١٢ ، صفحہ ٥٧

جائے گا ۔ کتاب الزیادات میں اس قول پر نص ہے ''۔[۱۱]

دلیل بر بناء قیاس یہ ہے کہ شئے موہوبہ واہب کی ملک میں باقی رہتی ہے اور کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملک پر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لے ' کیونکہ ایسا قبضہ بہ طور تعدّی (ظلم و زبردستی) کے ہوتا ہے نہ کہ بطور تملیک کے ۔ عقد کا ایجاب بیع کی طرح قبضے کے حق میں اذن نہیں ہوتا ۔ چنانچہ اگر مشتری بائع کی اجازت کے بغیر زر ثمن کی ادائی سے پہلے شئے مبیعہ پر قبضہ کر لے تو یہ قبضہ ''اجازت کے ساتھ'' نہیں کہلائے گا اگرچہ شئے مبیعہ حاضر ہو تب بھی عقد کی بناء پر بائع کا اس شے کو روک لینے کا حق ساقط نہیں ہوتا باوجودیکہ مشتری شئے مبیعہ کا مالک ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی ملک پر قبضہ کرتا ہے ۔ جب کہ موہوب لہ بربناء عقد مالک نہیں ہوتا تو اس کا قبضہ بربناء اجازت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے ۔

دلیل بربناء استحسان یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ بیع میں قبول کی مانند ہے لہٰذا بیع کا ایجاب قبول میں اذن ہو جاتا ہے ۔ اس طرح ہبہ کا ایجاب قبضے میں اذن ہو جاتا ہے کیونکہ ایجاب کنندہ کا مقصود تبرع (احسان) کی تکمیل ہے ۔ اور یہ قبضے سے حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ قبضہ ہبہ کے مقصود کی تحصیل ہے ۔

اگر شئے موہوبہ مجلس ہبہ میں موجود نہ ہو اور موہوب لہ نے اس کا قبضہ لے لیا ہو جب کہ واہب اور موہوب لہ جدا ہو گئے ہوں تو بغیر واہب کی اجازت کے ایسا قبضہ موہوب لہ کو مالک نہیں بناتا ۔ اگر موہوب لہ نے واہب کی اجازت سے قبضہ کیا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں

---

(۱۱) المبسوط ' امام سرخسی ' مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ ' جلد ۱۲ ' صفحہ ۵۷
مجمع الانہر مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۵۴
ہدایہ' برہان الدین مرغینانی مطبوعہ قرآن محل کراچی ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۸۳

ہیں - قیاسی و استحسانی - قیاسی یہ کہ ایسا قبضہ موہوب لہ کو مالک نہیں بناتا کیونکہ یہ قبضہ بیع میں بہ منزلہ قبول کے ہے اور قبول افتراق کے بعد ملک کو ثابت نہیں کرتا خواہ وہ قبول ایجاب کنندہ کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر - یہی صورت ایسے ہبہ میں قبضے کی ہے -

دوسری صورت یہ کہ استحسان کی بنیاد پر ایسا قبضہ موہوب لہ کو شئے موہوبہ کا مالک بنا دیتا ہے کیوں کہ عقد ایجاب و قبول کے پائے جانے سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ کی احتیاج اس لیے ہے ، تا کہ اس کے ذریعہ سبب کو قوی بنایا جائے - چنانچہ یہ تقویت ملکیت افتراق کے بعد بھی حاصل ہو سکتی ہے - قبضہ مالک کی صریح یا معنوی اجازت کا محتاج ہوتا ہے - پس جب شئے موہوبہ موجود نہ ہو تو معنوی طور پر اس کا قبضہ اجازت کو ثابت نہیں کرتا الا یہ کہ واہب کی سلک کا قبضہ اس کی اجازت سے صراحتاً لیا گیا ہو -[12]

شیعی نقطۂ نظر :

علامہ نجم الدین ابی جعفر الحلّی نے شیعی فقہہ پر اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ عقد ہبہ ایجاب و قبول اور قبضے کا محتاج ہے- ایجاب سے ہر وہ لفظ مراد ہے جس سے تملیک (مالک) کرنا شئے مذکور کا قصد کیا جائے جیسے ''وھبتک،، (میں نے تجھ کو ہبہ کیا) ''ملکتک ھذا،، (میں نے تجھ کو فلاں شے کا مالک کیا) وغیرہ -[13]

علامہ نجم الدین ابی جعفر الحلّی نے آگے لکھا ہے کہ عقد ہبہ کی صحت میں واہب (ہبہ کرنے والا) کا بالغ اور کامل العقل اور جائز التصرف ہونا شرط ہے اور اس مال کو ہبہ کرے جو کسی کے ذمے ہو پس اگر اس شخص کے لیے ہبہ کیا ہے جس پر واہب کا حق نہیں ہے تو علی الاشبہ

---

(۱۲) المبسوط ' امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ' جلد ۱۲ ' صفحہ ۵۷

(۱۳) شرائع الاسلام ، نجم الدین ابی جعفر الحلی ' القسم الرابع ' صفحہ ۲۵۳

صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کی صحت کے لیے حصول قبضہ شرط ہے جو محل قرض میں ممتنع ہے اور اگر اس شخص کے لیے ہبہ کیا جس پر واہب کا حق ہے تو صحیح ہوگا اور یہ ہبہ ابراء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور صحت ابراء الراس (مال کا ساقط کرنا جو کسی کے ذمہ ہو) میں علی الاصح تحقق قبول شرط نہیں ہے ۔[۱۴]

شیعی فقہاء کے نزدیک جب تک کہ مال موہوب (جو ہبہ کیا گیا ہے) پر قبضہ متحقق نہ ہوگا اس وقت تک ہبہ کے لیے کوئی حکم نہ ہوگا ۔ اگر کوئی شخص کسی مال کے ہبہ کرنے پر اس پر قبضہ دینے کا اقرار کرے تو موافق اس اقرار کے حکم کیا جائے گا اگرچہ مال موہوب (جو ہبہ کیا گیا ہے) واہب کے پاس ہو اور اگر اس کے بعد اپنے اقرار سے انکار کرے گا تو قبول نہ ہوگا ۔[۱۵]

قبضہ موہوب لہ میں بعد عقد جب کہ تاخیر ہو (یعنی عقد ہبہ کے بعد مال موہوب پر فوراً قبضہ نہ ہو) پھر واہب اس کو مال موہوب پر قبضہ دے تو انتقال ملک کا وقت قبضہ سے لیا جائے گا نہ کہ وقت عقد سے بخلاف وصیت کے کہ وہاں پر انتقال وصیت کا موت موصی کے وقت سے حکم کیا جائے گا جب کہ وصی نے وصیت کو قبول کر لیا ہو، اگرچہ تحقیق قبضہ میں موت موصی اور قبول وصی سے تاخیر واقع ہو ۔[۱۶]

اگر باپ یا دادا کوئی مال نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو یہ ہبہ نفس عقد سے لازم ہو جائے گا اس لیے کہ قبضہ ولی کی طرف سے ہے اور اگر نابالغ بچے کو باپ، دادا کے علاوہ کوئی اور شخص ہبہ کرے خواہ واہب کو طفل مذکور پر ولایت حاصل ہو (جیسے وصی) یا حاصل نہ ہو تو طفل کی جانب

---

(۱۴) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۳
(۱۵) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۳
(۱۶) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۴

سے قبضہ کا محقق ہونا ضروری ہوگا ۔ لہذا اگر شخص واہب غیر ولی ہوگا تو طفل کی جانب سے قبضہ کا متولی طفل کا ولی ہوگا یا حاکم شرع ، اور اگر شخص واہب طفل کا ولی ہوگا (جیسے وصی) تو طفل کی جانب سے قبضہ کی ولایت اس ولی یا حاکم شرع کو حاصل ہوگی ۔[١٧]

شیعی فقہ کی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں لکھا ھے کہ قبضہ کی صحت میں اجازت واہب شرط ھے پس اگر مال موہوب پر اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص قبضہ کرلے تو موہوب لہ (جس شخص کے لیے ہبہ کیا گیا ہو) کی طرف منتقل نہ ہوگا اور اگر اس مال کو ہبہ کرے جس پر موہوب لہ قابض ہو تو صحیح ہوگا ۔ صحت قبضہ میں اجازت واہب یا اس قدر مدت کے گزر جانے کی ضرورت نہ ہوگی جس میں موہوب لہ کو قبضہ کرنا ممکن ہو ۔[١٨]

ظاہریہ فرقہ کا نقطۂ نظر :

ظاہریہ کے نزدیک ہبہ کے لفظ ہی سے ہبہ مکمل اور تام ہو جاتا ھے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی حکم ان کے نزدیک عطیے اور صدقے کا ھے ۔ ہبہ کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد واہب کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا اور اگر ہبہ کے بعد واہب مالکانہ تصرفات بھی شئے موہوبہ میں کر ڈالے گا تب بھی ہبہ باطل نہ ہوگا بلکہ مالک کے تصرفات باطل ہوں گے اور وہ ضامن ہوگا ۔[١٩]

بلا اجازت قبضہ کے بارے میں پاکستان سپریم کورٹ کا فیصلہ :

سپریم کورٹ پاکستان نے بمقدمہ شمشاد علی بنام سید حسن شاہ قرار دیا کہ شئے موہوبہ کے قبضے کی حوالگی موہوب لہ کے حق میں بذریعہ

---

(١٧) شرائع الاسلام،نجم الدین ابی جعفر الحلی،مطبوعہ بیروت القسم الرابع،صفحہ٢٥٣
(١٨) شرائع الاسلام،نجم الدین ابی جعفر الحلی،مطبوعہ بیروت القسم الرابع،صفحہ٢٥٣
(١٩) المحلیٰ ، ابن حزم ، مطبوعہ مصر ، جلد ٦ ص ١٣٧

واھب ھونا ضروری ھے چنانچہ موھوب لہ کا واھب کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لینا بے اثر ھوگا ۔[۲۰]

امانت کی صورت میں جدید قبضے کی ضرورت نہیں :

"جب کوئی شخص دوسرے شخص کے پاس کوئی شے بطور امانت رکھے اور پھر وہ اس سے ملاقات کرے اور وہ شے اس کو ھبہ کر دے درآن حالے کہ شئے موھوبہ ان دونوں کے سامنے موجود نہ ھو تو ایسا ھبہ جائز ھوگا جب کہ موھوب لہ کہے کہ میں نے اس شے کو قبول کیا ۔ ایسی صورت میں جدید قبضے کی ضرورت نہیں ۔"[۲۱]

شیعی نقطۂ نظر :

شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ھے ۔

قبضہ لازمی ھے — پاکستانی عدالتوں کے فیصلے :

جسٹس کیانی و حبیب اللہ خان نے بمقدمہ اورنگ زیب بنام داؤد خان مندرجہ پی ایل ڈی ، ۱۹۵۷ع پشاور صفحہ ۳۸۵ قرار دیا کہ قبضے کی حوالگی کسی جائز ھبہ کی تین شرطوں میں سے ایک ھے ۔ لیکن اگر ھبہ باپ کی جانب سے اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں یا ایک سرپرست کی جانب سے وارڈ (زیر ولادت بچہ) کے حق میں ھو تو قبضے کے منتقل کرنے کی ضرورت نہیں ھے ۔ وہ سب کچھ جس کی ضرورت ھے نیک نیتی کے ساتھ دینا ثابت کرتا ھے ۔ چنانچہ ایسی صورت میں جبکہ دادا اپنے نابالغ پوتے کے حق میں ھبہ کرے جب کہ اس کا باپ مر چکا ھو تو دادا خود ھی قابض ھوگا اس کو قبضہ دینے کی ضرورت نہیں اور یہ تصور کر لیا جائے گا کہ

(۲۰) پی ، ایل ، ڈی ، ۱۹۶۳ع ، سپریم کورٹ ، صفحہ ۱۴۳

(۲۱) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۸
فتح القدیر ابن ہمام ، مطبوعہ مصر جلد ۷ ، صفحہ ۱۲۵
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، جلد ۷ صفحہ ۲۸۷
شرائع الاسلام،علامہ حلی،مطبوعہ بیروت ، جلد اول ، القسم‌الرابع صفحہ۲۵۳

نابالغ پوتہ اپنے دادا کی زیر ولایت ہے ، جب کہ اس کا باپ مر چکا ہو ۔

جسٹس محمد یعقوب علی خان اور جسٹس چنگیز نے بہ اجلاس متفقہ بمقدمہ شمشاد علی بنام حسن شاہ مندرجہ پی ایل ڈی ، ۱۹۶۰ع ، لاہور صفحہ ۳۰۰ قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت ہبہ کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ :

(۱) واہب کی جانب سے ہبہ کا اظہار ہو ،

(۲) موہوب لہ کی جانب سے اس ہبہ کا صریحی یا معنوی طور پر قبول ہو ، اور

(۳) یہ کہ شئے موہوبہ کا جس طرح قبضہ دیا جانا ممکن ہو اس کا قبضہ موہوب لہ کے حوالے کیا گیا ہو ۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ جب ہبہ کی جانے والی شے حقیقی قبضہ دینے کے قابل نہ ہو تو ہبہ کرنے والے کے ایسے مناسب افعال سے ، جن کا منشاء اس شخص کی طرف جس کے نام ہبہ کیا گیا ہے ، جائداد منتقل کرنے کا ہو تو ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے ۔ مثال کے طور پر جائداد مرھونہ (mortgaged property) کا حق انفکاک (right of redemption) ہبہ کرنا جب کہ وہ جائداد مرتہن (mortgagee) کے قبضے میں ہو ۔

مغربی پاکستان ہائی کورٹ ، لاہور نے بمقدمہ منصور بنام ثریا بیگم قرار دیا کہ ماں محض نابالغ بچوں کی ایک معینہ عمر تک حضانت کا حق رکھتی ہے ، وہ باپ کی زندگی میں نابالغ کی ذات کی سرپرست نہیں ہو سکتی باپ اس حقیقت کے باوجود کہ حضانت ماں کے حق میں ہو ، اپنے بچوں کا تمام اوقات میں سرپرست رہتا ہے ۔ ایک باپ یا سرپرست چونکہ نابالغ کی جائداد کا سرپرست ہوتا ہے اس لیے باپ یا سرپرست کے اپنے نابالغ بچے کے

نام جائداد ہبہ کرنے کی صورت میں قبضہ کی حوالگی کی لزومیت کی پابندی سے بری کر دیا جاتا ہے ۔ ماں نابالغ بچوں کی ذات یا جائداد کی سرپرست نہیں ہے (اس لیے ماں کے اپنے نابالغ بچوں کے نام جائداد ہبہ کرنے کی صورت میں قبضہ کی حوالگی کے اصول کی پابندی لازمی ہوگی) ۲۲۔

سپریم کورٹ پاکستان نے بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام حسن شاہ قرار دیا کہ جائداد موہوبہ کے قبضے کے متعلق شرع اسلام کا قاعدہ بالکل واضح ہے ۔ شرع اسلام میں شئے موہوبہ کے قبضے کی حوالگی موہوب لہ کے حق میں ہبہ کے جواز کے لیے شرط ماقبل کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ہبہ کی دستاویز میں حوالگی قبضہ کا محض ذکر کافی نہیں الاّ یہ کہ واہب موہوب کا باپ اور سرپرست ہو (چنانچہ ہبہ بلا قبضہ من ابتداء باطل (void ab initio) ہے) ۲۳۔

بمقدمہ رابعہ خاتون بنام عزیز الدین بسواس سپریم کورٹ ، پاکستان نے قرار دیا کہ قانون اسلام میں ہبہ کی تکمیل کے لیے لازم ہے کہ شئے موہوبہ کا قبضہ موہوب لہ کو دیا جائے جو واہب کی کلیتاً دست برداری کی شہادت ہوگا ۔ اگر نابالغ کا حقیقی باپ زندہ ہے تو قبضہ اس حقیقی باپ کو دیا جانا چاہئے ۔ ایسی صورت میں جب کہ ایک باپ اپنے نابالغ بچے

---

(۲۲) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۶ع ، لاہور صفحہ

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ماں کے سوا بچہ کا کوئی ولی یا وصی موجود ہو ۔ لیکن اگر موجود نہ ہو اور صرف ماں ہی بچے کی نگران اور محافظہ ہے تو اس کو قبضہ کا حق حاصل ہوگا ۔ اس کا قبضہ بچے کا قبضہ متصور ہوگا (البحرالرائق ابن نجیم ، مطبوعہ مصر جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۸)

امام سرخسی کے نزدیک ماں کا قبضہ باپ کے درجہ میں ہوگا جبکہ وہ نابالغ ماں کی زیر پرورش ہو ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المبسوط مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، کتاب الہبۃ ۔

(۲۳) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۳ع سپریم کورٹ ، صفحہ ۱۴۳

کے حق میں ہبہ کرتا ہے تو وہ (نابالغ بچہ) اس شئے موہوبہ کا مالک ہو جاتا ہے اور یہی قاعدہ اپنی جگہ درست ہے ۔ جب کہ اس نے پرورش کی اور جس کا باپ مر چکا تھا اور جس کا کوئی سرپرست مقرر نہیں اور یہی صورت اس ہبہ کے معاملے میں ہوگی جو کوئی دوسرا شخص جو اس بچے کو ان حالات میں پرورش کر رہا ہے اس بچے کے نام ہبہ کرے ۔ اگر ایک نابالغ موہوب لہ کا باپ زندہ ہے تو حقیقی سرپرست کی حیثیت سے اپنے نابالغ لڑکے کی جائداد کی نگرانی اور انتظام کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور قبضہ اس کو دیا جانا چاہئے تاکہ ہبہ مکمل ہو سکے ۔ لیکن اگر نابالغ کو واہب نے اپنا متبنی بنا لیا اور وہی اس کی ذات اور جائداد کی تمام تر نگرانی کرتا ہے تب اصول کا اطلاق اس طرح کیا جائے گا کہ تبنیت میں لینے والا باپ واقعی سرپرست کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جو بچے کی دیکھ بھال کرتا ہے جیسا کہ ایک باپ کے اپنے نابالغ بچے کے حق میں ہبہ میں صورت ہوتی ۔[۲۳]

زیر پرورش موہوب لہ کو قبضہ دہی کی لزومیت :

ایک شوہر اپنی بیوی کے حق میں ہبہ کرتا ہے یا اپنے کسی بیٹے کے حق میں ہبہ کرتا ہے جو ابھی بالغ ہوا ہے اور وہ اس کی زیر پرورش ہے تو اس کا ہبہ کرنا جائز ہوگا ، جب کہ اس کا اعلان کر دیا گیا ہو اور خواہ موہوب لہ نے شئے موہوبہ کا قبضہ نہ لیا ہو ۔ اس قول سے ابن ابی لیلی یہ اخذ کرتے ہیں کہ جب موہوب لہ واہب کی زیر پرورش ہو تو واہب کا شئے موہوبہ کا قبضہ کرنے میں اختیار اس اختیار کے مانند ہے جو نابالغوں کے ہبہ میں ہوتا ہے لیکن احناف کے نزدیک ایسا نہیں ہے ۔ احناف اس قول سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ اس مرد کے لیے ایک قسم کی ولایت ضروری ہے تاکہ وہ اس ولایت کے سبب شئے موہوبہ کا

---

(۲۳) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۵ء سپریم کورٹ ، صفحہ ۲۶۵

قبضہ موہوب لہ کے قبضے کے مانند کر سکے ۔ اور (صورت یہ ہے کہ) بالغ ہو جانے کے بعد اس لڑکے پر اس مرد کی ولایت نہیں ہے اگرچہ وہ اس مرد کے زیر پرورش ہو ۔ ظاہر ہے کہ غنی لوگ بعض مساکین کی پرورش کرتے ہیں اور ان پر خرچ کرتے ہیں پس اگر کوئی غنی ان پر صدقہ کرے تو وہ صدقہ محض اعلان سے مکمل نہیں ہوتا ، تاآن کہ وہ غنی شئے موہوبہ کو اس کے قبضے میں نہ دے دے ۔[۲۵]

باپ کا بالغ زیر پرورش بیٹے کے حق میں ہبہ :

ایک شخص نے اپنے بالغ بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا اور وہ بالغ بیٹا اس مرد کی زیر پرورش ہے اور اس مرد نے اس غلام کو اپنے لڑکے کے حوالے نہیں کیا یا یہ کہ اس شخص نے اپنی زوجہ کے حق میں ہبہ کیا (جب کہ شئے موہوبہ اپنی زوجہ کے حوالے نہ کی) تو ایسا ہبہ جائز نہ ہوگا مگر قاضی ابن ابی لیلی کے قول کے مطابق ایسا ہبہ جائز ہوگا ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ بالغ لڑکا اس کے زیر پرورش ہونے کے سبب اس کے زیر اختیار ہے اس لیے اس شخص کا قبضہ اپنے اس بیٹے کے قائم مقام کی حیثیت سے ہوگا جیسے کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں ہبہ کرتا ۔ اس بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ نابالغ جب کسی اجنبی کی زیر پرورش ہو اور وہ اجنبی اس نابالغ کے حق میں ہبہ کرے یا کوئی دوسرا شخص ہبہ کرے اور شئے موہوبہ کا قبضہ وہ شخص لے لے جو نابالغ کی پرورش کرتا ہے تو ہبہ کی تکمیل ہو جائے گی ۔ ان دونوں کے درمیان ماسوائے اس کے کہ وہ اجنبی اس نابالغ کی پرورش کرتا ہے کوئی اور حیثیت موجود نہیں ہے ۔ لیکن احناف کہتے ہیں کہ باپ کو اپنے بالغ بیٹے پر حق ولایت حاصل نہیں اور اسی طرح اس کو ماسوائے حقوق نکاح کے اپنی زوجہ پر حق ولایت حاصل نہیں ۔ ہبہ کا قبضہ حقوق نکاح میں نہیں ہے ۔ اس لیے

(۲۵) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۱

وہ (شوہر) اور اجنبی اس معاملے میں برابر ہیں ۔ نیز یہ کہ وہ شخص (باپ) اپنے بالغ بیٹے کے ساتھ بالاتفاق احسان کرنے والا ہے اور اس کی حیثیت ایک غنی کی ہے چنانچہ جب وہ (باپ بحیثیت غنی) بعض مسکینوں کے ساتھ احسان کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے (اس پرورش کرنے کے سبب) صدقے اور ھبہ کی تکمیل کے لیے خود اس کا قبضہ ان مساکین کے قبضے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور اس کا قبضہ جائز نہیں ، بخلاف باپ کے جو اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں اس کا ولی ہوتا ہے اور اسی طرح احنف کہتے ہیں کہ وہ شخص جو کسی یتیم کی پرورش کرتا ہے تو اس کا قبضہ بجائے یتیم کے قابل اعتبار ہوگا ، جب کہ یتیم کا کوئی ولی نہ ہو جو اس کی طرف سے قبضہ لینے کا مستحق ہو ۔ موہوب لہ (جو بالغ ہو)اپنے نفس کا خود ولی ہوتا ہے اس کو اس امر کی حاجت نہیں کہ جو شخص اس کی پرورش کرتا ہے وہ اس کی جانب سے (شئے موہوبہ کا) قبضہ لے ، جیسا کہ نابالغ کی صورت میں ہے جب کہ وہ ایک اجنبی شخص کی زیر پرورش ہو اور اس کا باپ یا دادا موجود ہو ۔ پس ایسی صورت میں تکمیل ھبہ کے لیے ایسے شخص کا قبضہ جو اس نابالغ کی پرورش کرتا ہے جائز نہ ہوگا[۲٦]

نابالغ کے ماں کے زیر پرورش ہونے کی صورت میں ماں کے قبضے کی نوعیت :

ایک باپ نے کل اشیاء اپنے نابالغ بیٹے کی حق میں ھبہ کیں اور اس ھبہ پر شہادت بھی قائم کی اور وہ اشیا معلوم (متعین) ہیں تو ایسا ھبہ جائز ہوگا ۔ باپ نے (اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں) شئے موہوبہ پر اعلان ھبہ کے ساتھ قبضہ کر لیا اور اس پر شہادت قائم کی تو اس کے واسطے شہادت شرط ھبہ نہیں ہے بلکہ ھبہ اعلان کے ساتھ (باپ کی جانب سے ہونے کے سبب سے)مکمل ہو جاتا ہے ۔ شہادت کا ذکر بطور احتیاط کیا تا کہ اس کی موت کے بعد دوسرے ورثاء کے انکار سے محفوظ رہا جا سکے

---

(۲٦) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ٦۱

یا لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد خود اس باپ کے انکار سے تحفظ ممکن ہو جب
کہ دوسرے ورثا اس پر متفق ہوں ، کیوں کہ ہبہ بغیر شہادت کے مکمل
ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب کہ یہ لڑکا اپنی ماں کے زیر پرورش ہو تو
اس کی ماں کو اس لڑکے پر ایک قسم کی ولایت حاصل ہوتی ہے ۔ ظاہر
ہے کہ وہ ماں اپنے نابالغ لڑکے کی ذات کا اور مال کا تحفظ کرتی ہے اور یہ
امر ولایت میں سے ہبہ کا قبضہ لینے کے واسطے کافی ہوتا ہے ۔

اگر ایک یتیم اپنی ماں کے زیر پرورش ہو اور اس کی ماں اس کے
لیے ایک غلام ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور اس کا باپ مر
چکا ہو اور باپ کا کوئی وصی بھی نابالغ لڑکے کے واسطے نہ ہو تو اس
ماں کا ہبہ جائز ہوگا اور ماں کا قبضہ باپ کے درجے کا ہوگا اگر وہ زندہ
ہوتا ۔ کیونکہ قبضے کا مطلب احراز ہے ، جو محافظت کے مانند ہے اور ماں
کے واسطے یتیم کے مال کی حفاظت کی ولایت ہے پس وہ ماں شئے موہوبہ
کے قبضے کے معاملے میں باپ کی طرح ہو گئی ۔[۲۷]

یتیم لڑکے کے چچا کی زیر پرورش ہونے کی صورت میں ہبہ کی تکمیل :

اسی طرح ایک یتیم لڑکا جو اپنے چچا کی زیر پرورش ہو اور چچا اس
کے بجائے شئے موہوبہ کا قبضہ لے لے دراں حالے کہ اس یتیم کا بھائی یا
ماں بھی ہو تو چچا کا اس کے بجائے قبضہ لینا اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا ،
کیوں کہ چچا اس یتیم کے حفظ مال کی ولایت کے حکم میں بھائی کے مساوی
ہے اور یہ قبضہ (یتیم) کے واسطے محض منفعت ہوگا ، چونکہ چچا کی یہ
قرابت قریبہ بھائی کی قرابت قریبہ کی مانند ہے ۔ پھر چچا کی قربت کی تائید
اس بات سے بھی ہوگئی کہ یتیم اس کی زیر پرورش ہے اس لیے چچا کے

---

(۲۷) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۱
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۸

قبضے سے اس کی زیر پرورش ہبہ کی تکمیل ہو گئی۔[۲۸]

ایک اجنبی شخص ایک یتیم کو لے کر پرورش کرتا ہے اور وہ اس یتیم کا وصی نہیں ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ داری بھی نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا اس یتیم کا اس کے سوائے وصی ہے تو یتیم کے ہبہ کا قبضہ اس اجنبی کے لئے لینا بربنائے استحسان جائز ہو گا۔[۲۹]

جب کہ باپ زندہ اور موجود ہو تو نابالغ کی جانب سے اس کے بھائی یا دادا کا شئے موہوبہ کا قبضہ لینا جائز نہ ہو گا۔[۳۰]

ظاہریہ کے نزدیک چونکہ قبضہ شرط نہیں ہے اس لیے مذکورہ حالات میں ہبہ صحیح ہوگا خواہ لڑکا بالغ ہو یا نابالغ ہو یا اجنبی ہو۔[۳۱]

اہلیت ہبہ

۱٦۷- ہر عاقل و بالغ شخص بمتابعت احکام دفعہ ۱۷۲ مجموعہ ہذا اپنی جالداد منقولہ و غیرمنقولہ کسی دوسرے شخص کو بذریعہ ہبہ منتقل کرنے کا مجاز ہے:

مگر لازم ہوگا کہ وہ شخص جس کے حق میں ہبہ کیا جائے وجود میں آ چکا ہو:

مزید لازم ہوگا کہ ہبہ بحالت مرض الموت یا دائنان کے حق کو متاثر کرنے یا فریب دہی کی نیت سے نہ ہو۔

تشریح

ہبہ کرنے کی اہلیت عقل اور بلوغ سے ثابت ہوتی ہے یعنی واہب (donor) کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، جب کہ موہوب لہ (donee)

(۲۸) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ٦۱
البحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۸۸
(۲۹) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ٦۲
البحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۸۸
(۳۰) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ٦۳
(۳۱) المحلی، ابن حزم، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ٦، صفحہ ۱۴۷

کا عاقل یا بالغ ہونا ضروری نہیں ۔ چنانچہ اگر موہوب لہ نابالغ (یا پاگل) ہو تو اس کے ولی کو قبضہ دینے سے ہبہ کی تکمیل ہو جائے گی ۔[۳۲] اگر نابالغ نے خود قبضہ کر لیا ہو تب بھی ہبہ جائز ہے بشرطیکہ عاقل ہو۔[۳۳] اگر باپ نے اپنے نابالغ بچے کے نام ہبہ کیا تو محض ہبہ سے ملکیت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ باپ اپنے نابالغ بچے کی طرف سے قابض ہے ۔[۳۴]

یہ امر لازمی ہے کہ موہوب لہ (donee) زندہ ہو۔ چنانچہ ایسے بچے کے نام ہبہ جو ابھی شکم مادر میں ہو ناجائز ہوگا۔ اسی طرح مرض الموت کی حالت میں یا قرض خواہوں کے حقوق کو متاثر کرنے کی غرض سے یا دوسروں کو فریب دینے کی غرض سے ہبہ کرنا اہلیت ہبہ رکھنے کے باوجود ناجائز ہوگا ۔ البتہ مرض الموت کی حالت میں ہبہ کی صورت میں بعض صورتوں میں ہبہ بالوصیت کے احکام متعلق ہو سکتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں دفعات متعلق بہ ہبہ مرض الموت و ہبہ بالوصیت)

ہبہ بغرض دھوکہ دہی :

واہب کا محض قرض دار ہونا اس امر کے ثبوت کے لئے کافی نہیں کہ اس نے ہبہ قرض خواہوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے کیا ہے۔ اس شخص کو جو ایک ہبہ نامے کو اس بناء پر چیلنج کرتا ہے کہ وہ ہبہ قرض خواہان کو دھوکہ دینے کی غرض سے کیا گیا ہے واہب کی بدنیتی ثابت کرنے کے لیے اس امر واقعہ کے علاوہ کہ واہب بوقت ہبہ مقروض تھا مزید حقائق ثابت کرنا ہوں گے ۔[۳۵]

---

(۳۲) المختصر القدوری ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی ، صفحہ ۱۲۹
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۸
کنز الدقائق ، مطبوعہ مجتبائی ، صفحہ ۲۵۳

(۳۳) ہدایہ، برہان الدین مرغینانی، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، جلد ۳، صفحہ ۲۸۷
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۸

(۳۴) ہدایہ ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۷
المختصر القدوری ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی ، صفحہ ۱۲۹

(۳۵) پی ایل ڈی ، ۱۹۵۰ ع ، پشاور ، صفحہ ۴۵

کن اشیاء کا هبہ جائز ہے

١٦٨ - هر ایسی شے کا هبہ جائز هوگا جس پر لفظ مال یا قیمتی جائداد کا اطلاق هو سکتا ہے -

تشریح

هر ایسی شے جس پر مال متقوم (valuable property) اطلاق هو سکتا هو هبہ کی جا سکتی ہے۔ ان اشیاء میں مادی اور غیر مادی دونوں اشیاء شامل هیں ۔ چنانچہ قابل نالش دعوئ (choses in action) دستاویزات قابل بیع و شرئ (negotiable instruments)، حق مالکانہ ، حق زمینداری ، جائداد زیر قرق ، انفکاک (right of redemption) کا هبہ جائز ہے ۔ اسی طرح ایسی جائداد کا هبہ بھی جائز ہے جس پر هبہ کرنے والے کے مقابلے میں دوسرا شخص قبضۂ مخالفانہ (adverse possession) رکھتا هو۔ کسی ایسی جائداد غیر منقولہ کا هبہ جو خریدار نیلام بہ تعمیل ڈگری (auction-purchaser in execution of decree)، نیلام کے وقت کرے جائز ہے ، گو اس وقت تک اس جائداد کی خریداری منظور نہ هوئی هو اور نہ هبہ کرنے والے کو اس کا قبضہ ملا هو ، بشرطیکہ جس کے نام هبہ کیا گیا ہے اسے هبہ کرنے والے نے قبضہ کرنے کی اجازت دے دی هو ۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ خود هبہ نامے میں موهوب لہ کو قبضہ کر لینے کا اختیار دیا گیا هو ۔

ایسی شے کا هبہ جو فی الحال معدوم هو ناجائز ہے ۔[٣٦] چنانچہ واهب کا یہ کہنا "کہ اس کے پیڑ جو پھل دیں، ان کا هبہ" هبہ کے وقت موجود نہ هونے کے سبب جائز نہ هو گا ۔ اسی طرح واهب کا یہ کہنا "کہ جو کچھ اس کی حاملہ کنیز کے بطن میں ہے یا جو اس کی بھیڑ کے بطن میں ہے

(٣٦) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ١٣٢٣ھ ، جلد ١٢ ، صفحہ ٧١
بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، مطبوعہ مصر ١٣٢٨ھ ، جلد ٦ ، صفحہ ١١٩
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ١٣١١ھ ، جلد ٧ ، صفحہ ٢٨٧

اس کا ہبہ" ایسا ہبہ بھی باطل ہوگا۔[۳۷] یہی مسلک امام ابن حزم کا ہے۔[۳۸]

ہبہ کا تحریری ہونا ضروری نہیں

۱۶۹- جو ہبہ حسب شریعت اسلام کیا جائے اس کا تحریری ہونا لازمی نہیں ہے۔

تشریح

ہبہ زبانی اور تحریری دونوں طرح جائز ہے۔ اگر ایجاب و قبول اور قبضہ پایا جائے تو شرعاً ہبہ مکمل متصور ہو گا۔

زبانی ہبہ :

جسٹس وحیدالدین اور جسٹس اے۔ آر خان نے بہ اجلاس متفقہ بمقدمہ وزیر بیگم بنام نورجہاں (پی ایل ڈی ، ۱۹۶۱ع ، کراچی صفحہ ۱۶۵) قرار دیا کہ جائداد غیر منقولہ کا زبانی ہبہ جائز ہے بشرطیکہ اس کا قبضہ بھی موہوب لہ کو دے دیا گیا ہو۔

مشاع کا ہبہ

۱۷۰ - (۱) ایسی جائداد مشاع کا ہبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ہو لیکن اگر مشاع قابل تقسیم ہو تو ہبہ فاسد ہوگا۔

(۲) جائداد مشاع کا ہبہ ، اگرچہ وہ قابل تقسیم ہو ، بلا تقسیم ہبہ سے مفصلۂ ذیل صورتوں میں جائز متصور ہوگا :

(الف) جب کہ ہبہ ایک وارث دوسرے وارث کے حق میں کرے۔

(ب) جب کہ ہبہ زمینداری یا تعلقداری کے ایک حصے کا ہو۔

(ج) جب کہ ہبہ ایسی جائداد قابل وراثت کا ہو جو کسی بڑے تجارتی شہر میں واقع ہو۔

تشریح

مشاع کے لفظی معنی (غیر منقسمہ) کے ہیں۔ منقسم حصہ "مشاع"

---

(۳۷) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۷۲
بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، مطبوعہ ۱۳۲۸ھ ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۱۹

(۳۸) المحلی ، ابن حزم ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۳۲
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ۱۲۱۱ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۶

کہلاتا ہے ۔ فقہی اصطلاح میں مشاع اس حصۂ مشترک کو کہتے ہیں جو کسی شے میں ہو ۔

مشاع کا اصول صرف ھبہ سے متعلق ہے۔ اس کا تعلق ان انتقالات سے نہیں ہے جو بدل کے ساتھ کئے جاتے ھیں ۔ ان انتقالات میں ھبہ بالعوض کی صورت بھی شامل ہے ۔

مشترک شے اگر قابل تقسیم ہے تو اس کا ھبہ جائز نہیں لیکن اگر قابل تقسیم نہیں ہے تو جائز ہے ۔[۳۹] لیکن صحیح یہ ہے کہ مشاع قابل تقسیم کا ھبہ فاسد ھوگا اصلاً ناجائز یا باطل نہیں ہے ۔ ”جو شے قابل تقسیم ھو اس کا ھبہ فاسد ھو گا“ کے معنی یہ ھیں کہ اگرچہ ھبہ جائز ھوگا مگر اس شے میں موھوبٌ لہ کی ملکیت ثابت نہیں ھو گی ۔ چنانچہ مشاع کے ھبہ کرنے کی صورت میں ملکیت جب ھی ثابت ھو گی جب کہ تقسیم سے وہ حصہ جس کا ھبہ کیا گیا ھو علیحدہ کر دیا جائے ۔ مثال کے طور پر ایک مکان الف و ب کی مشترک ملکیت ہے جو قابل تقسیم ہے الف نے ج کے حق میں اس مکان کا اپنا نصف حصہ ھبہ کر دیا اگرچہ ھبہ منعقد ھو جائے گا لیکن ج کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہ ھوگی تاوقتیکہ الف اپنا حصہ علیحدہ کرکے ج کے قبضے مین نہ دے دے ۔

لیکن اگر وہ شے قابل تقسیم نہ ھو مثلاً گھوڑا تو اس کا نصف ھبہ کرنا جائز ھوگا ، کیونکہ اس کی تقسیم نہیں ھو سکتی ۔ قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ تقسیم کے بعد موھوب لہ اس حصے سے اسی طرح فائدہ اٹھا سکے جس طرح کہ تقسیم سے پہلے ممکن تھا۔ چنانچہ اگر فائدہ آٹھانا ممکن نہ ھو تو

(۳۹) قدوری، مطبوعہ قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۲۹
فتح القدیر مع الھدایہ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ع جلد ۷ ، صفحہ ۱۲۱
کنزالدقائق ، نسفی مطبوعہ مجتبائی دھلی ، ۱۳۳۸ھ ، صفحہ ۲۵۳
فتح القدیر مع الھدایہ ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۲۳
ھدایہ ، برھان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل کراچی ، جلد ۳ صفحہ ۲۸۵

وہ شے ناقابل تقسیم قرار پائے گی مثلاً گھوڑا ، زینہ ، چکی وغیرہ ۔

لہٰذا اگر مشاع قابل تقسیم ہے تو ہبہ فی نفسہ ناجائز نہ ہوگا بلکہ فاسد کہلائے گا جو شئے موہوبہ کی تقسیم کے بعد صحیح ہو جائے گا ۔[۳۰] شیعی فقہ کی رو سے ایسی مشاع جائداد کا ہبہ جائز ہے جو قابل تقسیم ہو ۔[۳۱] لیکن شرائع الاسلام میں مطلقاً مشاع کا ہبہ جائز لکھا ہے ۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی بھیڑ (غنم) پر جو اون ہو ہبہ کرے تو ایسا ہبہ جائز نہ ہو گا یا اس کے تھنوں (ضروع) میں جو دودھ ہو اس کو ہبہ کرے تو ایسا ہبہ جائز نہ ہو گا ، کیونکہ اون اور دودھ حیوان کے ساتھ ہمیشہ متصل ہیں اور ان کی نوعیت مقصود بالذات نہیں ہے ۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اون اور دودھ ایک حصۂ شائع ہے جو علیحدہ کر کے ہبہ کیا جا سکتا ہے ۔[۳۲]

وارث کے حق میں مشاع کا ہبہ :

"مشاع" کی اصطلاح لفظ "شیوع" سے نکلی ہے جس کے معنی پراگندگی کے ہیں ۔ اگر جائداد کا غیر منقسمہ حصہ کوئی شریک جائداد کسی اجنبی کے حق میں ہبہ کر دے تو جائداد کے استفادے میں پراگندگی اور پریشانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ، لیکن اگر ایک شریک جائداد دوسرے شریک جائداد کے نام ہبہ کردے تو ایسی کوئی پراگندگی یا پریشانی نہیں پیدا ہو سکتی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسی جائداد مشاع کے وارثوں میں سے جو قابل تقسیم ہو کسی ایک وارث کا اپنا حصہ کسی اجنبی کو ہبہ کر دینا ناجائز ہے

---

(۳۰) ہدایہ ' مطبوعہ قرآن محل' کراچی' صفحات ۸۹-۲۸۸۔
(۳۱) ڈائجسٹ آف محمڈن لاء ' بیلی ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۰۴
شرائع الاسلام' نجم الدین ابی جعفر الحلی' مطبوعہ بیروت' جلد اول' صفحہ ۲۵۳
(۳۲) المبسوط ' امام سرخسی ' مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ' جلد ۱۲ ' صفحہ ۷۱
ہدایہ ' برہان الدین مرغینانی' مطبوعہ قرآن محل کراچی' جلد ۳ ' صفحہ ۲۸۷
مجمع الانہر داماد' آفندی' مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ' جلد ۲ , صفحہ ۳۵۶

مگر جائداد کے شریک کو ھبہ کر دینا جائز ھے ۔

ایسی شے کے ایک جزو کا ھبہ جو قابل تقسیم ھو ناجائز ھے جب تک کہ وہ جزو واھب کی جائداد سے تقسیم ھو کر علیحدہ نہ کر لیا جائے، لیکن ایسی شے کے ایک جزو کا ھبہ جائز ھے جو ناقابل تقسیم ھو ۔ اس کا سبب یہ ھے کہ شے کے ناقابل تقسیم ھونے کی وجہ سے کامل قبضہ ناممکن ھے اور اس لئے غیر کامل قبضہ بھی کافی مان لیا جاتا ھے۔ ایسی شے کے متعلق یہی ھو سکتا ھے ۔[۴۳]

مال مشاع (وہ مال مشترک جس کے اجزا ممتاز نہ ھوں) کا ھبہ جائز ھے اور صورت ھبہ میں مال مشاع پر اسی طرح قبضہ متحقق ھو گا جس طرح کہ بیع میں متحقق ھوتا ھے ۔ اگر کوئی شخص کچھ مال دو شخصوں کو ھبہ کرے اور وہ دونوں قبول کرنے کے بعد مال موھوب پر قبضہ کر لیں تو ان دونوں میں سے ھر ایک شخص اسی قدر مال کا مالک ھوگا جس قدر کہ اس کو ھبہ کیا گیا ھے ۔ چنانچہ اگر ان دونوں میں سے ایک شخص قبول کرے اور قابض ھو جائے اور دوسرا انکار کرے تو فقط قابض کے لئے ھبہ صحیح ھو گا ۔[۴۴]

ظاھریہ فرقہ کا مسلک :

ظاھریہ فرقہ کے نزدیک مشاع کا ھبہ جائز و صحیح ھے خواہ شے قابل تقسیم ھو یا نہ ھو ، شریک کے لئے کیا گیا ھو یا غیر شریک کے لئے، غنی کے حق میں کیا گیا ھو یا فقیر کے ، عثمان البتی ، معمر ، مالک ، شافعی ، احمد ، اسحاق ، ابوثور اور ابوسلیمان تمام اسی کے قائل ھیں ۔ یہی

(۴۳) ھدایہ ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی ، جلد ۳ صفحہ ۲۸۷
شرح عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ صفحہ ۱۲۲
مجمع الانہر، داماد آفندی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۶

(۴۴) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلیؒ، مطبوعہ بیروت القسم الرابع، صفحہ ۲۵۳

قول ابراھیم نخعی کا ھے۔[۴۵]

عدالتی نقطۂ نظر :

مشاع کا اصول معاشرے کی ترقی یافتہ حالت کے لیے بالکل ناقابل عمل (ناقابل اختیار) ھے اور اس کا اطلاق انتہائی محدود صورت میں کیا جانا چاھئے ۔ مشاع کا قاعدہ ایک شخص کے انتقال جائداد کی آزادی کے حق پر رکاوٹ کی نوعیت رکھتا ھے اور اس کا اطلاق صرف ان جائدادوں تک محدود ھونا چاھئے جن کی نسبت ماضی میں اس اصول کا حقیقی معنی میں اطلاق ھوتا رھا ھے ۔ عدالتوں کو مشاع کے قاعدے کے اطلاق کے لیے ان جائدادوں کی نسبت جو تجارتی شہروں میں ھوں انکار کر دینا چاھئے۔[۴۶]

زمینداری کے غیر منقسمہ حصے کا ھبہ :

جسٹس وحیدالدین احمد نے بمقدمہ بہادر بنام جان محمد مندرجہ پی ایل ڈی، ۱۹۶۰ع کراچی ، صفحہ ۴۷۵ قرار دیا کہ مشاع کا قاعدہ اس صورت میں قابل اطلاق نہ ھو گا جب کہ زمینداری کے حصے کو ھبہ کیا گیا ھو۔

جسٹس چودھری نے بمقدمہ جبار پرمانک بنام نور جہاں بیوہ مندرجہ پی ایل ڈی ، ۱۹۶۰ع ڈھاکہ، صفحہ ۹۷۴ قرار دیا کہ اسلامی قانون میں غیر منقسمہ جائدادکا ھبہ ، جائز ھو یا ناجائز جب کہ ایسے ھبہ میں قبضہ حقیقت میں دیا اور لیا ھو ، جائداد کو موثر طور پر منتقل کر دیتا ھے ۔ دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے حق میں مشترک ھبہ جو غیر منقسمہ ، غیر منقولہ جائداد کے ایک حصے پر مشتمل ھو اور جو قابل تقسیم ھو بنفسہ باطل نہیں ھے اور موھوب لہ اشخاص کے مابعد تصفیہ کے تحت جائز کیا جا سکتا ھے ۔

---

(۴۵) المحلّی ابن حزم مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۸۲

(۴۶) جسٹس کانسٹن ٹائن اور ظہیرالحسنین لاری ، بمقدمہ بیگن بنام کاز بالو ، پی ایل ڈی ، ۱۹۵۷ع ، کراچی صفحہ ۸۸۴

عدالت عالیہ مغربی پاکستان نے بمقدمہ محمد ابراہیم بنام محمد شاہ میں قرار دیا کہ حصہ غیر منقسمہ کا ہبہ ایسی جائداد میں جو قابل تقسیم ہو محض فاسد ہے باطل نہیں ۔ اگرچہ مشاع کا ہبہ اپنے وجود میں ناجائز ہے لیکن قبضے کی حوالگی سے صحیح کیا جا سکتا ہے ۔[۴۷]

سپریم کورٹ پاکستان نے بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام سید حسن شاہ قرار دیا کہ مشاع کے ہبہ میں قبضہ دینا بیع کی طرح ضروری ہے ۔[۴۸]

جب کہ ایک شخص دوسرے شخص کے حق میں ایک غیر منقسم مکان میں سے ایک مقرر حصہ ہبہ کرے اور اس کو کل مکان کا قبضہ بطور مشاع کے دے دے تو ایسا ہبہ جائز نہ ہوگا یعنی موہوب لہ کے واسطے تقسیم سے پہلے قبضے کے ساتھ احناف کے نزدیک ملک ثابت نہ ہوگی البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ملک ثابت ہوگی اور ہبہ مکمل ہو جائے گا۔[۴۹]

اگر دو شریکوں میں سے ایک شریک نے اپنا غیر منقسمہ حصہ جو قابل تقسیم نہ ہو دوسرے شریک کے حق میں ہبہ کر دیا تو ایسا ہبہ جائز ہوگا ۔[۵۰]

اگر ایک شخص نے اپنا ایک مکان دو شخصوں کے حق میں ہبہ کیا اور ان کو (مشترک) قبضہ دے دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا ہبہ جائز نہ ہوگا مگر صاحبین کے نزدیک جائز ہوگا ۔[۵۱]

---

(۴۷) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۳ع بغداد الجدید ، صفحہ ۱
(۴۸) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۳ع سپریم کورٹ ، صفحہ ۱۳۳
(۴۹) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۴
مجمع الانہر ، داماد آفندی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۶
(۵۰) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۶
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۲
(۵۱) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۷
ہدایہ، برہان الدین مرغینانی ، قرآن محل کراچی ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۸
مجمع الانہر ، داماد آفندی' مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ، جلد ۲، صفحہ ۳۸۵
البحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۹۰

اگر ایک شخص ایک مکان کو دو آدمیوں کو اس طرح ھبہ کرے کہ ایک کو دو تہائی اور دوسرے کو ایک تہائی دے اور دونوں کو (مشترک) قبضہ دے دے تو ایسا ھبہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہ ھوگا ، لیکن امام محمد کے نزدیک ایسا ھبہ جائز ھے ۔[۵۲]

اگر ایک مکان میں دو شریک ھوں ایک شریک اپنا حصہ ایک اجنبی کو ھبہ کرے تو ایسا ھبہ جائز نہ ھوگا ۔[۵۳]

دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے نام ھبہ

۱۷۱ ۔ قابل تقسیم جائداد کا دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے نام بغیر تقسیم ھبہ سوائے ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعہ ۱۶۹ (۲) میں کیا گیا ھے فاسد ھوگا ۔ اگر ھر ایک موھوب لہ جائداد کے اس حصے پر جو اسے دیا گیا ھے قابض ھو جائے تو وہ ھبہ صحیح ھوگا ۔

تشریح

اس امر میں اختلاف پایا جاتا ھے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد کے نام جائداد قابل تقسیم کا ھبہ بغیر تقسیم کے جائز ھوگا یا ناجائز، متقدمین کے نقطۂ نظر کے مطابق ایسا ھبہ ناجائز ھے کیوں کہ بوقت ھبہ شئے موھوبہ قابل تقسیم ھونے کے باوجود تقسیم نہیں کی گئی اس لیے ھر ایک موھوب لہ کا حصہ متعین نہ کئے جانے کے سبب ھبہ ناجائز ھوگا ، کیوں کہ جائداد کی تقسیم ھبہ کے ساتھ ھی ھونی چاھئے ۔

متاخرین کے نقطۂ نظر کے مطابق ایسا ھبہ باطل نہ ھوگا بلکہ جن افراد کے نام ھبہ کیا گیا ھے ان میں آپس کی تقسیم کے بعد جائز ھو جائے گا ۔[۵۴] دوسرا نقطۂ نظر قرین صواب نظر آتا ھے ۔

(۵۲) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۸
ھدایہ ، برھان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل کراچی، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۸
(۵۳) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۹
الاختیار ، عبد اللہ بن محمود ، مطبوعہ مصر ، ۱۹۵۱ جلد ۳ ، صفحہ ۵
(۵۴) ھدایہ ، برھان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل کراچی، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۸

شیعہ فقہا کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے حق میں قابل تقسیم جائداد کا ہبہ سن ابتدا جائز ہے خواہ ہبہ کے بعد موہوب لہہ آپس میں اس کی تقسیم کریں یا نہ کریں ۔[55]

عدالتی فیصلے :

جسٹس کیانی اور جسٹس حبیب اللہ خان نے بمقدمہ اورنگ زیب بنام داؤد خان مندرجہ پی ایل ڈی ، ۱۹۵۷ پشاور ' صفحہ ۸۵ قرار دیا کہ مشترک ہبہ دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے حق میں جائز ہے ۔ انہوں نے لکھا"یہ وقت ہے کہ اس اصول پر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پردے اٹھا دیے جائیں جو اس معاملے میں ابو حنیفہ کی علمی لیاقت (اسکالرشپ) کو غیر ترقی یافتہ کہلانے کا باعث ہوا ہے۔اس اصول کا اطلاق خیراتی اور رفاهی انتقالات کے لیے ایک رکاوٹ کا باعث ہوا ہے اور ہم کوئی عقل ، منطق یا افادیت اس میں نہیں دیکھتے کہ ایک ہبہ کو بے کار قرار دیا جائے جب کہ دو مشترک موہوب لہ آپس میں اس پر متفق ہو جائیں خواہ جائداد کی تقسیم پر یا اس سے مشترک طور پر فائدہ اٹھانے پر ۔ بہت سے لوگ اس بے کار قاعدے سے ناواقف ہوں گے اور بھائیوں یا بہنوں کے حق میں مشترک ہبہ میں کوئی نقص نہ دیکھیں گے ۔ اسی بناء پر غالباً برطانوی ہند میں جج صاحبان یہ قرار دینے پر آمادہ رہے کہ ایک مشترک ہبہ جائز ہے گو موہوب لہ کے حصے تقسیم شدہ نہ ہوں یا ان کی صراحت نہ کی گئی ہو ۔

ہبۂ تفضیلی

۱۷۲ ۔ (۱) واہب اس امر کا مجاز نہ ہوگا کہ اپنی کل یا تہائی سے زائد جائداد و املاک بحالت صحت کسی غیر وارث یا اپنی کسی مخصوص اولاد کے حق میں دوسری اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ہبہ کرے الا یہ کہ اس کا تفضیلی عمل مصالح شرعی پر مبنی ہو ۔

---

(۵۵) شرائع الا سلام ، نجم الدین ابی جعفر الحلّی ،مطبوعہ بیروت،جلد۲،صفحہ ۲۵۳

(۲) ہبہ تفضیلی کسی مصلحت شرعی پر مبنی نہ ہونے کی صورت میں قابل ابطال (voidable) ہوگا اور اولاد محروم بمتابعت احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ اُس ہبہ کو بذریعہ عدالت باطل قرار دلانے جانے کی مجاز ہوگی۔

(۳) عدالت اس اطمینان کے بعد کہ واہب کے تفضیلی عمل کے لیے کوئی شرعی مصلحت موجود نہ تھی واہب کو بمتابعت احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ اُس ہبہ سے رجوع کا حکم دے گی۔

(۴) واہب کے فوت ہو جانے کی صورت میں شئے موہوبہ بمتابعت احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹، متوفی کے ترکہ میں شمار ہوگی اور بموجب قانون وراثت، عمل درآمد کیا جائے گا۔

(۵) دفعہ ہذا سے ہبہ بحالت مرض الموت یا ہبہ بالوصیت کے شرعی احکام متاثر نہ ہوں گے۔

تشریح

ہبۂ تفضیلی اس ہبہ کو کہتے ہیں کہ واہب (ہبہ کرنے والا) ایک یا ایک سے زائد موہوب لہم کے حق میں اپنی جائداد و املاک بایں طور ہبہ کرے کہ ایک موہوب لہ کے مقابلہ میں دوسرے ورثاء کو یا تو بالکل محروم کر دے یا ایک کو دوسرے پر اتنی فضیلت دے کہ اس ایک موہوب لہ اور دوسرے ورثاء کے درمیان شئے موہوبہ کے ہبہ کی بنا پر عادلانہ تناسب باقی نہ رہے۔

قرآنی ہدایت:

ہبۂ تفضیلی کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں قرآن پاک میں ظاہر نص موجود نہیں لیکن ایک مسلمان کے اپنی ملک میں تصرف کرنے کے سلسلے میں جو ہدایات ملتی ہیں اُن سے بطریق اقتضاء یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک مسلمانوں کو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں کچھ ہدایات دیتا ہے، جن کی تفسیر احادیث رسول میں

ملتی ہے مثلاً :

(۱) کلواواشربو اولاتسرفوا[۵۷] (کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو) -

(۲) وأت ذالقربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً -[۵۸] (اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکینوں اور مسافروں کو (ان کا حق دو) اور فضول خرچی نہ کرو) -

(۳) والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً -[۵۹] (اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ھیں تو اسراف نہیں کرتے اور (خرچ کرنے میں) کمی نہیں کرتے اور اس میں (خرچ کے معاملے میں) میانہ روی اختیار کرتے ھیں یعنی خرچ میں عدل سے کام لیتے ھیں نہ زیادتی کرتے ھیں نہ کمی)-

(۴) یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو[۶۰] (اے محمد! لوگ آپ سے دریافت کرتے ھیں کہ وہ کیا خرچ کریں ، کہہ دیجئے ، جو بچ رہے)

(۵) وممارزقنهم ینفقون[۶۱] (اور جو ھم نے ان کو بخشا ھے (اس میں سے) خرچ کرتے ھیں)-

(۶) وآتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی ، والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب[۶۲] (اور دیا مال اللہ کی محبت میں ذوی القربی، یتامی ، مساکین ، مسافر ، سائلین اور غلامی سے چھٹکارا چاھنے والوں کو)

ان آیات کے مطالعہ سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ھے کہ قرآن پاک مال کے صحیح طور پر خرچ کرنے پر زور دیتا ھے ، خواہ وہ خود اپنی ذات

---

(۵۷) سورۂ اعراف ، آیت ۳۱   (۵۸) سورۂ اسراء ، آیت ۲۶
(۵۹) سورۂ فرقان ، آیت ۶۷   (۶۰) سورۂ بقرہ ، آیت ۲۱۹
(۶۱) سورۂ بقرہ ، آیت ۳   (۶۲) سورۂ بقرہ ، آیت ۱۲۲

پر کیوں نہ خرچ کیا جائے ۔ اسی طرح حقوق (مالی و غیر مالی) کی ادائیگی پر متوجہ کرتا ہے ۔ چنانچہ جہاں مال کو دوسروں پر خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے وہاں ذوی القربیٰ کو اولیت دیتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک مالک کو اپنے اوپر بھی اسراف سے منع کرتا ہے تو دوسروں پر اسراف (حد سے گزر جانے کو) کیونکر پسند کر سکتا ہے ۔

قرآن پاک کے اس منشاء و مقصود کی روشنی میں جب ہبہ کے مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو اس نتیجہ پر بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ذوی القربیٰ کے حق میں عطیہ کو پسند فرماتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اس لیے عدل کرنے والوں کو بنظر تحسین دیکھتا ہے ۔ اس کلّیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہبہ تفضیلی کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک باپ یا ماں کو اپنی اولاد کے درمیان ہبہ کے معاملہ میں (منجملہ دیگر معاملات کے) عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے اور اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو احکام خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور عدل نہ کرنے والا ظالموں کے زمرہ میں شامل ہوکر ثواب سے محروم اور عذاب کا مستحق ہوگا ۔

احادیث رسول و آثار صحابہ و تابعین :

تفضیلی ہبہ کے سلسلہ میں جن روایات سے موافق یا مخالف استدلال کیا گیا ہے حسب ذیل ہیں :

(۱) عامر کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر کو منبر پر فرماتے سنا کہ میرے والد (بشیرؓ) نے مجھے عطیہ دیا۔ پس عمرہ بنت رواحہ نے اُن سے کہا کہ اُس وقت تک میں اس پر راضی نہ ہوں گی جب تک تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی نہ کرا دو گے ۔ چنانچہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ، جو عمرہ بنت

رواحہ سے پیدا ہوا ہے،عطیہ کیا ہے،اس نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں یا رسول اللہ اس ہبہ (عطیہ)پر آپ کی گواہی کرا دوں ۔ حضور نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنی باقی تمام اولاد کو اسی طرح عطیہ (ہبہ) کیا ہے ؟ بشیرؓ نے عرض کیا نہیں ۔ حضور اکرم نے فرمایا : ”خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل اختیار کرو۔“ نعمانؓ نے کہا لہذا انہوں نے رجوع کرکے اپنا عطیہ واپس لے لیا ۔[63]

(۲) حضرت سعد ابن وقاص سے مروی ہے کہ میں مکہ میں بیمار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ سعد اس امر کو پسند نہ فرماتے تھے کہ وہ اس سرزمین میں انتقال کریں جہاں سے وہ ھجرت کر چکے ھیں ۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابن عفراء پر رحم فرمائے ۔ حضرت سعد فرماتے ھیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر دوں ؟ حضور نے فرمایا نہیں ۔ میں نے عرض کیا نصف مال کی ؟ فرمایا نہیں ، میں نے عرض کیا ایک تہائی کی ، فرمایا ایک تہائی کی ۔ مگر ایک تہائی بھی بہت ہے ۔ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو ، یہ بہتر ہے اس سے کہ ان کو افلاس میں مبتلا کرکے دوسرے لوگوں کا دست نگر بنا دو اور تم جب بھی جو کچھ خرچ کرو گے وہ صدقہ ھوگا ۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی زوجہ کے منہ میں دو گے ۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں طویل عمر دے اور بہت سے لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں

---

(۶۳) ”عن عامر قال سمعت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما وھو علی المنبر یقول اعطانی ابی عطیة فقالت عمرة بنت رواحة لا ارضی حتی تشھد رسول اللہ صلی علیہ وسلم فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اعطیت ابنی من عمرة بنت رواحة فامرتنی ان اشھدك یا رسول اللہ صلعم قال اعطیت سائر ولدك مثل ھذا قال لا قال فاتقوا اللہ و اعدلوا بین اولادكم قال فرجع فرد عطیتہ“ (بخاری برحاشیہ فتح الباری ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ، کتاب الھبہ باب الاشھاد ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۳۴)

اور بہت سے نقصان ۔ اُس وقت حضرت سعد کی ایک ھی لڑکی تھی ۔[۶۴]

(۳) حضرت جابر سے مروی ھے کہ انصار میں سے ایک شخص نے غلام مدبر کر دیا (کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ھے) اس غلام کے علاوہ اس شخص کا اور کوئی مال نہ تھا ۔ پس یہ اطلاع رسول اللہصلعم کو پہونچی ، آپ نے فرمایا یہ غلام ھم سے کون خریدتا ھے۔ نعیم ابن النحام (مسلم کی روایت کے مطابق نعیم ابن عبداللہ) نے وہ غلام آٹھ سو درھم میں خرید لیا اور قیمت لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ھوئے حضور نے وہ رقم اُس شخص (مالک) کو دیتے ھوئے فرمایا اس کی ابتدا اپنی ذات سے کرو اس پر صدقہ کرو۔ اگر اُس سے کچھ باقی رہے تو پھر وہ تمہارے اھل و عیال کا حق ھے اگر اس کے بعد باقی رھے تو دوسرے اقربا کا حق ھے اس کے بعد کچھ باقی رھے تو پھر آگے داھنے بائیں صرف کرتے رھو ۔[۶۵]

(۴) ایوب سختیانی نے حضرت ابن سیرین سے روایت کیا ھے کہ

---

(۶۴) "عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنه قال جاءنی النبی صلی اللہ علیه وسلم یعودنی وانا بمکة و هو یکره ان یموت بالارض التی هاجر عنها قال یرحم اللہ ابن عفراء قلت یا رسول اللہ اوصیی بمالی کله قال لاقلت فالشطر قال لاقلت الثلث قال الثلث والثلث کثیر انك ان تدع ور ثتك اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس فی ایدیهم و انك مہما انفقت من نفقة فانها صدقة حتی اللقمة ترفعها الی فی امرأتك وعسی اللہ ان یرفعك فینتفع بك ناس ویضربک آخرون ولم یکن له یومئذ الا ابنة" (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، امام عینی ، کتاب الوصیت جلد ۶ ، صفحه ۱۷۸)

(۶۵) "عن جابر رضی اللہ عنه ان رجلاً من انصار دبر مملوکا ولم یکن له مال غیره فبلغ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال من یشتریه منی فاشتراه نعیم بن النحام بثمان مائة در هم متفق علیه فی روایة لمسلم فاشتراه نعیم ابن عبداللہ العدوی بثمان مائة در هم فجاء بهاالی رسول اللہ صلعم فد فعها الیه ثم قال ابدأ بنفسك فتصدق علیهافان فضل شیئی" فلا هلك فان فضل عن اهلك "فلذی قرابتك فان فضل عن ذی قرابتك شیئی فهکذا فیقول بین یدیك وعن یمینك و شمالك" (مشکوة، باب الاعتاق، مطبوعه کارخانه تجارت کتب نور محمد، جلد ۲، صفحه ۳۹)

حضرت سعد بن عبادۃ نے اپنے انتقال کے وقت اپنا مال اپنی (موجود) اولاد میں تقسیم کر دیا تھا ۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے یہاں ایک بچہ اور پیدا ہوا ۔ حضرت عمر ، حضرت ابوبکر کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگے کہ آج شب کو حضرت سعد کے نومولود لڑکے کے تصور سے مجھے نیند نہیں آئی کیونکہ ان کا تمام مال تقسیم ہوچکا اور اس بچے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا ۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا واللہ ! میری بھی ایسی ہی حالت رہی ۔ لہذا آپ اور میں دونوں اس بچے کے بھائی قیس بن سعد کے پاس چلیں ۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے ان سے اس سلسلہ میں گفتگو کی ۔ حضرت قیس نے عرض کیا۔ حضرت سعد جو کچھ کر گئے ہیں اس کے رد کرنے کی تو مجھے طاقت نہیں البتہ میں یہ کر سکتا ہوں کہ آپ حضرات کو گواہ بنا کر اپنا ذاتی حصہ اس بچے کو دے دوں اور میں نے یہ حصہ اس کو دیدیا ۔[66]

(۵) عبدالرزاق نے اپنی سند سے حضرت قاسم ابن محمد سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا " میری بچی ! میں نے تم کو خیبر کے مقام پر نخلستان ہبہ کیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس ہبہ میں میں نے تم کو اپنی دیگر اولاد پر فضیلت دی ہے اور تم نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے لہذا تم اس کو دیگر اولاد کی طرف لوٹا دو ، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ والد بزرگوار ! اگر خیبر پھلوں کے ساتھ سونا بن جاتا تب بھی میں

---

(٦٦) "عن ابواب السختیانی عن ابن‌سیرین ان سعد بن عبادۃ قسم مالہ بین بنیہ فی حیاتہ فولد لہ بعد مامات، فلقی عمر ابابکر فقال لہ : مانمت اللیلۃ من اجل ابن سعد ، ھذ المولود لم یترک لہ شئی ، فقال ابوبکر : وانا واللہ ، فانطلق بنا لی قیس بن سعد نکلمہ فی اخیہ ، فأتیناہ فکلمناہ ، فقال قیس : اماشیئی امضاہ سعد فلا اردہ ابداً ، ولکن اشہد کما ان نصیبی لہ" (المحلی ، ابن حزم مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ٦ ، صفحہ ۱۲۳)

اس کو واپس کر دیتی ۔[٦٧]

(٦) محمد بن احمد بن الجهیم کی سند سے حضرت معاویہ بن حیدہ سے مروی ہے کہ ان کے والد ابو حیدہ کے علاتی بیٹے نابالغ موجود تھے اور ابو حیدہ خاصے مالدار شخص تھے ۔ انہوں نے اپنا تمام مال ان میں سے کسی ایک لڑکے کو دے دیا ۔ چنانچہ ان کا ایک لڑکا جس کا نام معاویہ تھا ، حضرت عثمان بن عفان رض کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے تمام واقعہ بیان کیا ۔ حضرت عثمان رض نے ان کے والد کو اختیار دیا کہ یا آپ اپنا مال اپنی ذات کے لیے واپس لے لیں یا تمام اولاد کے درمیان عادلانہ طریقے پر تقسیم کریں ۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مال واپس لے لیا اور انتقال کے بعد اس کو متروکہ چھوڑا جب کہ معاویہ کے بھائی بالغ ہو چکے تھے ۔[٦٨]

(٧) اسی مندرجہ بالا سند سے مروی ہے کہ حضرت مجاهد نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایک لڑکے کو ہبہ کیا اور دوسروں کو چھوڑ دیا یہ کل مال واہب کے مرنے کے بعد میراث میں شامل کر دیا جائے گا ۔[٦٩]

(٨) عبدالرزاق کی سند سے حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے، فرمایا جس طرح ایک میت کی وصیت حد سے متجاوز ہو تو اس کو رد کر دیا جاتا

---

(٦٧) ومن طريق عبدالرزاق عن ابن جريج اخبرنی ابن ابی مليكة ان القاسم بن محمد اخبره ان ابابكر الصديق قال لعائشة ام المومنين : يابنية انی نحلتك نخلا من خيبر وانی اخاف ان اكون آثرتك علی ولدی و انک لم تكونی اختزتيه فرديه علی ولدی ، فقال يا ابتاه لو كانت لی خيبر بجدادها ذهباً لرددتها ۔ (المحلی ، ابن حزم ، مطبوعه مصر ١٣٥٢ھ ، جلد ٦ ، صفحه ١٧٣)

(٦٨) نااسماعيل بن ابراهيم ـ هوا بن علية ـ عن بهز بن حكيم عن ابيه حكيم بن معاوية عن ابيه معاوية بن حيدة كان له بنون لعلات اصاغر ولده و كان له مال كثير فجعله لبنی علة واحدة ، فخرج ابنه معاوية حتی قدم علی عثمان بن عفان فاخبره بذلك فخير عثمان الشيخ بين ان يرداليه ماله وبين يوزعه بينهم ، فارتدماله ، فلما مات تركه الاكابر لاخوتهم ـ (المحلی ، ابن حزم ، مطبوعه مصر ١٣٥٢ھ ، جلد ٦ ، صفحه ١٧٣)

(٦٩) "وبه الی ابرهيم الحربی ناموسی بن اسماعيل ناحماد ـ هوا بن مسلمة ـ عن حميد عن الحسن بن مسلم عن مجاهد قال : من نحل ولداً نحلادون بنيه فمات فهو ميراث" (المحلی ، ابن حزم ، مطبوعه مصر ١٣٥٢ھ ، جلد ٦ ، صفحه ١٧٥)

ہے، اس طرح اگر ایک صحت مند زندہ شخص ایسا ہبہ کرے گا تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔[۴۰]

(۹) عبدالرزاق ہی نے حضرت زہیر بن نافع سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں عطیہ (ہبہ) میں اپنی بعض اولاد کو دوسروں پر فضیلت دے دوں۔ انہوں نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ان سب کو درجہ میں برابر رکھو۔[۴۱]

(۱۰) عبدالرزاق ہی کے واسطہ سے حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کہ کیا اولاد اور باپ و زوجہ کے درمیان ہبہ میں یکسانیت اختیار کی جائے، فرمایا مجھ کو صرف بیٹے کے حق میں رسول اللہ سے حدیث پہنچی ہے۔[۴۲]

(۱۱) ابن وہب نے اپنی سند سے بواسطہ نافع روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے ہبہ میں اپنی بعض اولاد کو دوسری پر ترجیح دی تھی، اس طرح کہ ان میں سے کسی ایک کو تین یا چار غلام دے دئے تھے۔ حضرت بکیر نے قاسم بن عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ فرمایامیں ابن عمر کےہمراہ تھا۔ انہوں نے ایک انصاری شخص سے زمین خریدی اور فرمایا کہ یہ زمین

---

(۴۰) "ومن طریق عبدالرزاق عن الزهری عن عروة بن الزبیر قال : یرد من حیف الناحل الحی ما یرد من حیف المیت من وصیة" (المحلی، ابن حزم مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۹، صفحہ ۱۴۵)

(۴۱) ومن طریق عبدالرزاق عن زهیر بن نافع قال : سألت عطاء بن ابی رباح فقلت اردت ان افضل بعض ولدی فی نحل انحله، فقال لا، و ابی ابله شدیداً وقال سوبینهم (المحلی، ابن حزم، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۹، صفحہ ۱۴۵)

(۴۲) وبه الی عبدالرزاق عن ابن جریج قلت لعطاء: ینحل ولد أیسوی بنهم وبین اب و زوجة ؟ قال : لم یذکر الا الولد لم اسمع عن النبی صلی الله علیه وسلم غیر ذلك (المحلی، ابن حزم، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۹، صفحہ ۱۴۵)

بڑے لڑکے واقد کی ہے۔ کیونکہ وہ مسکین ہے چنانچہ یہ زمین دیگر اولاد کے مقابلہ میں صرف ایک لڑکے کو ہبہ کر دی گئی۔[٧٣]

(۱۲) اسی طرح ابن وہب نے ابن دینار کے واسطے سے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بیٹی کو جو کہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن معیط کے بطن سے تھیں چار ہزار درہم ہبہ کر دئے تھے حالانکہ دوسری ازواج سے ان کی دوسری اولاد موجود تھی۔ نیز ابن وہب ہی کے ذریعہ ایک روایت حضرت محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل ذی مال احق بمالہ" یعنی ہر صاحب مال اپنے مال کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔[٧٤]

سطوربالا میں جو احادیث تفضیلی ہبہ کے جواز یا عدم جواز میں روایت کی گئی ہیں ان میں سے نعمان بن بشیر کی حدیث سے موافق و مخالف دونوں طرح استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں فریق ان احادیث سے اپنا اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی جو تفضیلی ہبہ کے جواز کے قائل ہیں اور وہ بھی جو اس کے باطل ہونے کے مدعی ہیں۔ ان احادیث و آثار پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہوں فتح الباری جلد ۵، عمدۃ القاری جلد ٦، السنن بیہقی جلد ٦، المحلیٰ جلد ٦

---

(٧٣) ومن طریق ابن وہب عن ابن لہیعۃ عن بکیر بن الاشج ان ابن عمر قطع ثلاثۃ اروس او اربعۃ لبعض ولدہ دون بعض؟ قال بکیر و حدثنی القاسم عبدالرحمن الانصاری انہ کان لہ مع ابن عمر اذاشتری ارضامن رجل من الانصار ثم قال لہ ابن عمر : ہذا الارض لابنی واقد فانہ مسکین ، نحلہ ایا ہادون ولدہ (المحلیٰ ابن حزم ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ٦ ، صفحہ ۱٧۵)

(٧٤) قال ابن وہب : وبلغنی عن عمرو بن دینار ان عبدالرحمن بن عوف نحل ابنتہ من أم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اربعۃ آلاف درہم ولہ ولد من غیرہا۔ وذکرو ماروینا من طریق ابن وہب عن سعید بن ابی ایوب عن بشیر بن ابی سعید عن محمد بن المنکدر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "کل ذی مال احق بمالہ" (المحلیٰ ، ابن حزم ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ٦ ، صفحہ ۱٧٦)

دو فریق :

وہ فریق جو تفضیلی ہبہ کے جواز کا قائل ہے ان میں امام ثوری ، لیث بن سعد ، قاسم بن عبدالرحمن ، محمد بن منکدر ، امام ابو حنیفہ ، امام ابو یوسف ، امام محمد ابن الحسن الشیبانی ، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ شامل ہیں ۔ ان کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی صحت و تندرستی کی حالت میں اپنی بعض اولاد کو دوسری اولاد پر ترجیح وفضیلت دے کر عطیہ (ہبہ) کرے تو اگرچہ یہ فعل ہبہ دیانتاً (مابین خدا وبندہ) مکروہ ہے لیکن قضاء درست ہوگا یعنی قانوناً اس کو جائز و نافذ قرار دیا جائے گا ۔ اُن کے نزدیک حدیث کی عبارتیں حکم اور فیصلے کی نوعیت نہیں رکھتیں بلکہ نصیحت و امر بالمعروف کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

اس سلسلہ میں دوسرے فریق میں حضرت طاؤس ، عطاء ابن ابی رباح، مجاہد ، عروہ ، ابن جریج ، نخعی ، شعبی ، ابن شبرمہ اور بروایت مرجح ابن حنبل و اسحق بن راہویہ اور امام ابو محمد ابن حزم شامل ہیں ۔ ان اصحاب کے نزدیک ایسا ہبہ قضاًء بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ ایسا کرنا ظلم ہے اور عدالتیں ظلم کو نافذ نہیں کیا کرتیں ۔ چنانچہ ایسا ہبہ باطل اور واجب الرد ہوگا ۔

مختلف فقہی مذھب کی آراء

حنفیہ و بعض مالکیہ اور شافعیہ و شیعہ مکتب فکر کے نزدیک ایک مسلمان (مرد یا عورت) اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بحالت صحت جس کسی شخص کو چاہے اور جب چاہے اپنی کل جائداد و املاک یا اس کا کوئی حصہ ہبہ کر سکتا ہے ۔ یہ ہبہ اُس وصیتی ہبہ سے مختلف ہے جس میں کوئی مسلمان جائداد و املاک کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ ہبہ کرنے

کا مجاز نہیں ۔ البتہ کسی شخص کا اپنی اولاد کے حق میں اس طرح ہبہ کرنا کہ ایک اولاد کو دوسری پر ترجیح دی جائے گناہ ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مسلمان اپنی کل جائداد سے تمام وارثوں کو محروم کرکے اپنی زندگی میں بحالت صحت کسی بھی اجنبی کو ہبہ کر سکتا ہے مگر اس کا یہ فعل دیانتاً (اس کے اور اللہ کے درمیان) غیر مستحسن ہوگا ، گو قانوناً ایسا کرنا جائز ہوگا ۔

حنفیہ :

امام کاسانی نے حنفی فقہ پر اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ سب (اولاد) کے درمیان برابری رکھنا تالیف قلوب کا سبب ہوگا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے اُن کے درمیان وحشت پیدا ہوگی اس لیے مساوات اولیٰ ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص بعض اولاد کو دے کر دوسری کو محروم کر دے خواہ جس کو محروم کیا گیا ہو وہ فقیہ ومتقی ہو یا جاہل و فاسق ہو ، تو حکماً یہ جائز ہوگا کیونکہ وہ اپنی خالص ملک میں تصرف کرتا ہے جس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ، البتہ یہ ہوگا کہ اولاد کے درمیان عدل نہ ہوگا ۔ یہ متقدمین کا قول ہے ۔[۷۵]

امام محمد اور امام ابویوسف اگرچہ اصولی طور پر امام ابوحنیفہ سے متفق ہیں لیکن ایک روایت منقول ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر والد نے اپنے تفضیلی عمل سے دوسری اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ہبہ کیا ہو تو ایسا ہبہ واجب الرد ہوگا ۔[۷٦]

امام شعرانی شافعی نے اپنی کتاب المیزان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام شافعیؒ) کا قول ہے کہ باپ (اور اس

---

(۷۵) بدائع الصنائع ، مطبوعہ مصر ۱۹۱۰ع ، جلد ٦ ، صفہ ۱۲۷

(۷٦) فتح الباری ، ابن حجر عسقلانی ، مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ھ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۳۴
عمدۃ القاری ، امام عینی ، مطبوعہ مصر، جلد ٦ ، صفحہ ۲۷۲
شرح موطاء ، الزرقانی مطبوعہ مصر ۱۳۸۲ ھجری ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۴۴

سے اوپر کے درجہ میں کتنا ھی بلند کیوں نہ ھو) کے لئے مستحب ھے کہ اپنی اولاد کے درمیان ھبہ میں مساوات برتے ۔ اس میں امام احمد بن حنبل بھی ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ھیں۔ امام محمد ابن الحسن الشیبانی کے نزدیک باپ کے لئے جائز ھے کہ وہ ذکور اور اناث میں بطریق وراثت فضلیت دے ۔ (سوال یہ ھے کہ) اگر باپ نے اولاد کے درمیان کسی کو فضیلت دی تو کیا اس پر شئے مفاضلہ سے رجوع کرنا لازم ھے ۔ ھر سہ ائمہ کے نزدیک اس پر رجوع کرنا لازم نہیں ھے ۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک رجوع کرنا لازم ھے ۔[۷۷]

مالکیہ :

مالکی مذھب کی مستند کتاب موطاء امام مالک میں لکھا ھے کہ نعمان بن بشیر والی حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ھے جو اولاد کے حق میں کئے گئے حصہ میں تعدیل و تسویہ (مساوات) کے وجوب کے قائل ھیں جیسے کہ طاؤس ، سفیان ثوری ، احمد بن حنبل ، اسحاق بن راھویہ ، امام بخاری اور بعض مالکیہ ۔ ان حضرات کے بہترین قول یہ ھیں کہ ایسا ھبہ (تفضیلی) باطل ھوگا ۔ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ھے کہ صحیح ھوگا ۔ ان ھی سے ایک روایت ھے کہ اگر یہ تفضیل کسی خاص سبب کی بنا پر ھو تو یہ ھبہ جائز ھوگا مثلاً وہ لڑکا اپاھج ھو یا مقروض ھو یا اس کے مثل اور کوئی سبب ھو ۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ھے کہ اگر واھب نے (اپنی بعض اولاد کو) نقصان پہنچانے کی غرض سے ایسا کیا ھو تو اس پر تعدیل واجب ھوگی ۔ نیز ھبہ کو باطل قرار دینے والے حضرات یہ دلیل بر بنائے قیاس پیش کرتے ھیں کہ قطع رحمی اور عقوق دونوں حرام ھیں ۔ ان دونوں سے اجتناب واجب ھے لہذا تعدیل و تسویہ نہ کرنا حرام کے ارتکاب کا سبب ھوتا ھے اور جو امر کسی حرام کے ارتکاب کا

---

(۷۷) میزان الکبریٰ ، شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۰۰
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳

سبب ہو وہ خود حرام ہوتا ہے ۔ اس طرح تعدیل ادائے واجب کا مقدمہ قرار پاتی ہے اور جو امر واجب کے امتثال کا مقدمہ ہو اور وہ امر واجب ہوا کرتا ہے ، چنانچہ تعدیل واجب اور عدم تعدیل حرام ہے ۔[۷۸]

شافعیہ :

شافعی مذہب کی کتاب مختصر المزنی میں نعمان بن بشیر والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعیرح فرماتے ہیں ہم بھی اس حدیث کو لیتے ہیں اور اس حدیث میں چند امور پر دلیل ہے ۔ ایک یہ کہ حسن ادب یہ ہے کہ اولاد کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دے تاکہ مفضول کے دل میں کوئی ایسی کیفیت پیدا نہ ہو جو اس کو نیکی سے باز رکھے کیونکہ قرابت بعض سے بعض کے تعلق کا نام ہے نہ کہ عداوت یا زیادتی کرنے کا ۔ دوسرے یہ کہ بعض اولاد کو ہبہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجوع کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ تیسرے یہ کہ باپ کے لیے اپنی اولاد کے ہبہ (عطیہ) میں رجوع کرنا جائز ہے (نیز) حضرت ابوبکررض نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ کے ہبہ (عطیہ) میں ان کو فضیلت دی تھی اور حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے عاصم کو فضیلت دی تھی ۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ام کلثوم کی اولاد کو فضیلت دی تھی ۔[۷۹]

فقہ شافعی کی ایک اور مشہور کتاب المہذب میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ مفضول کے دل میں اس فعل سے ایسا جذبہ پیدا ہوگا جو اس کو بھلائی کرنے سے روک دے گا نیز بعض اقارب دوسرے اقارب سے جو مسرت محسوس کریں گے وہ اس زیادتی سے حاصل نہ ہو سکے گی ۔

---

(۷۸) شرح الموطاء ، زرقانی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۸۲ ہجری جلد ۴ ، صفحہ ۴۴۴
(۷۹) المختصر المزنی، آخر جلد کتاب الام، مطبوعہ مصر ۱۳۸۱ ہجری، صفحہ ۱۳۴

لیکن اگر بعض کو بعض پر فضیلت دے دی گئی تو عطیہ درست ہوگا کیونکہ حضرت نعمان بن بشیر کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اس ہبہ پر میرے علاوہ کسی اور شخص کو گواہ بنا لو تو اگر یہ صحیح نہ ہوتا تو آنحضرت کسی دوسرے کو گواہ بنانے کے لئے نہ فرماتے ۔[۸۰]

حنبلیہ :

حنبلی فقہ کی کتاب المحرر فی‌الفقہ میں لکھا ہے کہ اولاد کے عطیہ میں تعدیل (برابری) واجب ہے اور اسی طرح دوسرے اقارب کے عطیات میں ان کی وراثت کے حساب سے (مساوات واجب ہے) ۔ چنانچہ اگر بعض کو فضیلت دے کر مخصوص کر دیا اور واہب اس حالت میں انتقال کر گیا تو کیا باقی اقرباء کو اس کے فسخ کا حق حاصل ہوگا یا نہیں ۔ اس صورت میں (امام احمد بن حنبل سے) دو روایتیں ہیں ۔[۸۱]

حنبلی فقہ کی ایک اور کتاب الاقناع میں لکھا ہے کہ ماں باپ وغیرہ پر واجب ہے کہ جو لوگ قرابت کی بناء پر وارث ہوتے ہیں ان کے عطیہ میں برابری اختیار کریں لیکن ایک حقیر شے میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ یہ تعدیل ان لوگوں کی وراثت کے حصوں کے مطابق ہوگی لیکن اگر نفقہ یا لباس وغیرہ کا عطیہ ہو تو اس میں کفایت کا لحاظ کیا جائے گا اور آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ دیگر ورثاء کی اجازت سے ایسا کر دے ، اگرچہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا ہو تاکہ تمام لوگ مساوی ہو جائیں حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے اپنی صحت کی حالت میں اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کی شادی کر دی اور اپنی طرف سے اس کا مہر ادا کر دیا اس

---

(۸۰) المہذب ، ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی (۴۷۶ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۹۵۹ع جلد اول ، صفحہ ۴۵۳

(۸۱) المحرر فی الفقہ ، مجد الدین ابن تیمیہ ، مصر ۱۳۶۹ھ ، جلد اول ، صفحہ ۳۷۴

کے بعد باپ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا تو باپ کو اس حالت میں بھی یہ کرنا چاہیے کہ دوسرے بیٹے کو اتنا دیدے جتنا پہلے کو دیا ہو۔ اس حالت میں ثلث مال کے اندازہ کرنے کا حکم نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک واجب امر کا تدارک ہوگا جو دین (قرض) ادا کرنے کے مشابہ ہوگا اور اگر مساوات سے پہلے انتقال کر گیا تو وہ اسی کا ہوگا بشرطیکہ عطیہ مرض الموت میں نہ کیا گیا ہو (کیونکہ اس حالت میں وصیت کے حکم میں ہوگا)۔[۸۲]

شیعیہ :

شیعی فقہ کی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ اہل قرابت کے لئے ہبہ کرنا مستحب ہے اور خصوصاً اولاد اور والدین کے لیے مستحب موکّد ہے۔ اسی طرح ہبہ بین الاولاد کے درمیان برابری کرنا (ان کے حصوں کو مساوی قرار دینا لڑکے ہوں یا لڑکیاں یا متفرق) بھی مستحب ہے۔ لیکن کسی مال کے حصہ کرنے میں ایک اولاد کو دوسری پر ترجیح دینا جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔[۸۳]

ظاہریہ :

شیخ ابن حزم الظاہری کے نزدیک ایسا ہبہ یا صدقہ جس میں چند اولادوں میں کسی ایک اولاد کو دوسری پر ترجیح اور فضیلت دی گئی ہو حرام اور باطل ہے۔ اگر ایسا کیا گیا ہو تو حاکم وقت اس کو باطل قرار دے کر صحیح طریقہ پر اولاد میں تقسیم کر دے گا۔

عبدالرزاق کی سند سے حضرت عروۃ بن زبیر سے مروی ہے فرمایا ! جس طرح ایک میت کی وصیت (حد سے متجاوز ہو تو اس) کو رد کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر ایک صحت مند زلدہ شخص ایسا ہبہ کرے گا تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔

---

(۸۲) الاقناع، مطبوعہ مصر جلد ۳، صفحہ ۴۳
(۸۳) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۳

عبدالرزاق ہی کے واسطہ سے حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کہ کیا اولاد اور باپ اور زوجہ کے درمیان ہبہ میں یکسانیت اختیار کی جائے، فرمایا مجھ کو صرف بیٹے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے۔

علامہ ابن حزم نے احادیث و آثار (محولہ بالا) بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و قیس ابن سعد و عائشہ اُم المومنین کا صحابہ کے موجود ہوتے ہوئے عمل ظاہر ہے۔ دیگر صحابہ میں سے کسی کی مخالفت اس کے متعلق ثابت نہیں، نیز حضرات مجاھد و طاؤس اور عطا و عروۃ و ابن جریج جیسے تابعین ہیں (جو اس کے قائل ہیں)۔ یہی قول حضرت نخعی و شعبی و شریح و عبداللہ بن شداد و ابن الہاد و ابن شبرمہ و سفیان ثوری و احمد بن حنبل و اسحاق بن راھویہ و ابو سلیمان اور ہمارے دیگر اصحاب کا ہے۔

البتہ شریح اور احمد و اسحاق کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ عدل کس طرح اختیار کیا جائے۔ ان حضرات کا قول ہے کہ (للذ کرمثل حظالانیثین کا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دوگنا دیا جائے دوسرے حضرات کے نزدیک بالکل مساوی طریقے پر تقسیم کیا جائے۔

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ "ہم کو ایسی روایتیں بھی پہنچی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دینا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت قاسم بن محمد اور ربیعہ وغیرہ سے منقول ہے اور اس کے قائل حضرات ابوحنیفہ و مالک و شافعی ہیں۔ لیکن ابوحنیفہ نے (جواز کے ساتھ) مکروہ کہا ہے اور مالک نے بھی بعض اولاد پر کل مال کے ہبہ کو مکروہ کہا ہے۔ ان حضرات نے اس کی دلیل میں حضرات ابوبکر و عمر و عائشہ رضی اللہ عنہم کے واقعات کو پیش کیا ہے۔"

شیخ ابن حزم کہتے ہیں کہ "ان روایات کے ماسوا ہم کو ان لوگوں کے استدلات میں اور کچھ نہ مل سکا ۔ لیکن جو لوگ ہمارے مسلک کے قائل نہیں وہ اپنے استدلال میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کو مسلم نے اپنی صحیح میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے ، یہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے ۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد ان کو اپنے ہمراہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ! اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بچے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے ، حضور نے فرمایا کیا تم نے اپنے ہر لڑکے کو اسی طرح ہبہ کیا ہے ؟ انہوں نے عرض کیا جی نہیں ۔ حضور نے فرمایا بس تو اس ہبہ سے رجوع کر لو ۔ دوسری روایتوں میں ہے ، حضور نے اس کو رد کر دیا یا فرمایا واپس کر لو بخاری کے طریقے میں یہ الفاظ مروی ہیں "حضور نے فرمایا : "فاتقوا اللہ و اعدلوا بین اولادکم" خدا سے خوف کرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لو ۔ اس روایت میں نعمان نے یہ بھی کہا ہے کہ میرے والد نے ہبہ میں رجوع کر لیا تھا ۔

مسلم کی ایک اور روایت میں آنحضوت صلعم کے یہ الفاظ مروی ہیں : "فلا اشہد علی جور" پس میں ظلم پرگواہ نہ بنوں گا ۔

چنانچہ یہ تمام کے تمام ائمہ جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے ، اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اس صدقہ و عطیہ کو فسخ کرنے اور واپس کر لینے کا حکم دیا تھا اور بعض نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ واپس لے لیا گیا تھا ۔ پھر حضور نے اس عمل کو جور قرار دیا تھا اور جو عمل اللہ تعالیٰ کے دین میں جور قرار دیا گیا ہو اس کا نافذ قرار دینا حلال نہیں ہو سکتا ۔ اگر اس کو جائز قرار دیا جائے تو پھر ہر ظلم کر جائز قرار دیا جا سکے گا اور پھر علی الاعلان اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے کے مترادف عمل ہوگا ۔"

امام ابن حزم کہتے ہیں کہ "ہم نے اپنے مخالفین کو ان روایات میں طرح طرح کی علتیں بیان کرتے پایا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نعمان کے والد نے اپنا کل مال ہبہ کر دیا تھا۔ ہم کہیں گے سبحان اللہ۔ حدیث میں نصاً موجود ہے کہ اپنا بعض مال ہبہ کیا تھا اور بعض صحیح روایات میں یہ الفاظ ہیں: "بعض المو ہوبة من مالہ" ایک جماعت نے کہا ہے کہ داؤد بن ابی ہند نے شعبی سے روایت کرنے میں آنحضرت کے کلام کو اس طرح نقل کیا ہے کہ حضور انور نے بشیر سے اس طرح فرمایا تھا: "اشہد علی ھذا غیری، أیسرک ان یکونوا اولئک فی البر سواءا، قال بلی قال فلا اذاً" اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ کلام تو تمہارے مقابلے میں (ہماری) حجت ہے (نہ کہ تمہاری دلیل)، کیونکہ حضور نے صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے " فلا اذاً" یعنی اب جائز نہیں۔ جس سے ممانعت ایک عقلمند کے لئے کافی ہے اور آنخضرت کا یہ فرمانا "اشہد علی ھذا غیری" اس عقد پر میرے بجائے کسی دوسرے کو گواہ بنا لو۔ اگر حدیث میں (اول جملہ نہ بھی آتا) صرف یہی کلام منقول ہوتا تب بھی آپ کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ ان الفاظ کے روایت کرنے والے راویوں سے زیادہ عظیم المرتبت راویوں نے آنخضرت صلعم کے وہ کلمات روایت کئے ہیں جن میں آنخضرت نے اس ہبہ و عطیہ کے واپس لینے کا حکم صادر فرمایا ہے اور اس عمل کو ظلم و جور قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ "اشہد علی ھذا غیری" یہ دراصل ایک خوف دلانے والا کلام ہے جس کو اصطلاح میں وعید کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "فان شہدو افلا تشہد معہم " اس سے ظلم پر شہادت کی اباحت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کلام کا منشاء یہ ہوگا جو اس آیت کا ہے: "فمن شاءفلیؤمن ومن شاء فلیکفر" یعنی جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے اور اس آیت کا ہے: "اعملواماشئتم" جو تمہارا دل چاہے کرو۔ اور " کلوا وتمتعوا قلیلا انکم مجر مون " کھاؤ

فائدہ اٹھاؤ تھوڑے عرصے تک بہر حال تم مجرم ہو - نبی علیہ السلام سے کسی طرح یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ جس امر کو آپنے جور قرار دیا ہو اس پر کسی بھی دوسرے کو گواہ بنانے کا حکم فرما دیں گے -"

"اس مقام پر ہمارے نزدیک یہی دو صورتیں نکل سکتی ہیں کہ اس ہبہ و عطیہ کو یا تو ہم یہ کہہ دیں کہ حق و جائز ہے یا یہ کہ باطل اور ناجائز ہے - ان کے ماسوا کوئی تیسری صورت نہیں -"

"اگر یہ لوگ اس کو جائز کہتے ہیں تو پھر یہ بھی کہنا ہوگا کہ آنحضرت صلعم نے ایک جائز امر پر شہادت سے انکارکرکےکتاب اللہ کےاس حکم کا "ولا یأبی الشہداء اذا مادعوا" خلاف کیا اور اس کا بھی " ولا یضار کاتب ولاشہید" اور اگر یہ کہیں کہ یہ ہبہ و عطیہ و صدقہ باطل ہے لیکن اس کے باوجود اس ظلم و جور کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے تو یہ ایک عظیم بہتان ہوگا کہ کہا جائے رسول اللہ نے باطل و غیر جائز حکم دیا ہے کیونکہ باطل اور ظلم کے نافذ کرنے کا حکم دینا اور اُس پر شہادت کے قیام کو صحیح قرار دینا لازم آئے گا اور ان دونوں صورتوں کا قائل ہونا کفر ہے -"

امام ابن حزم آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "ہر ایک جماعت نے ان روایات کا مطلب بیان کرنے میں ایک عجیب گمراہ کن راستہ اختیارکیا ہے - کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا "اشہد علیٰ ہذا غیری" یہ مطلب ہے کہ میں چونکہ امام الوقت (حاکم اعلیٰ) ہوں اور امام کا کام شاہد بننا نہیں ہوتا (بلکہ فیصلہ دینا ہوتا ہے) - تو اس قول کے بموجب دو بہتان کا ارتکاب لازم آئے گا - ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا ایسا منشاء بیان کرنا جو درحقیقت آپ کا منشاء نہیں ہو سکتا - ایسے شخص کو اپنا مقام جہنم میں بنا لینا چاہئیے - دوسرا یہ کہ

امام شاھد نہیں ھو سکتا بلکہ امام شاھد ھو سکتا ھے ، کیونکہ اس معاملے میں وہ دیگر مسلمین مخاطبین کے ساتھ شامل ھے ، جن کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ شہادت سے انکار نہ کریں ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی منشا ھے ”کونو ا قوامین بالقسط شہداء للہ و لو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین“ یہ حکم بلا شک و شبہ امراء کو دیا گیا ھے ، حالانکہ اس قائل کا اپنا قول اور مذھب یہ بھی ھے کہ اگر حاکم اعلیٰ اپنے حکام میں سے کسی حاکم کے سامنے شاھد کے طور پر شہادت دے گا تو اس کی یہ شہادت مقبول ھوگی لہذا اگر وہ شاھد نہ ھو سکتا تو اس کی شہادت کس طرح قابل قبول ھوگی ۔

پھر بعض لوگوں نے ان روایات کے متعلق ایسا قول اختیار کیا ھے کہ اس کے اختیار کرنے سے آن کا خاموش رھنا ھی بہتر ھوتا ۔کہا گیا ھے کہ شاید نعمان بالغ تھے اور ھبہ پر قبضہ نہ کیا تھا ۔ لیکن افسوس یہ ھے کہ قائل نے یہ نہیں دیکھا کہ نعمان کا نابالغ ھونا اظہر من الشمس ھے اور وہ بالا تفاق ھجرت کے بعد پیدا ھوئے ھیں ۔ ابوحیان نے شعبی کی روایت میں حضرت نعمان بن بشیر سے خود ان کا قول اس طرح نقل کیا ھے کہ: ”میں اس وقت کمسن بچہ تھا۔“

اور ایک فریق نے کہا ھے کہ نعمان کے والد نے ھبہ نہیں کیا تھا بلکہ آنحضرت (صلعم) سے اس کے متعلق مشورہ لینے حاضر ھوئے تھے امام زھری کی روایت جو کہ حضرت نعمان سے مروی ھے آس میں ملمع سازی کی ھے ، آس میں ان کے والد کے یہ الفاظ روایت کئے ھیں : ”انی نحلت ابنی ھذا غلاماً فان اذنت لی انی اجیزہ اجزتہ“ یعنی میں نے اپنے اس بیٹے کو غلام ھبہ کر دیا ھے اگر آپ اجازت دے دیں تو میں اس کو نافذ کر دوں ۔“

ابو محمد (ابن حزم) کہتے ھیں کہ یہ عجیب و غریب قسم کے لوگ

ہیں کہ اس روایت کی ابتدا کی طرف غور نہیں کرتے اور نہ درمیانی الفاظ پر توجہ دیتے ہیں ۔ ابتداء میں مذکور ہے "نحلنی غلاما" مجھ کو غلام عطا کیا تھا اور وسط میں مذکور ہے : "یا رسول اللہ نحلت ابنی ہذا غلاما" اور پھر کہتے ہیں کہ ہبہ مکمل نہ ہوا تھا ۔ باقی رہا آن کا یہ کہنا کہ اگر آپ اس کی اجازت دیں تو میں اس کو برقرار رکھوں اور نہ دیں تو باطل کر دوں یہ کہنا اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ صرف اس عمل پر استقامت کرے جو اللہ کا رسول اس کے لئے مباح قرار دے دے، جس کی اباحت اتنی واضح ہو کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو ۔

ہاں اگر رسول اللہ (صلعم) بشیر کے لیے ان کے عمل کو مباح جائزقرار دے دیتے تو بشیر اس پر عمل کرتے اور نہ دیتے تو نہ کرتے اور یہی ہوا کہ ہبہ باطل کر دیا گیا ۔

اس فریق نے ابن عون کے واسطے سے ایک اور حدیث بھی نقل کی ہے جس کے متن میں آنحضرت کے یہ فرمانے "فانی لا اشہد" کے بعد یہ جملہ بھی موجود ہے "قاربوا بین ابنائکم"

علی نے کہا ہے کہ یہ جملہ تو (ہماری) ایک بڑی حجت ہے، اس لئے کہ (عدم مقاربت) باطل تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باطل پر شاہد نہیں ہو سکتے تھے ۔

باقی رہی وہ روایت کہ (جس کو ہمارے فریق مخالف نے اپنی دلیل میں اس مضمون سے روایت کیا ہے) "کل ذی مال احق بمالہ" یعنی ہر صاحب حق اپنے مال کا زیادہ حق رکھتا ہے، یہ مضمون اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما کان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرآ ان تکون لہم الخیرۃ من امرہم" یعنی کسی مومن مرد اور عورت کے یہ شایان نہیں کہ جب ان کے حق میں اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ

فرما دے تو پھر اس امر میں ان کو اختیار رہے ۔ اور فرمایا ہے : "النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم" یعنی نبی مؤمنین کی نفسوں کے ان کی ذات سے زیادہ حقدار ہیں" ۔ لہذا جس ذات نے زکات واجب کی، فاحشہ عورت کی اجرت حرام قرار دی، کاهن کے نذرانے کو شراب کے فروخت کرنے کو اور امّ الولد کی بیع کو حرام قرار دیا اسی ذات نے صدقہ اور عطیہ بصورت فضیلت و ترجیح کے رد کرنے اور باطل کرنے کا حکم دیا ۔"

علامہ ابن حزم نے فرمایا ہے کہ ان مخالفین نے صحابہ کے جن آثار سے استدلال کیا اور ملمع سازی سے کام لیا ہے اس کے متعلق یہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کا عمل حجت نہیں ہوتا ۔ اس کے ماسوا حضرت ابوبکر کی حدیث جس کو ہم خود نقل کر چکے ہیں اس روایت کے خلاف ہے جس کو یہ لوگ روایت کرتے ہیں ، باقی رہا حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا یہ قول : "من نحل ولدہ نحلاً" جس شخص نے اپنی اولاد کو عطیہ (ہبہ) دیا ۔ تو ہم ہبہ کرنے کو ممنوع نہیں قرار دیتے بلکہ ہم ان کے درمیان تفاضل (ایک دوسرے پر فضیلت) کو منع کرتے ہیں اور ان حضرات کے اس کلام میں اولاد کے درمیان تفاضل کی اجازت کا کوئی کلمہ موجود نہیں ہے ، جس طرح کہ ان کے کلام میں شراب اور خنزیر کی بیع کی اباحت کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ پھر جبکہ ان حضرات سے صحیح طریقہ پر ممانعت ثابت ہو چکی ہو جیسا کہ ہم نے روایت کر دیا ہے ۔

اور حضرت ابن عمر کی روایت میں واقد کو ہبہ کرتے وقت اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ انہوں نے واقد کے ہبہ سے قبل دوسری اولاد کو کچھ ہبہ نہ کیا تھا یا کہ اس کے بعد بھی ہبہ نہ کیا ۔ ان کا یہ فرمانا کہ میرا یہ لڑکا مسکین ہے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ واقد سے قبل اس کے دوسرے بھائیوں کو آپ پہلے دے چکے ہوں اور

یہ آخری درجہ میں رہ گیا ہو تو اپنے ترحّم کے الفاظ سے اس کا اظہار کیا ہو اس کے علاوہ اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ساقطین راویوں میں سے ہیں ۔ اسی طرح عبدالرحمن کی روایت بھی منقطع ہے ۔ چنانچہ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے تمام استدلات باطل ہو گئے چنانچہ ایسا ہبہ باطل ہوگا ۔۸۴"

حافظ ابن قیم کا مسلک :

ابن قیم نے اپنی کتاب زادالمعاد میں لکھا ہے کہ "امام احمد سے نص ملتی ہے کہ جو شخص اپنا تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانے اس کے لیے تہائی کی اجازت ہے ۔ ان کے اصحاب نے حضرت کعب کے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے میری توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دے ڈالوں ۔

آپ نے فرمایا "نہیں"

انھوں نے عرض کیا "پھر کیا نصف مال دے ڈالوں ؟"

آپ نے فرمایا : "نہیں یہ بھی نہیں"۔

کعب رضی‌اللہ عنہ نے عرض کیا : "اچھا ایک تہائی تو دے ڈالوں"۔

آپ نے فرمایا : "ہاں، اتنے میں مضائقہ نہیں"۔

کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : "اچھا پھر میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں"۔۸۵

---

(۸۴) المحلّی ، ابن حزم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۲ھ ، جلد ۹ ، صفحات ۸۱-۱۷۳

(۸۵) زاد المعاد (اردو ترجمہ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، جلد ۳ ، صفحہ ۸۰

حافظ ابن قیم کے مسلک پر احناف کا رد :

احناف کے مسلک کے مطابق حافظ ابن قیم کا مذکورہ بالا روایت سے یہ استدلال کہ ھبہ ایک تہائی سے زائد نہ ھونا چاھیے، قانوناً ایک تہائی سے زائد کے عدم نفاذ یا ناجوازی کی دلیل نہیں بن سکتا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت کعب سے یہ فرمانا کہ ایک تہائی میں کوئی مضائقہ نہیں اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ کوئی شخص اگر اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دے ڈالے تو ایسا ھبہ ناجائز متصور ھوگا ۔ یہی اصول غیراللہ کو ھبہ کرنے کے سلسلے میں بھی ھے ۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے اپنے اثاثہ کی ایک تہائی سے زائد فی سبیل اللہ دینے کی روایتیں بھی ملتی ھیں جو اس امر کا بین ثبوت فراھم کرتی ھیں کہ اگر کسی شخص کا ایک تہائی سے زائد ھبہ کرنا یا صدقہ دینا جائز نہ ھوتا تو حضور (صلعم) ایک تہائی سے زائد اثاثے کو قبول نہ فرماتے ۔

حافظ ابن قیم کے اس خیال میں کہ ھبہ ایک تہائی سے زائد نہ ھونا چاھیے درپردہ ورثاء کے حقوق کے تحفظ کا نظریہ کار فرما نظر آتا ھے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ امر مسلم ھے کہ ورثاء کا حق متوفی کی جائداد میں اس کے مرنے کے بعد ھی قائم ھوتا ھے نہ کہ اس سے پہلے ۔ بنا بریں واھب کی زندگی میں ایک تہائی کی پابندی صرف واھب کے اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کے حق پر تحدید کے مترادف ھے بلکہ قانون میراث کے اس اصول سے بھی متصادم ھے کہ ورثاء کا حق مورث کی موت کے بعد ھی ترکہ سے قائم ھوتا ھے ۔

احناف کے اعتراض کا جواب :

لیکن اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ھے کہ حضرت عمرؓ سے کوئی ایسا واقعہ مروی نہیں جس میں کل مال صرف کرنے کا ذکر ھو ۔ البتہ بعض

روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ سے ایسا منقول ہے، لیکن شخصی خصوصیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔حضرت کعب بھی صحابی ہیں۔ ان کے ماسوا حضرت سعد بھی صحابی تھے جن انصاری نے اپنے تمام غلام جو ان کا کل سرمایہ تھا آزاد کر دیے تھے وہ بھی صحابی تھے لیکن ان حضرات کے کل مال صرف کرنے کو حضور نے قبول نہ فرمایا تھا ۔ ان کے افعال پر پابندی عائد کر دی تھی اور یہ سب صحت کی حالت میں ایسا کرنے والے تھے ۔ (یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو) عفو حاجت سے فاضل مال کو کہتے ہیں اور ورثاء جب کہ صاحب حاجت ہوں یا آئندہ حاجت مند ہونے کا احتمال ہو تو انسان کے مال پر ان کے حقوق اسی طرح عائد متصور ہوتے ہیں جس طرح حالت مرض میں ۔ حق کے تعلق اور ثبوت میں فرق ہے، نیز جب انسان کا مال اپنی اور اپنی زیر پرورش عیال سے زائد ہو اور دیگر اقرباء اس زائد کے حاجت مند ہوں تو یہ مال حاجت میں شامل ہوگا ۔

ایک اور فرق :

جو ہبہ زندگی میں منعقد ہوتا ہے اور قبضہ دہی کے بعد مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے وہ اس ہبہ سے کلیتاً ممیز اور مختلف ہے جو ایک شخص از روئے وصیت کسی دوسرے شخص کے نام ہبہ کرے۔ پہلی صورت ہبہ محض کی ہے جب کہ دوسری صورت میں اسے وصیتی ہبہ کہا جاتا ہے اور اس سے وصیت کے احکام متعلق ہو جاتے ہیں نہ کہ ہبہ کے۔ چنانچہ وہ ہبہ جو وصیتی ہبہ سے ممیز اور مختلف ہے حنفیہ کے نزدیک کل جائداد کے متعلق ہو سکتا ہے۔ اس میں وارث اور غیر وارث اور قرابت دار یا اجنبی کی کوئی تخصیص نہیں ۔ دراصل شریعت اسلام کا منشاء اور مقصود یہ ہے کہ وصیت کنندہ اپنے فعل سے اپنی جائداد سے متعلق ورثاء کے حقوق کو صرف ایک تہائی کی حد تک متاثر کر سکتا ہے ، اس سے زیادہ نہیں ۔کیونکہ وصیت کنندہ کے اس فعل کا

اثر اس کی وفات کے بعد مرتب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت یعنی وفات کے بعد فوراً ہی ورثاء کا حق متوفی کے ترکے سے متعلق ہو جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک مسلمان اپنی زندگی میں بلاتحدید (without restriction) ہبہ کر سکتا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض صورتوں میں اس کا یہ فعل دیانتاً غیر مستحسن یا مکروہ قرار دیا جائے یا شریعت نے اس کے فعل کو برا کہا ہو لیکن قضاءً اس کا فعل ہبہ جائز متصور ہوگا ائمہ ثلاثہ کے نظریہ کے بموجب عدالتیں محض اس بناء پر اس ہبہ کو رد کرنے کی مجاز نہ ہو گی کہ وہ ہبہ ایک تہائی سے زائد یا پوری جائداد کا ہے یا کسی اجنبی کے نام ہے یا کسی وارث کے نام ہے یا یہ کہ کسی ایک بیٹے کو دوسرے ورثاء کے مقابلے میں زیادہ یا کل جائداد ہبہ کر دی گئی ہے ۔

تجزیہ :

تفضیلی ہبہ متقدمین فقہاء کے نزدیک کلیتاً جائز ہے البتہ امام ابو یوسف سے ایک روایت اس کے واجب الرد ہونے کی اس صورت میں منقول ہے جب کہ والد نے اپنے تفضیلی عمل سے دوسری اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ہبہ کیا ہو ۔ اسی طرح متاخرین کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ فاسق و فاجر (اولاد) کو محروم کر دے اور ایک سعید و عالم کو ہبہ کر دے ۔[۸۶] یہ بھی صحیح ہے کہ ایسا ہبہ مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے ۔[۸۷]

دراصل اولاد کو ہبہ کرنے کے سلسلے میں متعدد صورتیں وجود میں آ سکتی ہیں ، ضروری ہے کہ ان ممکنہ صورتوں اور ہر صورت ممکنہ کے ساتھ اس کے حکم کی وضاحت کر دی جائے ۔

---

(۸۶) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ، جلد ۶ صفحہ ۱۲۷

(۸۷) البحر الرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷ ، کتاب الھبہ

۱ ۔ یہ کہ واھب اپنے کل مال سے اس کا کچھ حصہ جو ایک تہائی یا اس سے کم مقدار میں ھو اپنی صحت و تندرستی کی حالت میں اپنی بعض اولاد کو یہ نیت رکھتے ھوئے کہ دیگر اولاد کو آئندہ اسی طرح ھبہ کرے گا ، ھبہ کردے ، اور موھوب لہ کا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس پر قبضہ ھو جائے ، حتیٰ کہ واھب مرض موت میں مبتلا ھو جائے اور دیگر اولاد کو ھبہ نہ کر سکے ۔

۲ ۔ یہ کہ واھب اپنی ایک یا بعض اولاد کو ان کی کسی خاص صفت (علم و فضل، خوش خوئی، حسن خلق و عمل) وغیرہ کی بناء پر اپنے کل مال سے مذکورہ مقدار میں ھبہ کرکے دوسری بعض اولاد پر ترجیح دے ، اور موھوبہ پر موھوب لہ کا اصالتاً یا ولایتاً قبضہ ھو جائے ۔

۳ ۔ یہ کہ واھب اپنے بعض اقربا و رشتہ داران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے مال کی مذکورہ مقدار کا ھبہ کر دے اور ساتھ ھی یہ نیت بھی ھو کہ آئندہ زمانے میں موقع پا کر دوسری کو بھی ھبہ کرے گا اور موھوب لہ کا قبضہ ھو گیا ھو یا یہ کہ نیت کا وجود نہ ھو ۔

ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں ھبہ مکمل و تام اور ناقابل رجعت ھوگا ۔

۴ ۔ یہ کہ واھب کی بعض اولاد کی اپنی چالاکی سے مذکورہ مقدار کا ھبہ کرالے اور اس پر قبضہ کر لے حتیٰ کہ اسی حالت پر واھب کی موت واقع ھو جائے ، اس صورت میں واھب کے لئے علم اور قدرت حاصل ھونے پر مستحب یہ تھا کہ اپنے ھبہ سے رجوع کر لیتا، بصورت ثانیہ ھبہ تام ناقابل رجعت ھو جائے گا ۔

۵ ۔ یہ کہ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں اپنے مال کا نصف یا اس سے کچھ زیادہ حصہ ھبہ کیا گیا ھو ، ایسی حالت میں بھی واھب کے لئے

رجوع کر لینا مناسب ہوگا، لیکن اگر نہ کیا اور موت کا وقت آ گیا تو ہبہ تام و مکمل ہوگا ۔

۶ ۔ یہ کہ واہب اپنی صحت و تندرستی کی حالت میں اپنی کسی اولاد کی چالاکی و جبر کی بناء پر اپنے کل مال کا ہبہ کر دے تو واہب کے انتقال کے بعد موہوبہ متروکہ متصور ہوگا ، کیونکہ یہ اکراہ کی صورت ہوگی ۔

۷ ۔ یہ کہ واہب برضا و رغبت یا اپنے رشتہ دار وغیرہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام مال کا ہبہ کسی کے نام کر دے اور موہوب لہ کا قبضہ بھی ہو جائے اور واہب اسی حالت میں مرض موت میں مبتلا ہو جائے، اور موہوبہ بحالہ موجود ہو ۔

۸ ۔ یہ کہ مسئلہ (۷) ہی ہو لیکن موہوب لہ کا قبضہ موہوبہ پر نہ ہوا ہو ۔

ان دونوں صورتوں میں ہبہ قابل ابطال و قابل رد ہوگا ۔ حاکم وقت کا فرض ہوگا کہ ہبہ کو باطل قرار دے کر میت کا متروکہ قرار دے دے۔

چنانچہ اس وقت مذکورہ متصورہ صورتوں میں سے جو صورتیں زیر بحث ہیں وہ صرف آخری دو صورتیں (۷) اور (۸) ہیں ۔ جہاں تک ہماری عقل و فہم کا تعلق ہے ان ہی دونوں صورتوں میں ائمہ سلف کا وہ اختلاف ہے جس کو ہم نے مذکورہ بالا صفحات میں تفصیلاً بیان کیا ہے اور یہی وہ دو صورتیں ہیں جن سے دیگر مستحق اولاد کا مکمل طور پر حق متاثر ہوتا ہے اگرچہ بظاہر انسان اپنے حق انفرادی و ملکیت شخصی کے لحاظ سے اپنی صحت و تندرستی میں ہر قسم کے تصرفات کا حقدار متصور ہوتا ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنا مملوکہ مال کسی کنوئیں یا سمندر میں یا برسر راہ پھینک دے ، لیکن حقیقت شرعیہ اس کے خلاف ہے ۔ شریعت اسلامیہ نے انسان کی شخصی ملکیت کو تسلیم ضرور کیا ہے لیکن اس حد تک آزادی

نہیں دی ہے کہ وہ صحیح معنی میں آزادی کی حدود سے بھی تجاوز کر جائے اور اس شخصی ملکیت کے تصور سے آزادی کی حدود سے آگے بڑھ کر ظلم کی حد میں داخل ہو جائے یا ایک عاقل و بالغ انسان کی حد سے تجاوز کر کے ایک مجنوں بلکہ ایک چوپائے کی حد میں داخل ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ایسی مروی ہے جس سے انسان کی ملکیت شخصیہ کا واضح ثبوت موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے ! "کل ذی مال احق بمالہ" ایک مرسل حدیث کا متن ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب مال اپنے مال میں تصرف کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا چاہے تصرف کرے تو پھر اس حدیث کے عموم کی بناء پر وہ تمام تصرفات جائز قرار دئے جائیں گے جو شرعاً ممنوع کر دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ جن تصرفات کو شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے (خواہ یہ ممانعت کتاب اللہ سے کی گئی ہو یا سنت سے) اور اس حدیث کے عموم میں داخل نہیں بلکہ مستثنیٰ ہیں۔ ان ممنوعات کو چھوڑ کر انسان اپنی ملکیت میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے۔ لہذا ان ممنوعہ امور میں سے ایک اس قسم کا ہبہ بھی ہے جس سے دوسرے اقرباء کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقدار بنا دئے گئے ہوں، حق متاثر ہوتا ہو اور باجود مستحق ہونے کے غیر مستحق قرار دئے جاتے ہوں۔ بدیں وجہ جمہور صحابہ و ائمہ مجتہدین سوائے ابراہیم نخعی و ابن سیرین و ابوحنیفہؒ کے اس امر کے قائل ہیں کہ اگر کوئی عاقل بالغ شخص اپنے تصرفات میں اسراف و تبذیر اختیار کرتا ہو تو امام اس کو محجور کر دے یعنی اس کے تصرفات لین دین پر پابندی عائد کر دے اور اس حکم میں امام ابوحنیفہؒ کے ہر دو شاگرد امام ابویوسف و امام محمد نے جمہور فقہاء کی موافقت کی ہے۔ ان کے نزدیک ایک مسرف و مبذر کے ناجائز تصرفات پر پابندی عائد کر دینا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ ابن

حجر عسقلانی نے ان حضرات و دیگر صحابہ وائمہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے : "قال الطبری بعدان حکی اقوال المفسرین فی المراد بالسفہاء الصواب عندنا انہا عامة فی حق کل سفیہ ، صغیراً کان اوکبیراً ذکراً کان او انثیٰ والسفیہ ھوالذی یضیع المال ویفسدہ ، بسوء تدبیرہ" یعنی "ولاتؤتوا السفہاء اموالکم" کی تفسیر میں علامہ طبری نے مفسرین کے اقوال نقل کرکے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک صحیح و صواب یہ ہے کہ یہ آیت ہر سفیہ کے حق میں عام حکم دیتی ہے کہ ان کو تصرفات میں پابند رکھا جائے خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ ہو مرد ہو یا عورت ہو ، سفیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مال کو ضائع کرے یا اس کو فساد کا ذریعہ بنائے اور صحیح تدبیر کے ساتھ تصرف نہ کر سکے ۔

امام بخاری رح نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس سلسلہ میں ایک باب مقرر کرتے ہوئے فرمایا ہے : "باب ما ینہی عن اضاعۃالمال و قول اللہ تبارک و تعالیٰ واللہ لا یحب الفساد ، ولا یصلح عمل المفسدین وقال فی قولہ تعالیٰ أصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا اوان نفعل فی اموالنا ما نشاء قال تعالیٰ ولا تؤ توا السفہاء اموالکم ولحجرفی ذلک وما ینہی عن الخداع" ۔ اس باب کی تشریح میں علامہ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے : "قولہ اصلوتک تأمرک الی قولہ مانشاء قال المفسرون کان ینہا ھم عن افسادھا فقالو ذلک ان شئناحفظنا ھاوان شئناطر حناھا" یعنی امام بخاری نے : "اصلوتک تأمرک الآیہ" والی جو آیت پیش کی ہے یعنی اے شعیب ؑ کیا تمہاری نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ جن معبودوں کی عبادت ہمارے آباء کرتے چلے آ رہے تھے ہم ان کی عبادت چھوڑ دیں اور اپنے شخصی مملوکہ مال میں جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کریں، اس کو چھوڑ دیں ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت شعیب مال میں فاسد طریقہ اختیار کرنے سے ان کو منع فرماتے تھے اس لئے ان کی قوم کے لوگوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر ہمارا دل چاہے گا

تو محفوظ رکھیں گے اور صحیح طریقے پر صرف کریں گے اور اگر دل چاہے گا تو پھینک دیں گے (تم ہم پر پابندی لگانے والے کون ہوتے ہو) ۔

اس کے بعد ابن حجر نے مذکورہ باب کے اس جملے کی :"والحجر فی ذلک" کی تفسیر میں لکھا ہے "والحجر فی اللغة المنع وفی الشرع : المنع من التصرف فی المال فتارة یقع لمصلحة المحجور علیه و تارة لحق غیر المحجور علیه ۔ والجمهور علی جواز الحجر علی الکبیر ، و خالف ابو حنفیه و بعض الظاهریة ووافق ابو یوسف و محمد. قال الطحاوی لم اری احد من الصحابة منع الحجر علی الکبیر ولا عن التابعین الا عن ابراهیم النخعی وابن سیرین" یعنی حجر کے معنی لغت میں منع کر دینا اور شریعت میں مال میں تصرف کرنے سے روک دینا ہے ۔لہذا یہ عمل کبھی تو محجور علیہ کے حق کی حفاظت کی بنا پر کیا جاتا ہے اورکبھی اس کے غیر کے حق کی حفاظت کی بنا پر کیا جاتا ہے ۔ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ بالغ پر حجر (پابندی) کا عمل جائز ہے اور ابو حنیفہ و بعض ظاہریہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ابو یوسفرح اور امام محمدرح نے جمہور کی موافقت کی ہے (کہ پابندی لگانا جائز ہے) ۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ صحابہ میں سے مجھے کسی کی ایسی روایت معلوم نہ ہو سکی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ ان کے نزدیک ایک بالغ شخص پر پابندی لگانا جائز نہیں اور نہ تابعین میں سے سوائے ابراهیم نخعی اور ابن سیرین کے کسی کا قول مل سکا ۔

امام بخاری نے مذکورۂ بالا باب کے تحت حضرت مغیرہ بن شعبہرض کی ایک یہ حدیث روایت کی ہے : "قال النبی صلعم ان الله حرم علیکم عقوق الامهات ، ووأد البنات ، ومنع وهات ، وکره لکم قیل وقال ، وکثیرة السوال، واضاعة المال" یعنی نبی (صلعم) نے فرمایا ، اللہ تعالٰی نے تم پر ماؤں کو عاق کر دینا ، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا دوسرے کو نہ دینا، اور خود اس سے مانگ لینا حرام فرما دیا ہے اور (اسی طرح) تمہارے حق میں یہ

برا سمجھا ہے کہ قیل وقال کرو ، سوال میں زیادتی کرو اور مال کو ضائع کرو ۔

اس حدیث کے تحت علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے: "والمقصود من ایراد هذالحدیث هنا قوله فیه : واضاعة المال ، وقد قال الجمهور ان المراد به السرف فی انفاقه وعن سعیدبن جبیر انفاقه فی الحرام" یعنی اس باب میں اس حدیث کے لانے سے یہ مقصود ہے کہ باب کے عنوان میں بخاری مال کے ضائع کرنے کا ذکر فرما چکے ہیں ، جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے خرچ کرنے میں اسراف کرنا مراد ہے ۔ اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حرام طریقے پر صرف کرنا مراد ہے ۔[88]

امام بخاریرح نے اسی مذکورہ حدیث کو کتاب الادب میں بھی روایت کیا ہے ۔ اس مقام پر علامہ ابن حجر نے "اضاعة المال" کے تحت خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ ان الفاظ سے ادا ہو جاتا ہے : "والاقوی انه ما انفق فی غیر وجه المأذون فیه شرعاً سواء کانت دینیة او دنیویة فمنع منه لان الله تعالیٰ جعل المال قیاماً لمصالح العباد وفی تبذیرها تفویت تلک المصالح" یعنی قوی تر یہ معنی ہیں کہ مال کو ایسے امور میں صرف نہ کیا جائے جس کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو خواہ یہ ضرورت دینی ہو یا دنیاوی ، ایسے تصرف سے انسان کو روک دیا جائے گا ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنے بندوں کے قیام مصالح کا ذریعہ مقرر فرمایا ہے اور بیجا صرف کرنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے ۔[89]

صاحب تفسیر کشاف نے "ولا تبذر تبذیراً" آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے : "تبذیر ، تفریق المال فیمالا ینبغی وانفاقه علی وجه الاسراف" ۔ اس عبارت کی ایک سطر کے بعد لکھا ہے : "وعن عبد الله :هو انفاق المال

(۸۸) فتح الباریابن حجر عسقلانی، مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ع، جلد۵، صفحہ ۶۶-۳۶۵

(۸۹) فتح الباریابن حجر عسقلا نی، مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ع ، جلد ۱۳، صفحہ ۱۰

فی غیر حقه و عن مجاهد : لو انفق مداً فی باطل کان تبذیراً ، وقد نفق بعضهم نفقة فی خیر فاکثر فقال له صاحبه لا خیر فی السرف فقال لاسرف فی الخیر، ۔ وعن عبد الله بن عمر مر رسول الله صلی الله علیه وسلم بسعد وهو یتوضوء فقال ماهذا السرف یا سعد قال اوفی الوضوء سرف ؟ قال نعم و ان کنت علی نهر جار" یعنی تبذیر مال کو متفرق کر دینے کا نام ھے ۔ ایسے طریقه پر جو غیر مناسب ھو ۔ اور جس کو اسراف کہا جاتا ھو ۔ حضرت عبد الله سے مروی ھے ، غیر حق میں مال کو صرف کر دینا تبذیر ھے ، حضرت مجاهد سے منقول ھے اگر کسی شخص نے ایک مد باطل میں خرچ کیا تو یه بھی تبذیر ھوگی ، ایک شخص نے کسی عمل خیر پر بہت زیادہ مال صرف کر دیا ، اس کے دوسرے ساتھی نے کہا کہ اسراف کے طریقه پر صرف کرنے میں خیر نہیں ھے ۔ خرچ کرنے والے نے جواب دیا عمل خیر پر صرف کرنے میں اسراف نہیں ھوتا اور عبد الله بن عمرو سے مروی ھے فرمایا ، کہ حضرت سعد رضی الله عنه وضو کر رھے تھے اتنے میں حضور رسول اکرم (صلعم) کا اس طرف سے گزر ھوا ۔ آپ نے ان کے وضو کرنے کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا : "اے سعد یه اسراف کیسا ؟ " حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول الله کیا وضو (عمل خیر) میں بھی اسراف ھو سکتا ھے ، حضور نے فرمایا ھاں اگر تم جاری نہر کے کنارے پر بھی ھو ۔[۹۰]

یہی مضمون علامه بیضاوی نے اپنی تفسیر کے صفحه ۹۷م میں بیان کیا ھے "بلکه (لاتوء توا السفهاء اموالکم" والی آیت کی تفسیر میں علامه بیضاوی نے فرمایا ھے ، "وقیل نہی لکل احدان یعمدالی ماخوله الله تعالیٰ من المال فیعطی امراتهٗ واولاده ثم ینظر الی ایدیهم وانما سماهم سفهاء استخفافاً بعقلم واستهجاناً لجعهلم قواماً علی انفسهم وهواوفق لقوله تعالیٰ (التی جعل الله لکم قیاماً) ای تقومون بهاوتنتعشون" بعض مفسرین کہتے ھیں اس سے

---

(۹۰) تفسیر کشاف ، مطبوعه بیروت ، جلد ۲ ، صفحه ۶۶۱

ہر شخص کو منع کیا گیا ہے جو اللہ کی عطاء کی ہوئی نعمت غیر مترقبہ مال کو اپنی بیوی یا اولاد کو (کلاً) دے ڈالتا ہے اور پھر خود ان کا دست نگر ہو جاتا ہے ان کو ان کی عقل کی خفّت اور اس مال کو جو ان کی زندگی کے قیام کا سبب ہے،حقیر سمجھ لینے کی وجہ سے ان کو سفیہ فرمایا گیا ہے۔ یہ مطلب اللہ تعالٰی کے آئندہ ارشاد "التی جعل اللہ لکم قیاماً" کے زیادہ موافق ہے ، یعنی مال پر ان کی زندگی کا مدار ہے اسی کے ذریعہ معاش حاصل ہوتی ہے ۔[91]

تفسیر المنارمین علامہ عبدہ نے آیت"ثم ان کثیراً منہم بعد ذلک فی الارض لمسرفون" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے : (والاسراف مجازة الحد فی العمل ای حدالحق والمصلحة ، ویعرف ذالک بالشرع فی الامور الشرعیة وبالعقل و العرف فی غیر ذالک وفی القوم الذین لیس لھم شرع ، کل مایتجاوز فیہ الحد یفسد ، والاصل فی معنی الاسرف الافساد فھومن السرفة وھی (بالضم) الدودة التی تاکل الشجر و الخشب ، اذا کان الاسراف فی فعل الخیر یجعلہ شراً کالنفقة الواجبة والمستجة التی تذھب بالمال کلہ فتفسد علی صاحبھا امر معاشہ فما بالک بالاسراف فی الشر" یعنی کسی عمل میں حد سے تجاوز کر جانے کو اسراف کہتے ہیں ۔ گویا جب حق اور مصلحت کی حد سے تجاوز کیا جائے ، جنانچہ امور شرعیہ میں یہ تجاوز کرنا شریعت کے ذریعہ سمجھ لیا جاتا ہے ، اور غیر شرعی امور میں یا ایسی قوم کے معاملات میں جن کے پاس کوئی شریعت نہ ہو ، ان کے عرف وعقل سے سمجھ لیا جاتا ہے ، اور ہر وہ چیز جو حد سے تجاوز کر جائے فساد پیدا کر دیتی ہے ، اور اسراف کا اصلی معنی فساد پیدا کرنا ہی ہے ۔ چنانچہ یہ لفظ"سرفہ" سے مشتق ہے ، اور سرفہ اس کیڑے کو کہتے ہیں جو درخت اور لکڑی کو کھا جاتا ہے، جب کسی فعل خیر میں اسراف اختیار کیا جائے گا اس فعل کو یہ اسراف

(۹۱) تفسیر بیضاوی ، مطبوعہ مصر ، جلد اول ، صفحہ ۱۷۳

شر بنا دے گا ۔ جس طرح کہ نفقہ واجبہ یا مستحبہ میں تمام مال کو صرف کر دیا جائے ، تو انسان کے معاشی امور میں فساد کا باعث ہو جائے گا ۔ اب آپ خود سمجھ لیں کہ جب اسراف کا عمل کسی فعل شر کے سلسلہ میں ہوگا تو اس کا کیا درجہ ہوگا ۔۹۲

اقوال ائمہ سلف اور مندرجہ بالا مباحث کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جمہور ائمہ اعمال خیر میں حد سے تجاوز کر جانے کو مذموم اور اس حد تک ناجائز تصور کیا ہے کہ ایسے شخص کو محجور تک کرنے کا حکم دیا ہے ۔ نیز سنت سے ایسے متعدد واقعات ثابت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد سے تجاوز کرنے والے شخص کے عمل کو رد فرما دیا ہے حالانکہ اس کا وہ عمل تقرب الی اللہ کے حصول کا ذریعہ تھا ۔ مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بنی عذرہ کے ایک شخص نے اپنا ایک غلام مدبر کر دیا(یعنی اس سے کہہ دیا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگا ۔ حضور (صلعم)نے اس شخص سے فرمایا ، کیا اس غلام کے ماسوا تمہارے پاس اور مال بھی ہے ؟ اس شخص نے عرض کیا نہیں ۔ حضور نے اس غلام کو فروخت(نیلام) کر دیا اور نعیم بن عبد اللہ بن نحام نے آٹھ سو درھم میں اس کو خرید لیا ۔ یہ رقم آنحضرت (صلعم) نے اس شخص کو دے کر فرمایا :"اس رقم سے اولاً اپنی ذات پر صرف کرو اس کے بعد جو باقی رہے وہ اپنے اھل پر خرچ کرو اگر ان سے کچھ باقی رہے تو دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرو پھر اگر ان سے بھی بچ رہے تو ادھر ادھر صدقہ کرو ۔۹۳

حضرت محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انڈے کے

(۹۲) تفسیر المنار ، مطبوعہ مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۵۱
سورہ مائدہ ، صفحہ ۳٦

(۹۳) مسلم ، مطبوعہ مصر ۱۹۲۳ء ، جلد ۷ ، صفحہ ۸۳

برابر سونا لے کر حاضر ہوا ، عرض کیا رسول اللہ یہ میرا کل مال ہے جس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں میں اسے کو صدقہ کرتا ہوں۔ آنحضرت (صلعم) نے اس کو دست مبارک میں لے کر اتنی زور سے دور پھینکا کہ اگر اس شخص کے لگ جاتا تو بڑی چوٹ آتی۔ فرمایا تم میں سے ایک شخص اپنا تمام مال لے کر چلا آتا ہے ، اور (اس کو صدقہ کرنے کے بعد)دوسروں کے لیے اپنے آپ کو بوجھ بنا دیتا ہے ۔[۹۴]

خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ و تابعین وما بعد کے آئمہ و فقہاء نے حدسے متجاوز عمل میںایک عاقل بالغ مسرف شخص کے تصرفات پر پابندی عائد کر دینا جائز اور شریعت اسلامیہ کا عین منشا تصور کیا ہے تو ہمارے موجودہ مسئلہ میں تو صرف اس کے ایک مخصوص فعل کا رد یا باطل کرنا پیش نظر ہے نہ کہ تمام تصرفات پر پابندی عائد کر دینا ۔ انسان کی اپنی شخصی ملکیت کی اثر اندازی اس حد تک صحیح ہوگی جس حد تک خود انسان کی اپنی اور اپنے اقرباء کی زندگی یا معاشی حالات کو خطرہ لاحق نہ ہو ۔ اس سے متجاوز ہو کر ناقابل قبول ہوگی ۔ لہذا اگر کوئی شخص اپنی زندگی و صحت کی حالت میں اپنی کسی ایک اولاد کو اپنے کل مال یا مال کا اتنا زائد حصہ ہبہ کر دیتا ہے جو عام نظر میں ظلم قرار پاتا ہے ، اور اس ہبہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیتا ہے،جبکہ موہوبہ اپنی اصلی حالت پر باقیو موجود ہوتی ہے ، کیوں کہ موہوبہ کو متروکہ قرار دینےکا کوئی مانع موجود نہیں ہوتا، یا قبل موت رجوع کرنے کا کوئی مانع موجود نہیں ہوتا اور اس کی دیگر مستحق اولاد کو ایسے ہبہ سے ضرر پہونچنا یقینی ہوتا ہے ، یا یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ واہب کی نیت ہی نیک نہ تھی یا اس ایک یا زائد اولاد نے فریب اور دھوکہ سے یہ ہبہ کرا لیا تھا تو ایسی یا اس کی مثل دیگر صورتوں میں ہبہ قابل ابطال

(۹۴) المحلی ، ابن حزم ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ٦ ، صفحہ ١٦٨

ہوگا ۔ اور حاکم وقت کو ایسے ہبہ کو باطل کر کے متروکہ میں شامل کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا ۔

البتہ اگر ہبہ کر دینے کے بعد واہب اتنا عرصہ زندہ رہا کہ اس کو اپنے ذرائع معاش سے مزید دولت حاصل کرنے کا موقع ملتا رہا اور موہوب لہ نے موہوبہ میں مالکانہ تصرفات کر ڈالے حتیٰ کہ ہبہ اور موہوبہ کا تصور ہی غائب ہو چکا تو ایسی حالت میں متروکہ قرار دینے یا رجوع کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا ۔ اس لیے کہ اگر اس نوعیت کے تصرفات کو باطل اور رد کرنے کا عمومی حکم لگا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ انسان کے مالکانہ حقوق کلیۃً سلب ہو جائیں گے اور ہر تصرف معرض خطر میں ہوگا ، بلکہ ایسے موقع پر حاکم مجاز کو واہب کے تمام فطری اوصاف و خاندانی و خانگی و معاشرتی حالات پیش نظر رکھ کر جائزہ لینا ہوگا جس طرح کہ رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے بعض مواقع میں جائز رکھا اور بعض مواقع و حالات میں باطل قرار دیا ۔

علامہ شلتوت کا فتویٰ:

متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کے علامہ محمود الشلتوت نے بھی ہبۂ تفضیلی کے مسئلہ میں نہایت سخت الفاظ میں ہبۂ تفضیلی کے خلاف فتویٰ دیتے ہوئے اپنی کتاب فتاوی الشلتوت (صفحات ۳۳۸-۳۴۱) میں لکھا ہے کہ :

> "قانون حجر علی السفیہ یعنی وہ کم عقل جو اپنے مال کو ضائع کرتا ہو یا ایسے موضع پر صرف کرتا ہو جو صرف کا محل نہ ہو تو اس کے لیے قانون یہ ہے کہ اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے باز رکھا جائے ۔ اسی طرح ایک مقروض کو دائنین کے حقوق کی حفاظت کے لیے مالی تصرف سے روک دینا جائز ہے ۔ لہٰذا میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایسے آباؤ اجداد جو اپنی اولاد کو فتنوں میں مبتلا کردیں اور

خاندانی حالات کو ابتر کر دیں اور بعض کو محروم کر کے ان کی طبعی اجتماع کی عمارت کو گرا دیں ، یا بغیر معقول سبب کے بعض کو بعض پر فضیلت دیں ، ان کو (میرے عقیدے میں) مجبور کر دینا (روک دینا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے ۔"

علامہ شلتوت نے عام مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لینے کی نصیحت کرتے ہوئے آخر میں قانون سازوں (افراد یا اداروں) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

"اے قانون بنانے والو ! تم اُمت کی حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے ہو ۔ اپنی امت کی حفاظت کرو اور ایسے قوانین مقرر کرو جو عادلانہ حکمت پر مبنی ہوں ، جو مفسدین اور تخریب کرنے والوں کی دست و برد سے پاک ہوں ۔ ہم اللہ سے ایسی توفیق کے طالب ہیں جس سے امت کی حیات ، طبعی تقاضوں کی حفاظت اور عزت کی سلامتی حاصل ہو سکے ۔"

عدالتی نقطہ نظر :

جسٹس کیکاؤس اور جسٹس اخلاق حسین نے بمقدمہ شفیق اللہ بنام جبار مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۵ء لاهور صفحہ ۱۹۱ قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت مسلمان پر اس کی جائداد کے انتقال کے سلسلے میں جو واحد تحدید (بندش) عائد کی گئی ہے وہ وصیت اور هبہ بحالت مرض الموت سے متعلق ہے ۔ دوسری صورتوں میں مسلمان کا اپنی جائداد کو منتقل کرنے کا اختیار غیر مقید ہے ۔ چنانچہ ایک مسلمان کا بعض ورثا کے حق میں هبہ کرنا جس میں کہ دوسرے ورثاء کو نظر انداز کیا گیا ہو جائز ہو گا اس کا یہ فعل کہ وہ اپنے کچھ یا سب بچوں کو محروم کر دے اور اپنی زندگی میں اپنی جائداد بذریعہ هبہ منتقل کر دے ، غیر مستحسن ہو گا ۔

لیکن قرآن پاک میں ایسے ہبہ کرنے سے منع نہیں کیا گیا الا یہ کہ وہ شخص مرض الموت میں مبتلا ہو ۔ اس فیصلے میں فاضل ججان نے پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے (بمقدمہ سردار احمد بنام شہرت خاں مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۰ء ، پشاور ، صفحہ ۴۵)[۹۴] سے اختلاف کیا جس میں ایسے ہبہ کو ناجائز کہا گیا تھا ۔

نتیجۂ فکر :

مندرجہ بالا مباحث کا دقّت نظری کےساتھ جائزہ لینےکےبعدہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہبۂ تفضیلی کو قابل ابطال (voidable) قرار دیا جائے، الایہ کہ اس کی بنیاد مصلحت شرعی پر ہو مثلاً باپ فاسق و فاجر اولاد کو محروم کر دے اور ایک سعید و صالح اولاد کو ہبہ کر دے ۔ ہبہ تفضیلی کی صورت میں اولاد محروم کو یہ حق ہو گا کہ وہ اس ہبہ کو بذریعہ عدالت باطل قرار دلائے اور اگر عدالت واہب کے فعل کو لازم قرار دینے کے لیے کوئی شرعی مصلحت نہ پائے تو اسے اختیار ہو گا کہ واہب کو اپنے ہبہ سے رجوع کرنے کا حکم دے ۔ عدم تعمیل کی صورت میں ہبہ کو غیر نافذ قرار دے دے کیونکہ عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ فریق مقدمہ پر کسی امر کو جو اس کے ذمہ واجب ہے انکار کی صورت میں اس پر لازم کر دے ۔ اگر واہب حکم عدالت سے قبل فوت ہو چکا ہو تو عدالت کو اختیار ہو گا کہ ہبہ کے غیر نافذ قرار دیے جانے کی صورت میں شئے موہوبہ کو حسب قانون وراثت ورثاء میں تقسیم کر دے ۔ البتہ اس ضمن میں ”ہبہ کے رجوع“ کے احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۹ کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا ۔

ہبہ تا حین حیات

۱۷۳ ۔ (۱) ہبہ حین حیات جائز ہے ۔

(۲) جو شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی شئے تاحین حیات ہبہ کرے تو وہ شئے موہوب لہ کے لیے اس کی حیات تک ہو گی اور اس

---

(۹۴) سردار احمد خاں بنام شہرت خاں ، پی ایل ڈی ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۵

کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی قرار پائے گی اور تاحین حیات کی شرط باطل قرار پائے گی ۔

تشریح

"عمریٰ" اور "عطیه" کے الفاظ ھبه کے درجه میں ھیں ، کیونکه یه سب الفاظ ایک معنیٰ سے عبارت ھیں اور وہ ھے ھبه کے طریقے پر مالک بنانا ۔ فقہی اصطلاح میں حین حیاتی ھبه کو "عمریٰ" کہا جاتا ھے ۔ از روئے شرع حین حیاتی ھبه جائز ھے ۔[95]

حین حیاتی ھبه ، جس کو فقه اسلام میں "ھبه عمریٰ" کہا جاتا ھے ، یه ھے که کوئی شخص کسی شئے کو اس شرط کے ساتھ ھبه کرتا ھے که شخص موھوب لہه اس شئے کا تاحیات مالک رھے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ شئے ھبه کرنے والے کو لوٹ جائے گی ۔ از روئے شرع اسلام ایسا ھبه جائز ھو گا ، لیکن شخص موھوب لہه کی وفات کے بعد اس شئے کی ملکیت ھبه کرنے والے کو نہیں لوٹ سکتی بلکه موھوب لہه کے وارث اس کے مستحق ھوں گے ۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر ھبه کرے که جب وہ مرے تو وہ شئے واھب کو واپس ھو جائے گی ، ایسی صورت میں ھبه جائز ھو گا مگر شرط باطل ھو گی ۔[96] اس کی بنیاد وہ حدیث ھے جو حضور (صلعم) سے روایت کی گئی ھے که آپ نے عمریٰ کو جائز اور شرط کو باطل

---

(۹۵) المختصر القدوری ، مطبوعه قرآن محل کراچی ، صفحه ۱۳۰
الاختیار لتعلیل المختار ، عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ) مطبوعه مصر ۱۹۵۱ ، جلد ۳ ، صفحه ۵۳

(۹۶) ھدایه ، برھان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) مطبوعه سعیدی قرآن محل ، جلد ۳ ، صفحه ۲۹۲
الاختیار لتعلیل المختار عبداللہ بن محمود بن مودود ، (۶۸۳ھ) مطبوعه مصر ۱۹۵۱ع ، جلد ۳ ، صفحه ۵۳
مجمع الانھر داماد آفندی (۱۰۷۸ھ) ، مطبوعه مصر ۱۳۲۸ھ ، جلد ۲ ، صفحه ۳۶۶

قرار دیا ہے ۔ یعنی موہوب لہ کی موت کے بعد شئے موہوبہ کا واہب کی طرف لوٹ جانے کی شرط کو باطل فرمایا ۔

بر ابنائے استحسان اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ موہوب لہ کو شئے موہوبہ کا کامل حق اور اختیار حاصل ہو جائے اور کوئی شرط جو اس کے حق کی تکمیل یا اختیار استعمال (بشمول فروخت وغیرہ) میں رکاوٹ کا موجب ہو باطل قرار دی جائے ۔ چنانچہ ایسے ہبہ کا قانونی اثر یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے حق میں حین حیاتی ہبہ کیا جاتا ہے وہ اس شئے کا قطعی مالک ہو جاتا ہے ۔

احادیث سے استناد :

تا زندگی کسی شئے کے ہبہ کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ (صلعم) سے متعدد روایتیں ملتی ہیں ، جن کو امام مسلم نے صحیح مسلم شریف میں بیان کیا ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلعم) نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص عمریٰ کرے تو وہ اسی کا ہو جائے گا جسے عمریٰ دیا گیا اور دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گا "۔

حضرت جابر سے ایک اور روایت بھی امام مسلم نے بیان کی ہے کہ :
"مدینہ منورہ میں ایک عورت نے اپنے بیٹے کو عمریٰ کے طور پر ایک باغ دیا، بعد ازاں وہ بیٹا مر گیا اور پھر وہ عورت بھی مر گئی ۔ اس عورت نے اولاد اور بھائی چھوڑے ، عورت کی اولاد نے کہا کہ باغ ہماری طرف آ گیا اور لڑکے کی اولاد نے کہا کہ باغ ہمارے والد کا تھا اس کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی ۔ چنانچہ دونوں نے حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام طارق کے سامنے اپنا قضیہ پیش کیا ۔ انھوں نے حضرت جابر کو بلایا ۔ حضرت جابر نے رسول اللہ صلعم کے ارشاد پر گواہی دی ۔ چنانچہ طارق نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا ۔

اس کے بعد طارق نے عبدالملک بن مروان کو لکھا اور حضرت جابر کی گواہی کا تذکرہ بھی کیا ۔ عبدالملک نے کہا حضرت جابر نے سچ کہا ہے ۔ پھر طارق نے حکم جاری کر دیا اور وہ باغ آج تک اس لڑکے کی اولاد کے پاس ہے ۔[۹۷]

شیعی نقطۂ نظر :

علامہ نجم‌الدین ابی جعفر الحلی نے شیعی فقہ پر اپنی مشہور تصنیف شرائع‌الاسلام کی کتاب السکن و الحبس میں لکھا ہے کہ سکنیٰ (کسی کو سکونت کے لیے مکان بخش دینا) وہ عقد ہے جو ایجاب و قبول اور قبضہ کی احتیاج رکھتا ہے اور اس سے کسی کو استیفاء منفعت پر مع بقاء ملک مالک مسلط کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس کے اسماء اختلاف نسبت کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں پس جب کہ عمر کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اسی کو عمریٰ کہتے ہیں اور جب کہ اسکان (مکان میں رہنے کی اباحت کرنے) سے متصل کیا جاتا ہے تو سکنیٰ کہلاتا ہے اور جب کسی مدت کے ساتھ متصل ہو تو سکنیٰ اور رقبیٰ کہتے ہیں ۔"رقبیٰ" "ارتقاب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "انتظار" کے ہیں ۔ چونکہ اس معاہدہ میں مدت معینہ کا انتظار کیا جاتا ہے اس لیے اس کو "رقبیٰ" کہا گیا اور یا رقبہ، ملک سے ماخوذ ہے، جس سے اعطاء رقبۂ ملک مراد ہے ۔ چونکہ مالک مکان اس کے رقبہ کو نفع حاصل کرنے کے لیے تامدت معینہ عطا کر دیتا ہے اس لیے اس کو رقبیٰ کہنا صحیح ہوا اس عقد کی عبارت "اسکنتک یا اعمر تک یا رقبتک ھذہ الدار یا ھذہ‌الارض یا ھذء المسکن عمرک یا عمری یا مدۃ معینہ" یعنی میں نے تجھ کو یہ مکان یا یہ زمین یا یہ مسکن یعنوان عمریٰ یا بعنوان رقبیٰ تیری عمر یا فلاں مدت تک دے دیا ہے ۔ اور علاوہ اس کے جو عبارت اس

---

(۹۷) صحیح مسلم ، امام مسلم ، مطبوعہ مصر ، جلد ۱۱
کتاب الھبات ، صفحات ۶۹-۷۲

مطلب کو مفید ہو گی وہی کافی ہو گی اور یہ عقد قبضہ دینے سے لازم ہو جاتا ہے ۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اگر قصد قربت کا ہوگا تو لازم ہو گا ورنہ نہیں ، لیکن قول اول زیادہ مشہور اور مختار ہے اور اگر "لک سکنیٰ ھذہ الدار ما بقیت یا حییت" یعنی تجھ کو اس مکان میں اپنی عمر بھر سکونت کرنے کا اختیار ہے کہے گا تب بھی جائز ہو گا اور حق سکنیٰ (منفعت سکونت) ساکن (سکونت کرنے والا) کی وفات کے بعد علی الاشبہ مسکن (سکنیٰ کا دینے والا) کی طرف عود کرےگا (لوٹ جائے گا) لیکن اگر "لک سکنیٰ ھذاہ‌الدار مابقیت فاذامت رجعت الی" یعنی تجھ کو اس مکان میں اپنی عمر بھر سکونت کرنے کا اختیار ہے لیکن تیرےمرنے کےبعد مجھے واپس‌مل جائے گی کہے گا تو قطعاً عود کرے گا اور اگر "اعمر تک ھذالدار لک و لعقبک" یعنی میں نے اس مکان میں تجھ کو اور تیری نسل کو بعنوان عمریٰ کہا تو عمریٰ ہو گا جب تک ساکن کی نسل باقی رہے گی اس کو سکونت کا حق حاصل رہے گا ۔ اولاد کے منقضی ہونے کے بعد اصل مالک (معمر) کی طرف واپس ہو جائے گا ۔[۹۸] اور جب کہ سکنیٰ کو کسی مدت تک معین کر دے تو قبضہ دینے سے لازم ہو جاتا ہے اور سکونت کا حق دینے والے کو قبل انقضاء مدت معینہ اس میں رجوع کرنے کا اختیار نہیں رھتا ۔ اور اگر حق سکنیٰ تا حیات مالک دیا جائے تو موت معمر (جس کے لیے سکونت کا اختیار دیا گیا ہے) کے بعد مالک کی طرف عود نہ کرے گا بلکہ مالک کی حیات تک اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گا اور اگر سکنیٰ کو عمر معمر کے ساتھ مقرون کرے اور وہ مر جائے تو ملکیت اس کے وارث کی طرف منتقل نہ ہو گی ، بلکہ مالک کی طرف عود کرے گی اور اگر سکنیٰ کے لیےکوئی مدت متعین ہو تو مالک کو ہر وقت اس کے فسخ

---

(۹۸) الاستبصار ، جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۴۶۰ھ) ، مطبوعہ نجف ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۰۴

کرنے کا اختیار حاصل ہو گا اور جس چیز کا وقف کرنا صحیح ہے اس کا بعنوان عمریٰ دینا بھی صحیح ہے جیسے مکان اور مملوک اور اثاث (اسباب) وغیرہ اور بیع سے عقد عمریٰ باطل نہیں ہوتا بلکہ مالک کو اس شرط پر وفا کرنا واجب ہے جو مکان کے لیے ہو چکی ہے (پس صورت بیع میں مالک کو تامدت معینہ مشتری سے ساکن کے لیے منفعت سکونت پر وفا کرنے کی شرط کرنا لازم ہو گا) اور اطلاق سکنیٰ فقط ساکن اور اس کے اہل وعیال کی سکونت کرنے کو مقتضی ہے اور ساکن کو علاوہ اپنے اہل و عیال کے کسی اور کا سکونت کرنا جائز نہ ہو گا ۔ الا یہ کہ ایسی کوئی شرط موجود ہو تو اور اسی طرح ساکن کوسکنیٰ کا اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ بلا اجازت مسکن کسی غیر کا شریک کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اپنے گھوڑے کو فی‌سبیل‌اللہ یا اپنے غلام کو خانۂ کعبہ یا مسجد کے لیے وقف کرے تو لازم ہو گا اور تا بقاء عین اس کا متغیر کرنا جائز نہ ہو گا ، لیکن اگر کسی شخص پر بلا تعین مدت حبس کی جائے تو وہ شئے وفات حابس کے بعد میراث ہوجائے گی اور اسی طرح اگر مدت معین ہو اور وہ گذر جائے تو بھی ورثہ حابس کے لیے میراث ہو گی ۔[99]

هبہ رقبیٰ

۱۷۴ ۔ هبہ رقبیٰ ناجائز ہے ۔

تشریح

لفظ "رقبیٰ" "مراقبت" سے مشتق ہے ۔ "هبۂ رقبیٰ" کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرا تو یہ چیز تیرے لیے ہے اور تو مجھ سے پہلے مرا تو یہ چیز میرے واسطے ہے ۔ اس صورت میں ان دونوں میں ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے ۔

(۹۹) شرائع الاسلام، نجم‌الدین ابی جعفر الحلّی (۶۷۶ھ)، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۲

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہبہ رقبیٰ ناجائز ہے اور اس کا حکم عاریت کا ہوگا۔ لیکن امام ابویوسف کے نزدیک ہبہ رقبیٰ جائز ہے۔[100] لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے چنانچہ ایسا ہبہ ناجائز ہو گا۔

ظاہریہ کے نزدیک ہبۂ عمریٰ اور ہبہ رقبیٰ دونوں ہبہ صحیح و تام ہیں اور معمر یا رقبیٰ کرنے والے کی تمام شرطیں باطل ہوں گی جس کے لیے ہبہ عمریٰ یا ہبہ رقبیٰ کیا گیا ہے۔ اشیاء اس کی ملکیت ہوں گی اور اس کی میراث میں شامل ہو جائیں گی۔[101] شیعی نقطۂ نظر دفعہ ۱۷۳ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

ہبہ بالعوض

۱۷۵ ۔ جب کوئی ہبہ معاوضہ کے ساتھ کیا جائے تو وہ ہبہ بالعوض کہلائے گا جو حصول عوض کے بعد نافذ متصور ہو گا۔

تشریح

اگر ہبہ بالعوض ہو تو دونوں عوضوں پر قبضہ شرط ہے اور قبضہ کے بعد ہی ہبہ درست ہو گا۔ ہبہ بالعوض کا حکم بیع کا ہے چنانچہ عیب یا خیار رویت کی بناء پر رد کیا جا سکتا ہے۔[102]

ہبہ بالعوض وہ ہبہ ہے جو بدل کے معاوضے میں کیا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایک قسم کی بیع (فروخت) ہے اور اس میں معاہدہ بیع کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، اس لیے اس میں تکمیل کے لیے قبضہ دہی کی شرط نہیں ہوتی، جیسا کہ سادہ ہبہ میں لازم ہے۔ مزید برآں اس کے ذریعے سے مشاع جائداد (جائداد کے غیر منقسمہ حصہ) کا قابل تقسیم حصہ بھی منتقل ہو

---

(۱۰۰) المختصر القدوری، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، صفحہ ۱۳۰
(۱۰۱) المختصر القدوری، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، صفحہ ۱۳۰
(۱۰۲) ہدایہ، برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ)، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، جلد ۳، صفحہ ۲۹۱
البحر الرائق مع کنز عربی، مطبوعہ مصر، جلد ۷، صفحہ ۲۹۵
المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۶، صفحہ ۱۰۲

سکتا ہے ، لیکن ھبہ بالعوض کے جواز اور تکمیل کے لیے حسب ذیل دو شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے :-

(۱) موھوب لہہ کی طرف سے حقیقی طور سے عوض کا ادا کیا جانا ۔

(۲) واھب کا نیک نیتی کے ساتھ فی الفور جائداد موھوبہ کی ملکیت سے دست بردار ھو جانے اور اسے موھوب لہہ کو دے دینے کا اظہار ۔

عوض کا کافی ہونا لازم نہیں ہے اس کی مقدار خواہ کچھ ھو، مگر اس کا حقیقی طور سے اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے ۔

ایک شخص نے دوسرے شخص کو پانچ درھم اور کپڑا ھبہ کیا اور موھوب لہہ نے ان دونوں پر قبضہ لے لیا ، پھر موھوب لہہ نے اس مجموعی ھبہ سے کپڑا یا درھم ھبہ کئے تو یہ عوض نہ ھوگا ۔[۱۰۳]

اگر ایک نشست (مجلس) یا دو نشستوں (مجاسوں) میں دو مختلف معاھدے ھوں اور ایک نے دوسرے کو عوض دیا ھو تو یہ ازروئے قیاس عوض کہلائے گا ۔[۱۰۴]

موھوب لہہ نے واھب کو کوئی شئے ھبہ کی اور یہ نہ کہا کہ یہ شئے واھب کے ھبہ کا عوض ہے (تو یہ ھبہ بالعوض نہ ھوگا) اور واھب اپنے ھبہ میں رجوع کرنے کا مجاز ھوگا ۔

عدالتی نقطۂ نظر :

بمقدمہ شمس النساء بی بی بنام عبدالغفور[۱۰۵] ڈھاکہ ھائی کورٹ نے قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت ھبہ کے جائز ھونے کے لیے خواہ وہ ھبہ بلاعوض

---

(۱۰۳) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ، جلد ۱۲، صفحہ ۸۱
البحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ) ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۹۲

(۱۰۴) المبسوط، امام سرخسی(۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۸۱

(۱۰۵) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۴ ڈھاکہ ، صفحہ ۳۵۱

ہو یا بالعوض یا بشرط العوض ان میں حسب ذیل لازمی اجزا کا پایا جانا ضروری ہے :-

(۱) واہب کا موہوب لہہ کے حق میں شئے موہوبہ کی منتقلی کا اظہار یا اعلان ۔

(۲) موہوب لہہ یا اس کی جانب سے ہبہ کی قبولیت ۔

(۳) شئے موہوبہ واہب کی جانب سے موہوب لہہ کے حق میں قبضے کی حوالگی ۔

ہبہ کی قبولیت صریحی یا معنوی ہو سکتی ہے نیز قبضے کی حوالگی بھی حالات کے تحت حقیقی یا تعبیری درست ہوسکتی ہے۔ لیکن کوئی معاملہ جو ان لازم اجزا کے بغیر ہوگا یا ان میں تغیر کے ساتھ ہوگا اسلامی قانون کے تحت ہبہ تصور نہیں کیا جا سکتا ۔

فاضل ججوں نے مذکورہ بالا مقدمے میں یہ قرار دیا کہ ہبہ بالعوض پاکستان میں شرع اسلام کے قواعد کے تابع نہیں ہے بلکہ عام ملکی قوانین کا تابع ہے ۔

ایک ایسا ہبہ جو بیوی کے حق میں بالعوض مہر کیا گیا ہو اس میں قبضہ دہی شرط نہ ہوگی ۔[۱۰۶]

جسٹس کیکاؤس نے بمقدمہ فضل احمد بنام رکھی مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۸ ، لاہور ، صفحہ ۲۱۸ یہ قرار دیا کہ ہبہ بالعوض میں قبضہ کی حوالگی ضروری ہے ۔ انہوں نے قرار دیا کہ مسلم قانون میں ہبہ بالعوض دو ہبوں پر مشتمل ہے ، جس میں ایک ہبہ دوسرے ہبہ کا عوض ہوتا ہے ۔ ہبہ بالعوض میں دوسرا ہبہ جس وقت کہ پہلا ہبہ کیا جاتا ہے تصور میں نہیں ہوتا یعنی پہلے ہبہ سے کوئی شرط متعلق نہیں ہوتی کہ دوسرا

(۱۰۶) پی ایل ڈی ، ۱۹۵۵ء ، ڈھاکہ ، صفحہ ۳۹

هبہ کیا جانا ضروری ہے ۔ دوسرا واهب اس امر کے لیے آزاد ہے کہ وہ هبہ کرے یا نہ کرے اس لیے پہلا هبہ قبضے کی حوالگی سے مکمل هو جائے گا ۔ دوسرا هبہ بھی ایک عام اور سادہ هبہ ہے محض اس فرق کے ساتھ کہ پہلا هبہ اس دوسرے هبہ کے لیے سبب فراهم کرتا ہے ۔ حقیقت میں هبہ بالعوض کو ایک علیحدہ درجے میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ اگر یہ نہ هوتا کہ جب ایک بار سوهوب لهہ نے بھی اس کے معاوضے میں هبہ کر دیا هو اور پہلے واهب نے دوسرے هبہ کو قبول کر لیا هو تو هبہ میں رجوع نہیں هو سکتا ۔ دوسرے هبہ کو تسلیم کرنے کے بعد وہ یعنی پہلا واهب اپنے هبہ کو رد نہیں کر سکتا جب وہ اس امر کا پابند ہے تو دوسرا واهب بھی اسی بناء پر اس کا پابند ہے ۔ هبہ بالعوض میں پہلا معاملہ ایک بلا معاوضہ انتقال ہے اور کوئی ذمہ داری پیدا نہیں کرتا ۔

جب کہ ایک دستاویز عوض کے نہ هونے کے سبب هبہ بالعوض کی حیثیت سے قائم نہیں رہ سکتی تو اگر واهب کی نیت پائی جائے اور جائز هبہ کی شرائط هبہ نامے میں موجود هوں اس کو سادہ هبہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔[۱۰۷]

هبہ بالعوض کی صورت میں عوض نہ هونے کی بناء پر هبہ ناجائز هوگا ۔[۱۰۸]

هبہ بہ عوض خدمت :

اگر وہ خدمات جو سوهوب لہ نے انجام دی هیں ایک رقمی مالیت رکھتی هیں اور ایسی خدمات کے بدلے میں ایک هبہ کیا جاتا ہے تو وہ معاملہ هبہ بالعوض ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ ایک مبادلہ جائداد بہ جائداد ہے ۔ لیکن جب ایسی خدمات جو کوئی رقمی مالیت نہ رکھتی هوں تو دستاویز هبہ میں خدمت کا اظہار محض هبہ کرنے کی ایک غرض (موٹیو)

---

(۱۰۷) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۰ء ، ڈھاکہ ، صفحہ ۱۲۰
(۱۰۸) پی ایل ڈی ، ۱۹۵۸ء ، ڈھاکہ ، صفحہ ۱۹۸

ہو سکتی ہے ۔ یہ ہبہ کا معاوضہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں ہبہ ایک سادہ ہبہ ہوگا نہ کہ ہبہ بالعوض ۔ دفعہ ۲۵ قانون معاہدہ کی توضیح ایسی صورت میں پوری طرح منطبق ہوتی ہے اور ہبہ مکمل طور پر جائز ہوگا اگرچہ اس کے لیے بدل نہ ہو ۔

چنانچہ جسٹس وحیدالدین احمد نے بمقدمہ بہادر بنام جان محمد مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۰ کراچی ، صفحہ ۳۴۷ قرار دیا کہ خدمات کے معاوضے میں جو موہوب للہ نے انجام دی ہوں کسی شے کا ہبہ کرنا ہبہ بالعوض یا ہبہ بشرط العوض نہ ہوگا ، کیونکہ واہب اور موہوب لہٗ کے درمیان کسی جائداد کا تبادلہ نہیں ہوا ۔ محض اس بناء پر کہ جو موہوب للہ نے واہب کی خدمات انجام دی ہیں ان کو مالیت میں منتقل کیا جا سکتا ہے یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ موہوب للہ نے ان خدمات کو واہب کو تبادلے میں دیا ہے ۔ خدمات یا تو ماضی میں کی جاتی ہیں یا زمانہ مستقبل میں ، لہذا ایسی صورت میں موہوب لہٗ کی جانب سے واہب کو کسی بھی جائداد کا فوری تبادلہ نہیں کیا جا سکتا ۔

ہند و پاکستان میں ہبہ بالعوض کی نوعیت :

جسٹس چنگیز نے بمقدمہ بھگنی بنام منظور حسین شاہ مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۷ لاہور، صفحہ ۴۷۵ ، قرار دیا کہ حقیقی ہبہ بالعوض میں دو نمایاں اور آزاد افعال ہوتے ہیں ۔ پہلا اصلی ہے اور دوسرا جوابی ہبہ ہے جو پہلا موہوب لہٗ عوض یا مبادلے میں کرتا ہے ۔ یہ جوابی ہبہ جو پہلا موہوب لہٗ کرتا ہے حقیقی ہبہ بالعوض کہلاتا ہے ۔ لیکن برصغیر ہند و پاکستان میں معروف ہبہ بالعوض صرف ایک فعل ہے جو عوض یا مبادلہ ہبہ کے معاہدے میں شامل ہونے کے سبب اس کا براہ راست بدل ہوتا ہے ۔ حقیقت میں یہ صحیح طور پر ہبہ بالعوض نہیں بلکہ ایک بیع یا تبادلہ

ہے بہرکیف اس کی جیسی بھی صورت ہو یہ معاهدات کے تمام لوازمات رکھتا ہے ۔

هبہ بالعوض میں رجوع :

جب موهوب لہہ نے واهب کے هبہ کا عوض دے دیا هو اور واهب نے اس عوض پر قبضہ کر لیا هو تو واهب کے لیے جائز نہ هوگا کہ وہ اپنے هبہ میں رجوع کرے اور نہ هی عوض دینے والے (موهوب لہہ) کے لیے جائز هوگا کہ وہ اپنے عوض میں رجوع کرے ۔[۱۰۹]

یہ امر یکساں نوعیت کا حامل ہے کہ جو شئے هبہ کے عوض میں دی جائے وہ تھوڑی ہے یا بہت اور شئے موهوبہ کی قسم سے ہے یا غیر قسم سے ، لیکن اگر هبہ ایک هزار درهم هو اور معاوضہ ان درهموں میں سے ایک درهم هو تو یہ اس هبہ کا معاوضہ هوگا اور واهب اپنے هبہ میں رجوع کر سکتا ہے ۔ اسی طرح اگر ایک نصرانی نے ایک مسلمان کے حق میں هبہ کیا اور مسلمانوں نے اس کے معاوضے میں شراب یا خنزیر دیا تو وہ عوض نہ کہلائے گا ، نیز ایک نابالغ کے مال میں سے اس کے باپ نے کوئی چیز هبہ کی اور موهوب لہہ نے اس کا عوض دیا تو یہ تعویض عن‌الهبہ باطل ہے ۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے هبہ کیااور باپ نے نابالغ کے مال میں سے اس کا معاوضہ دیا تو یہ جائز نہ هوگا ۔[۱۱۰]

اگر دو مختلف عقد ایک مجلس یا دو مجلسوں میں هوں اور ان میں سے ایک عقد دوسرے عقد کا معاوضہ هو تو احناف کے نزدیک بربنائے قیاس یہ عوض کہلائے گا ۔ بشر کی روایت سے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ

---

(۱۰۹) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۷۵
البحرالرائق،ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۹۲

(۱۱۰) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲ ،صفحہ ۷۸
البحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱، جلد ۷ صفحہ ۲۹۲

عوض نہ ہوگا۔۱۱۱

جب کہ موہوب لہ نے واہب کے حق میں کوئی چیز ہبہ کی اور یہ نہ کہا کہ یہ تمہارے ہبہ کا معاوضہ ہے تو واہب کو اپنے ہبہ میں رجوع کا حق ہوگا۔۱۱۲

ہبہ بشرط عوض

۱۷۶ - جب کوئی ہبہ معاوضے کی شرط کے ساتھ کیا جائے تو وہ "ہبہ بشرط عوض"، کہلائے گا۔ ایسا ہبہ شرط عوض کی تکمیل پر نافذ ہوگا۔

تشریح

ہبہ بشرط عوض کی صورت میں عوض بطور ایک شرط کے فریقین پر لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں اس کی نوعیت ہبہ کی ہوتی ہے لیکن جب شئے موہوبہ پر موہوب لہ کا اور عوض پر واہب کا قبضہ ہو جاتا ہے تو اس کی حیثیت بیع کی ہو جاتی ہے۔

ہبہ بشرط عوض میں بھی سادہ ہبہ کی طرح قبضہ دہی لازم ہے اور وہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے لیکن جب موہوب کو عوض دے دے تو اس کے بعد وہ ہبہ ناقابل تنسیخ ہو جاتا ہے۔

برصغیر ہند و پاکستان میں ہبہ بشرط عوض کا رواج نہیں ہے بلکہ ہبہ بالعوض ہی کی بیشتر مثالیں ملتی ہیں۔ ہبہ بالعوض اور بشرط عوض میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں موہوب لہ جو عوض دیتا ہے اپنی خوشی سے دیتا ہے جب کہ ہبہ بشرط عوض کی صورت میں عوض دینے کا تشریح کے ساتھ فریقین میں اقرار ہو جاتا ہے۔

---

(۱۱۱) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۸۱
البحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱، جلد ۷، صفحہ ۲۹۲
(۱۱۲) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۸۲
البحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۹۲
مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، جلد ۲، صفحہ ۳۶۲
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۹۵۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۵۳

ھبہ بشرط العوض اور ھبہ بالعوض میں فرق :

مندرجہ بالا فرق کے پیش نظر ھبہ بالعوض کی حسب ذیل دو قسمیں ھیں :

(۱) پہلی قسم وہ ھے جس میں معاوضہ بطور شرط کے ھوتا ھے اس کو ھبہ بشرط العوض کہا جاتا ھے ۔

(۲) دوسری قسم وہ ھے جس میں معاوضہ مشروط نہیں ھوتا بلکہ موھوب لہھ اپنی مرضی سے بغیر کسی شرط کے اپنے واھب کے حق میں ھبہ کر دیتا ھے ۔ یہ قسم ھبہ بالعوض کہلاتی ھے

ھبہ بشرط العوض اور بیع میں ایک صوری فرق ھے ۔ جہاں تک ھبہ بشرط العوض کا تعلق ھے یہ تاتکمیل ایک ھبہ ھے ۔ تکمیل پر یہ بیع ھو جاتا ھے ۔ اس لیے اسلامی قانون ، ھبہ بشرط العوض پر اس وقت لا گوھوگا جب کہ وہ مکمل ھو جائے یعنی بعد تکمیل اس پر بیع کے احکام مرتب ھوں گے ۔

شیعی نقطہ نظر :

علامہ محقق الّحلی نے شیعی فقہ کی اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام' میں لکھا ھے کہ "جب کوئی شخص کسی کو کچھ سال ھبہ کرے اور اس کو کسی قید کے ساتھ مقید نہ کرے تو یہ ھبہ مشروط بہ ثواب (عوض دینا) نہ ھوگا چنانچہ اگر موھوب لہھ کوئی شئے بعوض ھبہ واھب کے حوالہ کرے اور وہ اس کو قبول کرلے تو واھب کو ھبہ میں رجوع کرنا صحیح نہ ھوگا اس لیے کہ قبول عوض کے بعد عقد ھبہ لازم ھو جاتا ھے (یعنی واھب کو اختیار رجوع باقی نہیں رھتا) اور اگر واھب ھبہ کو مشروط بہ ثواب (عوض) کرے گا تو وہ شرط صحیح ھوگی خواہ اس کو معین کرے یا نہ کرے اور واھب کو اپنے ھبہ میں اس وقت تک رجوع کرنے کا

اختیار ہوگا جب تک کہ عوض مشروط (جس کی شرط کی گئی ہے) اس کے حوالے نہ کر دیا جائے اور جب کہ واہب مقدار عوض کو معین نہ کرے تو موہوب لہ کو اختیار ہے جو مقدار چاہے اس کے حوالے کرے اگرچہ قلیل ہو اور واہب کو اس عوض پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے ہبہ میں رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا اور موہوب لہ عوض مشروط کے دفع کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو مال موہوب اور عوض مشروط میں سے ایک کے دفع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا اور اگر اس حالت میں مال موہوب اس کے پاس تلف ہو جائے تو موہوب لہ اس کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ یہ تلف (یا عیب) اس کی ملک میں حادث ہوا ہے (اور اس میں تردّد ہے) ۔۱۱۳

ظاہریہ کا مسلک :

ظاہریہ کے نزدیک ہبہ بالعوض یا بشرط عوض باطل ہے ہر دو صورتوں میں ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کو واپس لے گا ۔۱۱۴

ہبۂ موقوف

۱۷۷ ۔ ایسا ہبہ ناجائز ہوگا جس کا نفاذ کسی آئندہ وقت کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہو ۔

تشریح

ہبہ کسی امر کے وقوع پر موقوف نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ ایسا ہبہ جو کسی دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہو ، کالعدم ہے ۔

ہبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ قبضہ بھی نہ دیا گیا ہو ، چنانچہ ہبہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہبہ زمانہ مستقبل میں نافذ ہوگا ۔۱۱۵

---

(۱۱۳) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۴

(۱۱۴) المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۲۴

(۱۱۵) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۰ء ، ڈھاکہ ، صفحہ ۳

هبہ مشروط

۱۷۸ ۔ جب هبہ کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو اس کی تکمیل میں نقص پیدا کرتی هو تو یہ شرط کالعدم ہے اور هبہ کا نفاذ اس طرح هوگا گویا کہ اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی گئی ۔

تشریح

صاحب هدایہ نے لکھا ہے کہ ہمارے (احناف) کے تمام علماء اس امر پر متفق هیں کہ جب کوئی شخص هبہ کرے اور اس کے ساتھ کوئی فاسد شرط لگا دے تو هبہ جائز اور شرط کالعدم هوتی ہے ۔

جب کہ هبہ کسی ایسی شرط کا پابند هو جو اس کی تکمیل سے متصادم هو تو وہ شرط باطل هوگی اور هبہ اس طرح موثر هوگا گویا کہ اس کے ساتھ کوئی شرط متعلق نہ تھی ۔[116]

بمقدمہ غلام قادر بنام غلام حسین عدالت عالیہ مغربی پاکستان، لاهور نے قرار دیا کہ اگر هبہ کے ساتھ کوئی ناجائز شرط متعلق کی گئی هو تو هبہ بلا شرط متصور هوگا ۔

اس مقدمے میں هبہ کے ساتھ واهب نے یہ شرط عائد کی تھی کہ هبہ کردہ زمین کے عوض سوهوب لہھ اپنی بہن کا نکاح واهب سے کرے گا ۔ یہ شرط مصلحت عامہ اور حسن نیت کے خلاف هونے کے سبب ناقابل قبول قرار دی گئی اور هبہ بلا لحاظ اس شرط کے جائز قرار دیا گیا ،

هبہ بحالت مرض الموت

۱۷۹ ۔ جو هبہ بحالت مرض الموت کیا جائے گا اس سے احکام وصیت متعلق هوں گے، بشرطیکہ واهب کی جانب سے جائداد موهوبہ کا فوری اور ناقابل تنسیخ انتقال ظاهر هوتا هو ۔

---

(۱۱٦) پی ایل ڈی ' ۱۹٦۰ء ' کراچی ' صفحہ ۳۵۷

هدایہ' برهان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ)' مطبوعہ قرآن محل کراچی' جلد۳' صفحہ ۲۹۱

تشریح

مریض کا ہبہ یا صدقہ کرنا جائز نہیں الا یہ کہ اس کا قبضہ دے دیا گیا ہو ، چنانچہ اگر موہوب لہ نے اس کا قبضہ لے لیا تو ایسا ہبہ جائز ہوگا ۔

امام ابوحنیفہ کے ہم عصر ، قاضی ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ بغیر قبضے کے بھی مریض کا ہبہ جائز ہوتا ہے ، کیونکہ مریض کا ہبہ وصیت ہے ۔ البتہ مریض کے ہبہ میں ایک تہائی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور وصیت موصی کی موت سے متاکد و لازم ہو جاتی ہے خواہ قبضہ لیا ہو یا نہ لیا ہو ۔ چنانچہ اسی طرح ہبہ بحالت مرض باطل نہ ہوگا (خواہ قبضہ لیا ہو یا نہ لیا ہو) کیونکہ موت کا سبب مرض ہے اور مریض کے افعال اپنے حکم میں مانند اس حکم کے ہیں جو اس کی موت کے بعد ثابت ہوں ۔ چنانچہ اگر ایک شوہر نے بحالت مرض اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی ، جیسا کہ ان کے درمیان فرقت بذریعہ موت واقع ہوتی ۔ پس یہ صورت بھی اس کے مانند ہے ۔۱۱۷

لیکن احناف کہتے ہیں کہ جائز نہ ہونے کی علت یہاں بھی موجود ہے وہ یہ کہ ہبہ اور صدقہ ایک تندرست شخص کے حق میں بدون قبضے کے جائز نہیں ہوتا اور یہ شرط مریض کے حق میں بھی موجود ہے ۔ اس کا تصرف ایک تندرست شخص کے مقابلے میں زیادہ ضعیف ہے اور اس ہبہ میں ایک تہائی کا معتبر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہوتا کہ فی الحال ہبہ ثابت نہ ہوا ۔ مریض کا ہبہ وصیت کے خلاف ہے ، کیونکہ وصیت میں ملک بعد موت ہے اور ہبہ عقد تملیک ہے، اس لیے اگر موت سے پہلے قبضہ نہ دیا تو وہ ہبہ باطل ہوجائے گا اس کی مثال بیع موقوف کی سی ہے۔۱۱۸

(۱۱۷) المسوط، امام سرخسی(۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۲

(۱۱۸)المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴، جلد ۱۲, صفحہ ۱۰۲

اگر واهب حالت مرض‌الموت میں مشاع جائداد کا جو ۰ کابل تقسیم هو هبہ کرے تو ایسا هبہ کلیتاً باطل نہ هوگا بلکہ اگر موهوب لہہ نے قبضہ کر لیا هو تو واهب کی موت کے بعد اس سے احکام وصیت متعلق هوں گے اور ایک ثلث میں هبہ کا حکم نافذ هوگا سابقی ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا ۔ یہ اس وقت هوگا جب کہ موهوب لہہ کے علاوہ واهب کا اور کوئی مال موجود نہ هو ۔ لیکن اگر یہ مال موهوبہ دیگر کل مال کی ایک تہائی هوتا هو تو هبہ کیے هوئے پورے مال میں نافذ هوگا ۔[119]

ایک مریض مرض‌الموت کی حالت میں موهوب لہہ کو اپنے کل مال کی تہائی هبہ کرتا هے اور اس کا قبضہ بھی دے دیتا هے پھر موهوب لہہ واهب کو اس کے مرض‌الموت کی حالت میں قتل کر دیتا هے تو یہ هبہ ورثا کی طرف منتقل هو جائے گا کیونکہ مرض‌الموت کی حالت میں هبہ اپنے نفاذ میں وصیت کے حکم میں هے اور اسی واسطے وصیت قرض کی ادائی کے بعد ایک تہائی کی حد تک نافذ هوتی هے ۔ چونکہ قاتل کے واسطے بلا اجازت ورثاء وصیت نافذ نہیں هو سکتی، اسی طرح مرض‌الموت میں هبہ (جب کہ موهوب لہہ واهب کو قتل کر دے) بغیر ورثاء کی اجازت کے نافذ نہیں هو سکتا ، کیونکہ جو امر وصیت کو باطل کر دیتا هے وہ هبہ بحالت مرض‌الموت کو بھی باطل کر دے گا ۔[120]

جب کہ واهب اپنے هبہ میں رجوع کرے اور موهوب لہہ حالت مرض میں هو درآں حالے کہ هبہ حالت صحت میں کیا گیا تھا تو قاضی کے حکم سے رجوع جائز هوگا اور موهوب لہہ کی موت کے بعد اس کے ورثاء یا قرض خواهان کو کوئی حق نہیں هوگا ، کیونکہ واهب کا حق ان کے

---

(۱۱۹) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۲

(۱۲۰) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ هجری، جلد ۱۲، صفحات ۱۰۳-۴

حقوق سے پہلے ہے۔ لیکن اگر بغیر قاضی کے حکم کے مریض (موہوب لہ) نے واہب کی طلب پر موہوبہ مال واپس کر دیا تو یہ مریض (موہوب لہ) کی طرف سے ایک نیا ہبہ شمار ہوگا اور ایسی صورت میں ایک تہائی کی حد تک جائز ہوگا ، اگر اس (مریض موہوب لہ) پر قرض نہ ہو ، اور اگر اس (مریض موہوب لہ) پر قرض ہو اور ایسا قرض ہو جو اس کے تمام مال پر حاوی ہو تو واپس کرنا ناجائز ہوگا اور ہبہ میت کے ترکہ کی طرف لوٹ جائے گا اور اس سے احکام وراثت متعلق ہوں گے ۔۱۲۱

شیعی نقطہ نظر :

شیعہ فقہا کے نزدیک بھی جب کہ کوئی شخص اپنے مرض مخوف میں (وہ بیماری جس میں انسان غالباً ہلاک ہوتا ہو جیسے دق یا جاس میں ہلاک ہو جائے خواہ غالباً مہلک ہو یا نہ ہو "علی الاختلاف القولین" ہبہ کرے اور پھر اس مرض سے بری (صحیح) ہو جائے تو ہبہ صحیح ہوگا اور اگر اسی مرض میں ہلاک ہو جائے اور ورثاء اجازت نہ دیں تو وہ ہبہ ظاہر مذہب کی بنا پر اس کے ثلث متروکہ میں نافذ ہوگا ۔۱۲۲

عدالتی نقطہ نظر :

ہماری عدالتوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جو ہبہ بحالت مرض الموت کیا جائے اس پر وصیت کے احکام کا اطلاق کیا جائے گا ۔۱۲۳

پشاور اور لاہور کی عدالت ہائے عالیہ نے مقدمات مفصلہ ذیل میں قرار دیا ہے کہ جو ہبہ مرض الموت کی حالت میں کیا جائے وہ وصیت خیال کیا جائے گا ۔ یعنی جب کہ واہب بوقت ہبہ ایک ایسے مرض میں

---

(۱۲۱) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ھجری، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۵

(۱۲۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۶ھ)، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، صفحہ ۲۵۴

(۱۲۳) بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام حسن شاہ، پی ایل ڈی، ۱۹۶۰، لاہور، صفحہ ۳۰۰

مبتلا تھا جو اس کی موت کا فوری سبب ہوا ۔

مرض‌الموت کے تعین کے لیے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہوگا :

(۱) یہ کہ مرض ایسی نوعیت کا تھا جس سے مریض کے دل میں یہ یقین پیدا ہوا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے ۔

(۲) یہ کہ بیماری اس شدت کی تھی کہ جس نے اس کو روزمرہ کے کاموں کی ادائی کے ناقابل بنا دیا تھا ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے قاصر ہو تو مسلم فقہاء کی رائے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شخص روزمرہ کے کاموں کو انجام دینے سے قاصر ہے ۔

(۳) یہ کہ مرض گو پرانا ہو لیکن ایسے مرحلے میں داخل ہوگیا ہو کہ جب وہ بڑھے تو مریض کو موت کا خدشہ لاحق ہو جائے

ایسی صورتوں میں جو ہبہ کیا جائے گا وہ وصیت شمار ہوگا ۔[۱۲۳]

سپریم کورٹ ، پاکستان نے بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام سید حسن شاہ قرار دیا کہ مرض‌الموت کی حالت میں ایک ناجائز ہبہ نامہ وصیت قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ ہبہ نامہ کی مندرجہ شرائط سے جائداد موہوبہ کا فوری اور ناقابل تنسیخ انتقال ظاہر نہ ہوتا ہو ۔

ہبہ بحالت مرض‌الموت کے سلسلے میں سپریم کورٹ نے مذکورہ بالا مقدمہ میں قرار دیا ہے کہ مرض الموت کے یقین کے لیے عدالت کو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہبہ موت کے فوری خطرے کے احساس کے دباؤ کے تحت کیا گیا ہے ۔ چنانچہ اس امر کو طے کرنے کے لیے کہ کیا ایک بیمار شخص کے ہبہ پر مرض‌الموت کے اصول کا اطلاق ہو سکتا ہے عدالت کو حسب ذیل

---

(۱۲۳) پی ایل ڈی ، ۱۹۵۶ ، پشاور ، صفحہ ۵
پی ایل ڈی ، ۱۹۵۱ ، لاہور ، صفحہ ۴۳۳

حقائق پر غور کرنا چاہیے :

(۱) کیا مرض کی حالت اور نوعیت ایسی تھی کہ جو بیمار شخص کے ذہن میں اس یقین کو تقویت پہنچانے والی تھی کہ اس مرض سے موت واقع ہو جائے گی یا موت کے خوف کو پیدا کرتی تھی؟

(۲) کیا واہب ہبہ کے وقت ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جو اس کی موت کا فوری سبب ہوا ؟

(۳) کیا بیماری ایسی تھی جو اس کو حسب معمول مشاغل کی ادائی سے ناقابل بنانے والی تھی - ایک ایسی صورت حال جو بیمار کے ذہن میں موت کا خوف پیدا کر سکتی تھی -

(۴) کیا وہ بیماری اتنے عرصے تک جاری رہی کہ اس کے ختم ہونے یا فوری ہلاکت کے خوف کو کم کرنے والی تھی یا یہ کہ بیمار کو اس مصیبت کا خوگر بنانے والی تھی -

جب کہ واہب ہبہ کرتے وقت ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جس میں اس نے یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ اس مرض سے موت واقع ہو جائے گی اور حقیقت میں دستاویز کی رجسٹری کے چند گھنٹے بعد اس مرض نے فی‌الحقیقت اس کی جان لے لی، سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ ہبہ مرض‌الموت میں کیا گیا تھا ۔ ۱۲۵

ہبہ بحالت مرض‌الموت کے وصیت قرار دئے جانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہبہ تکمیل شدہ ہو (یعنی واہب نے اپنی زندگی میں جائداد موہوبہ کا موہوب لہ کو قبضہ دے دیا ہو)

جسٹس کیکاؤس نے مندرجہ بالا مقدمہ شمشاد علی شاہ بنام حسن شاہ میں لکھا کہ بعض شرحوں اور فیصلوں میں ہبہ بحالت مرض‌الموت کے

---

(۱۲۵) پی ایل ڈی ' ۱۹۶۴ ' سپریم کورٹ ، صفحہ ۱۴۳

سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ مرض الموت کے اصول کے اطلاق کے لیے ضروری ہے کہ موت حقیقت میں مرض کے سبب ہوئی ہو ۔ فاضل جج نے لکھا کہ میں اس سے متفق نہیں ہوں ۔ اگر ایک شخص سریع تپ دق میں (galloping tuberculosis) مبتلا ہو اور اس لیے جب اس نے ہبہ کیا تو موت کے خوف میں مبتلا تھا لیکن وہ شخص کسی دوسرے کے ہاتھ گولی سے مارا جائے یا کسی حادثہ میں مر جائے یا ہیضے یا کسی (دیگر) وبائی مرض میں ہبہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد مر جائے تو میں ایسی کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ایسی صورت میں مرض الموت کے اصول کا اطلاق نہ کیا جائے ۔ درحقیقت یہ امر واقعہ کہ ایک شخص زندہ رہتا ہے اور نہیں مرتا اس ہبہ کو جو موت کے خوف کے تحت لکھا گیا ہو جائز نہیں کرتا ۔

ہبہ کا جواز ان حالات کے تعلق سے متعین کیا جائے گا، جو ہبہ کے وقت موجود ہوں ۔ ہبہ کے بعد نہ مرنا مؤثر بہ ماضی (retrospective) نہیں ہو سکتا کہ ایک ناجائز معاملہ جائز ہو جائے ۔ ہبہ کے ناجائز ہونے کا حقیقی سبب واہب کی کیفیت ذہنی ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ مرنے والا ہے ۔ اور چونکہ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ مرنے والا ہے اس لیے وہ مابین (inter vivos) کسی منتقلی کی نیت نہیں رکھتا ۔ اس کی واحد نیت ایک ایسی منتقلی کی ہوتی ہے جو اس کی موت کے بعد مؤثر ہو سکے ۔ ایک انتقال (جائداد) انتقال کنندہ کی نیت کے مطابق مؤثر ہوتا ہے ۔ اگر انتقال کنندہ دوران حیات کوئی ہبہ کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو ایسا ہبہ متحقّق نہ ہوگا ۔ ایک ہبہ جو مرض الموت میں کیا جائے ایک وصیت کی حیثیت سے نافذ ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے ہبہ کے ذریعہ محض وصیّی انتقال ملکیت کی نیت ہوتی ہے ۔ یہ اصول صرف شرع اسلام ہی کا نہیں ہے بلکہ قانون روما میں بھی اس اصول کو ہبہ بحالت مرض الموت کہا جاتا ہے اور ہمارے (ملک پاکستان) قانون جانشینی ایکٹ مجریہ ۱۹۲۵ع

کی دفعہ ۱۹۱ کے تحت بیان کیا گیا ہے ۔"[۱۲۶] (مرض‌الموت کی تعریفات کے لئے ملاحظہ ہو مجموعہ ھذا جلد دوم صفحہ ۲۷-۳۲۵)

تنسیخ ھبہ

۱۷۹ - (۱) واھب مجاز ہے کہ شئے موھوبہ کا قبضہ دینے سے پہلے جس وقت چاہے ھبہ کو منسوخ کر دے ۔

توضیح :- اگر واھب عقد ھبہ کے بعد مگر قبضہ سے پہلے مر جائے تو مال موھوبہ واھب کی میراث میں داخل ہوگا ۔

(۲) واھب مجاز ہے کہ شئے موھوبہ کا قبضہ دینے کے بعد بھی ھبہ کو منسوخ کر دے ، الایہ کہ :

(الف) واھب شوھر ھو اور موھوب لہہ زوجہ یا اس کے برعکس

(ب) موھوب لہہ ذی رحم محرم ھو ۔

(ج) موھوب لہہ فوت ھو گیا ھو ۔

(د) شئے موھوبہ موھوب لہہ کی ملک اور قبضے سے بذریعہ فروخت یا ھبہ یا کسی اور طریقے سے نکل گئی ھو ۔

(ہ) شئے موھوبہ گم یا ضائع ھو گئی ھو ۔

(و) شئے موھوبہ کی ھئیت بدل گئی ھو ۔

(ز) کوئی اور شئے ، شئے موھوبہ میں شامل ھو گئی ھو۔ جس کا جدا کرنا ممکن نہ ھو ۔

(ح) ھبہ بالعوض ھو ۔

مگر لازم ہے کہ قبضہ دے دینے کے بعد بجز حکم عدالت ھبہ منسوخ نہیں کیا جا سکے گا ۔

(۳) بمتابعت احکام مندرجہ بالا واھب کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء ھبہ تفضیلی کو بموجب احکام مندرجہ دفعہ ۱۷۲ بذریعہ عدالت منسوخ کرانے کے مجاز ھوں گے ۔

---

(۱۲۶) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۳ء ، سپریم کورٹ ، صفحہ ۱۴۳

تشریح

تنسیخ ہبہ کو حضور (صلعم) نے انتہائی ناپسند فرمایا ہے ۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ جو شخص ہبہ میں رجوع کرتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹ لیتا ہے ۔[۱۲۷]

صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نووی نے لکھا ہے مذکورہ بالا حدیث میں جو کراہت بیان کی گئی ہے تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے ۔[۱۲۸]

ائمۂ ثلاثہ و جمہور علماء کے نزدیک قبضہ کے بعد ہبہ میں رجوع کرنا حرام ہے ، یعنی اگر موہوب لہہ نے شئے موہوبہ کا قبضہ لے لیا تو واہب اس ہبہ کو فسخ نہیں کر سکتا ، لیکن احناف کے نزدیک قبضے کے بعد بھی رجوع جائز ہے بشرطیکہ موہوب ذی رحم محرم نہ ہو ، ہبہ بالعوض نہ ہو یا کوئی اور شئے ، شئے موہوبہ میں شامل نہ ہوئی ہو یا شئے موہوبہ موہوب لہہ کی ملک سے خارج نہ ہوئی ہو ۔[۱۲۹]

ہبہ بلا عوض میں احناف کے نزدیک رجوع جائز ہے مگر عوض مل جانے کے بعد رجوع جائز نہ ہوگا ۔[۱۳۰]

اجنبی سے مراد وہ شخص ہے جس سے قرابت محرمہ نہ ہو ۔ اگرچہ غیر محرم قرابت ہو مثلاً چچا زاد بھائی وغیرہ یا قرابت نہ ہو مگر محرم ہو ، جیسے رضاعی بھائی بہن ۔

---

(۱۲۷) صحیح مسلم ، امام مسلم مطبوعہ مصر ، کتاب الھبات ، صفحہ ۶۳

(۱۲۸) صحیح مسلم، مع شرح نووی، امام نووی، مطبوعہ مصر، جلد ۱۱ ، کتاب الھبات، صفحہ ۶۲

(۱۲۹) ھدایہ، برھان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) مطبوعہ قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۸۹-۹۰

(۱۳۰) ھدایہ، برھان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) مطبوعہ قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۸۹-۹۰
بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ جلد، ۲، صفحہ ۳۳۲
مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ جلد ۲، صفحہ ۳۵۹

ذی رحم محرم کے ہبہ سے رجوع کی ممانعت :

ہبہ اور صدقہ کبھی اجنبیوں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی رشتہ داروں کی طرف سے رشتہ داروں کی طرف سے ہبہ افضل ہے کیونکہ اس میں ہبہ صلۂ رحمی کے سبب سے ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "سب سے اچھا صدقہ وہ ہے جو ذی رحم رشتہ دار کو کیا جائے" ۔ ابراهیم نخعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا : "جس شخص نے ہبہ کیا واسطے ذی رحم محرم کے اور اس ذی رحم محرم نے شئے موهوبہ پر قبضہ کر لیا تو واہب کے لیے اس ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے" ۔ "نیز عطاء و مجاهد نے حضرت عمر رضی‌اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا:"کہ جس شخص نے ذی رحم محرم کے واسطے کوئی ہبہ کیا اور اس ذی رحم محرم نے شئے موهوبہ پر قبضہ کر لیا تو واہب کے لیے اس ہبہ میں رجوع جائز نہیں ہے اور جس شخص نے غیر ذی رحم کے حق میں ہبہ کیا اس کے لیے اس ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے جب تک کہ اس شئے موهوبہ کا عوض نہ ملا ہو" ۔

حضرت عمر کے قول میں ذی رحم محرم سے کیا مراد ہے اس کا بعض روایات میں ذکر کیا گیا ہے ۔ ذی رحم محرم میں دائمی حرمت کے ساتھ قرابت فرض کی گئی ہے نہ کہ ایسی قرابت جس میں محرمیت نہ ہو (یعنی حضرت عمر کے قول میں ذی رحم محرم کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد ایسا صلۂ قرابت ہے جس میں کہ قرابت داری دوامی ہو اور محرمیت کے ساتھ ہو یعنی رشتہ دار محرم ہو جیسے ماں اور بیٹا ، ایسی قرابت مراد نہیں ہے جو غیر محرم کے ساتھ ہو) جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : کہ "تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنہم الآیہ"یعنی قطع کرتے ہیں اپنے ارحام کو ان پر اللہ کی لعنت ہے ۔ یہاں رحم سے مراد دوامی

طور پر محرم ہونا ہے ۔ ۱۳۱

مذکورہ بالا حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ہبہ بلاقبضہ تمام نہیں ہوتا کیونکہ قبضے کا اعتبار اس بناء پر کیا گیا کہ وہ رجوع سے باز رکھتا ہے اور اس بارے میں ہماری (احناف کی) دلیل یہ ہے کہ باپ جب اپنے بیٹے کے لیے ہبہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں ۔ جس طرح کہ بیٹا جب اپنے باپ کو ہبہ کرے تو اس کے لیے اس ہبہ میں رجوع جائز نہیں اور یہ حکم اس لیے ہے کہ رجوع سے باز رکھنا ایک مخصوص مقصد کے حصول کی غرض سے ہے اور وہ مقصد صلۂ رحمی ہے ۔ کیونکہ رجوع میں خصومت اور دشمنی ہے جس سے قطع رحمی ہوتی ہے اور اس ضمن میں اولاد محرمیت والی دائمی قرابت میں سب سے زیادہ قوی قرابت والی ہے۔ ۱۳۲

اس حدیث میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ وہ شخص جو اجنبی کے حق میں ہبہ کرے اس کو حق ہے کہ وہ اس ہبہ میں رجوع کر لے جب تک کہ اس کو عوض نہ ملا ہو، کیونکہ حضور (صلعم) کے قول "مالم یثب" میں ثواب سے مراد عوض ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں مسئلوں میں ہمارے (احناف کے) امام ہیں ۔ ۱۳۳

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ شوہر اور زوجہ ذی رحم محرم کے درجے میں ہیں چنانچہ ان میں سے کوئی ایک جب دوسرے کو ہبہ کرے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس ہبہ میں رجوع کرے ۔ اس قول سے ہم (احناف) یہ اخذ کرتے ہیں کہ شوہر اور زوجہ میں بذریعہ زوجیت قرابت قریبہ موجود ہے اور اسی سبب سے دونوں طرف بغیر حجب کے وراثت

---

(۱۳۱) المبسوط ، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۹

(۱۳۲) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۹

(۱۳۳) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۹

متعلق ہوتی ہے اور اسی زوجیت کے سبب کی بناء پر ایک دوسرے کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں قبول کرنا منع ہے۔ ہبہ سے جو مقصود حاصل ہوتا ہے وہ ان دونوں کے درمیان سکون اور ازدواج ہے اور رجوع میں ان دونوں کے درمیان عداوت اور نفرت پیدا کرنا ہے اور زوجیت الفت و مودت کے معنی میں ہے پس دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی ایک ایسے فعل کا اقدام، جو الفت اور مودت کی ضد ہو، منع ہے ۔ چناں چہ اسی سبب سے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے درمیان رجوع کرنا منع ہے ۔[۱۳۴]

شوہر کی طرف سے زوجہ کے ہبہ میں رجوع :

اگر کسی مرد نے اپنی زوجہ کے حق میں ہبہ کیا اور پھر وہ عورت اس سے بائن (جدا) ہو گئی تو مرد اس ہبہ میں رجوع نہیں کر سکتا ، کیونکہ ہبہ قیام زوجیت کے دوران کیا تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت مرد کا مقصود عوض نہیں ہو سکتا تھا لہذا ایسے ہبہ میں مرد رجوع نہیں کر سکتا ۔[۱۳۵]

شیعۂ امامیہ :

شیعی فقہاء کے نزدیک زوجہ کو ہبہ شوہر میں اور شوہر کو ہبہ زوجہ میں رجوع کرنا مکروہ ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ زوج و زوجہ اس باب میں اہل قرابت کا حکم رکھتے ہیں ۔ قول اول اشبہ اور قواعد و اصول کے موافق ہے ۔[۱۳۶]

---

(۱۳۴) المبسوط، امام سرخی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۱

(۱۳۵) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۶۱
مجمع الانہر، داماد آفندی،(۱۰۷۸ھ) جلد ۲،مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، صفحہ ۳۶۲
البحرالرائق، ابن نجیم، (۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۹۴

(۱۳۶) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۴ھ)، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع ، صفحہ ۲۵۳

جب زوجہ شوہر کی طرف سے جبر مدعی ہو :

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا : "کہ جب عورت اپنے شوہر کو ہبہ کرے تو وہ اگر چاہے تو اس میں رجوع کر سکتی ہے جب کہ وہ اس امر کی مدعی ہو کہ اس کے شوہر نے اس پر جبر کیا تھا اور اگر شوہر نے زوجہ کے حق میں ہبہ کیا تو شوہر کے واسطے جائز نہیں ہے کہ وہ ہبہ میں رجوع کرے ۔" حضرت علی کے قول سے مراد زوجیت کے حکم کے سبب رجوع میں شوہر اور زوجہ کے درمیان فرق کرنا نہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اگر عورت اس امر کی مدعی ہو کہ اس پر جبر کیا گیا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت ہوگا اور شوہر کی جانب سے اس دعوے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔ کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کے اوپر جبر کرنے پر قادر ہے ، جب کہ عورت اپنے شوہر پر جبر کرنے پر قادر نہیں ہے نیز ظاہر ہے کہ عورت اپنی ذات کے سبب شوہر کی جانب سے ڈرتی ہے جس سے اکراہ (جبر) بذریعہ مارپیٹ اور قید ثابت ہو گا اور شوہر کو اپنی زوجہ کی جانب سے اس قسم کا کوئی خوف درپیش نہیں ہوتا ۔ اس قول میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر جبر کیا گیا ہو اس کا ہبہ جائز نہیں ، کیوں کہ ہبہ کی صحت کی شرط مکمل رضامندی کا ہونا ہے ، اور جبر رضامندی کو معدوم کر دیتا ہے ۔[۱۳۷]

جو کوئی شخص تقسیم شدہ شے کا ہبہ ذی رحم محرم کو کرے اور اس کا قبضہ موہوب لہہ ، کو دے دے تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس ہبہ میں رجوع کرے اور اگر اس شخص نے اس شے مقسومہ کا

---

(۱۳۷) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ھجری، جلد ۱۲، صفحہ ۵۲

البحرائق ، ابن نجیم ، (۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۹۳

ہبہ کسی اجنبی کے حق میں کیا یا کسی ذی رحم غیر محرم کے حق میں کیا تو اس کا رجوع کرنا ہبہ میں جائز ہو گا ۔

حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف :

اجنبی کو ہبہ کرنے کی صورت میں رجوع کے سلسلے میں ہمارے (احناف) کے نزدیک رجوع کا حق اس وقت تک ہے جب تک کہ واہب کو شے موہوبہ کا عوض موہوب سے نہ ملا ہو ، اگرچہ ایسا کرنا بطریق دیانت اس کے لیے مستحسن نہیں ، لیکن امام شافعی کے نزدیک واہب کے لیے اجنبی کو شے موہوبہ ہبہ کرنے کی صورت میں ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے ۔ امام شافعی اپنے قول کی تائید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں کہ : "واہب ہبہ میں نہ رجوع کرے مگر جب کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں ہبہ کرے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا : "نہیں ہے حلال کہ واہب ہبہ میں رجوع کرے الا یہ کہ باپ نے اپنے بیٹے کو ہبہ کیا ہو۔" چنانچہ امام شافعی کے نزدیک حضور (صلعم) نے رجوع سے منع فرمایا یا اسے حرام قرار دیا اور شرعاً حرام کے ارتکاب کا اقدام کرنا ناجائز ہے ۔ نیز حضور (صلعم) نے فرمایا : کہ "ہبہ میں لوٹانے والا اس لوٹانے والے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر اس قے کو چاٹ لیتا ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ "اس کتے کی طرح ہے جو قے کرے اور پھر اپنی قے کو چاٹ لے" ۔ امام شافعی کے نزدیک قے کو نگل لینا حرام ہے ۔ پس اس طرح ہبہ میں رجوع بھی حرام ہے ۔ اور اس کی علّت یہ ہے کہ ہبہ عقد تملیک ہے یعنی مالک بنا دینے والا عقد ہے ۔ پس عقد تملیک مطلق ہونے کے اعتبار سے رجوع کو نہیں چاہتا جیسا کہ بیع میں ہے اور یہ بھی کہ رجوع مقصود کی ضد ہے اور مقصد مالک بنانا ہے اور عقد اپنے متضاد معنی کو اپنے ضمن میں نہیں رکھتا ۔

احناف کے دلائل :

احناف کی دلیل حضرت علی کے قول کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت علی کی حدیث موقوف ہے (یعنی اس کی نسبت یا اسناد حضور تک نہیں پہنچتیں) اور رسول اللہ (صلعم) کی ایک مرفوع حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا : کہ "ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اسے شئے موہوبہ کا عوض نہ ملا ہو"۔ اس حدیث میں حضور کی مراد قبضے کے بعد واہب کا حق رجوع ثابت کرنا ہے کیونکہ قبضے سے پہلے ہبہ مکمل نہیں ہوتا ۔ حضور کے قول میں حق رجوع کے سلسلے میں واہب کی طرف اس کی نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ شئے موہوبہ پہلے اس کی ملکیت تھی جیسا کہ ایک آدمی کہے کہ ہم نے فلاں نان بائی کی روٹی کھائی اگرچہ اس نے وہ روٹی اس سے خرید لی تھی یہاں حق عوض کے حصول کا جو اس شئے میں ہے وہ قبضے کے بعد حق رجوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پیشکش کرو اس سے بہتر یا اسی جیسی ۔"[۱۳۸]

ابو ہریرہ کی حدیث میں رسول (صلعم) سے مروی ہے کہ:"جس شخص نے ہبہ کیا اور وہ پھر اس میں رجوع کرنے کا ارادہ کرے ، اس کو اپنے فعل کی برائی کو جان لینا اور اس فعل (کے ارتکاب) سے ٹھہر جانا چاہیے ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "جس شخص نے ہبہ کیا وہ پھر رجوع کرنے کا ارادہ کرے تو اسے اپنے فعل سے باز رہنے کی اچھائی پر غور کرنا چاہیے اور (فعل رجوع سے) رک جانا چاہیے" اس حدیث سے مراد ہبہ میں واہب کا حسن فعل ہے اور رجوع میں قبح فعل ہے ۔[۱۳۹]

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہبہ

---

(۱۳۸) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۵۲

(۱۳۹) المبسوط' امام سرخسی' (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر' ۱۳۲۴ ہجری' جلد ۱۲' صفحہ ۵۳

کرنے والے تین ہیں ۔ ایک وہ آدمی جو بطور صدقہ ہبہ کرے ۔ اس کے لیے ہبہ میں رجوع جائز نہیں ۔ دوسرے وہ آدمی جو دوسرے سے ہبہ کی امید پر ہبہ کرے ، اس کے لیے رجوع جائز ہے جب تک کہ اسے عوض نہ ملا ہو ۔ تیسرے وہ آدمی جو عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ کرے ، وہ ہبہ ایک فرض ہے اس کی حیات میں اور اس کی موت کے بعد بھی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ جو اجنبیوں کے لیے کیا گیا ہو اس کا مقصود معاوضہ اور بدلہ ہے اور اس بارے میں اس کا مرجع ظاہراً عرف و عادت ہے کیوں کہ انسان ہبہ کرتا ہے یا تو اس شخص کے حق میں جو اس سے درجے میں بلند ہوتا ہے تاکہ اس کی جاہ سے فائدہ اٹھائے اور یا اپنے سے کم تر درجے کے آدمی کے لیے تاکہ وہ موہوب‌لہ اس کی خدمت کرے اور یا اپنے سے مساوی درجے کے آدمی کے حق میں تاکہ وہ اس کو عوض دے ۔[۱۳۰]

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حق رجوع عقد ہبہ کا مقتضاء نہیں ہے بلکہ عقد کے مقصود میں خلل کا باعث ہے اور ہبہ سے مقصود جود و سخا کا اظہار ہے بایں معنی کہ جو معروف ہو چکا ہو وہ مشروط کے درجہ میں ہوتا ہے اور تبرّع (احسان) میں جہاں عوض مقصود ہوتا ہے وہاں اظہار جود و سخا بھی مقصود ہے ۔[۱۳۱]

حضور (صلعم) نے فرمایا "تھادوا تحابوا" یعنی ھدیہ دو تا کہ محبت بڑھے ۔ اس میں تفاعل کا باب اختیار کیا گیا ہے جو جانبین سے وجود فعل کا مقتضی ہے یعنی دونوں طرف سے ہبہ ہو۔ بالفاظ دیگر اس کے معنی ہوئے کہ ایک دوسرے کو ہبہ کرو تا کہ ایک دوسرے میں محبت پیدا ہو ۔

---

(۱۳۰) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۵۲

(۱۳۱) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری جلد ۱۲، صفحہ ۵۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ آپ نے ایک گھوڑا فی سبیل اللہ دے دیا یعنی بخش دیا پھر دیکھا کہ وہ گھوڑا فروخت کیا جا رہا ہے پس آپ نے ارادہ کیا کہ اس گھوڑے کو خرید لیں آپ نے حضور (صلعم) سے پوچھا حضور نے فرمایا :"اپنے صدقے میں رجوع نہ کرو"۔ حالانکہ خریدنا حکماً صدقے میں رجوع نہیں ہوتا مراد یہاں اس سے یہ ہے کہ بطور دیانت اور مروّت کے بھی رجوع اچھا نہیں ۔[۱۳۲]

جس حدیث میں کتے کی اپنی قے کو چاٹ لینے کے فعل کو رجوع سے تشبیہہ دی گئی ہے تو در اصل اس کا مقصود رجوع کے فعل کے قبیح ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کتا فعل قباحت سے موصوف ہوتا ہے نہ کہ حرمت سے کیونکہ کتا غیر مکلف ہے ۔[۱۳۳]

جب والد اپنے بیٹے کے حق میں ہبہ کرے تو احناف کے نزدیک رجوع جائز نہیں ہے امام شافعی کے نزدیک باپ کو اپنے بیٹے کے حق میں ہبہ میں رجوع کا حق ہے ۔ احناف کا مسلک ہبہ کے مقصود و معنی کے لحاظ سے راجح ہے ۔

ظاہری مسلک :

علامہ ابن حزم ظاہری کے مذہب میں ہبہ کا لفظ استعمال کرنے سے ہبہ تام ہو جاتا ہے ۔ ان کے نزدیک اس کے بعد واہب کو اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا مطلق حق حاصل نہیں رہتا مگر دو صورتوں میں رجوع کیا جا سکتا ہے ۔ (۱) باپ یا ماں اپنے بیٹے یا بیٹی (اولاد) کو ہبہ کرے ان دونوں کو ہر وقت اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔ چاہے اولاد بالغ ہو یا نابالغ ہو ۔ خواہ اولاد نے اس ہبہ کو اپنی زوجہ کے

---

(۱۳۲) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۴

(۱۳۳) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۴

حق عقد ازدواجی کا عوض (مہر) بنا لیا ہو یا نہ بنایا ہو ۔ اس کے بدلے قرض کا معاہدہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو ، البتہ اگر موہوب ہلاک ہوگیا تو اب رجوع صحیح نہ ہوگا نیز ہبہ کے بعد موہوب کی آمدنی یا پیدا ہونے والے بچہ میں بھی رجوع جائز نہ ہوگا۔ والدین کے ہبہ کی صورت میں اگر موہوب کا کچھ حصہ ہلاک ہوگیا اور کچھ حصہ باقی رہا تو باقی حصہ میں والدین کا رجوع کر لینا جائز ہے ۔[۱۴۴]

رجوع کی چند مزید صورتیں :

ایک شخص نے ایک عورت کے حق میں ہبہ کیا پھر اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس مرد کو حق ہے کہ وہ اس ہبہ میں رجوع کر لے ، کیونکہ جب اس مرد نے اس عورت کو ہبہ کیا تھا اس وقت وہ عورت اس مرد کے لیے اجنبی تھی جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس مرد کا مقصود عوض تھا جو اس کو نہیں ملا اور یہ کہنا کہ اس مرد کا مقصود اس ہبہ سے یہ تھا کہ وہ اس عورت سے نکاح کرلے جو اس نے کرلیا اس لیے وہ اپنے مقصود کو پہنچ گیا ، بنا بریں وہ اس ہبہ میں رجوع نہیں کر سکتا اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ یہ مقصود شرعی نہیں ہے ۔[۱۴۵]

شیعی نقطۂ نظر :

اگر کوئی شخص ہبہ کرے اور مال موہوب کو قبضہ دینے کے بعد غیر موہوب لہ کے ہاتھ فروخت کرے پس اگر موہوب لہ واہب کے اہل قرابت میں سے ہو تو بیع صحیح نہ ہوگی اور اسی طرح اگر موہوب لہ شخص اجنبی ہو اور واہب اس سے عوض لے چکا ہو تب بھی مال موہوب

---

(۱۴۴) المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ھ جلد ۹، صفحہ ۱۵۵

(۱۴۵) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲، صفحات ۶۱-۶۰

مجمع الانہر داماد آفندی ، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ،جلد ۲، صفحہ ۳۶۲

کی بیع صحیح نہ ہوگی، لیکن اگر موہوب لہ شخص اجنبی ہو اور واہب نے اس سے عوض نہ لیا ہو اور مال موہوب کو فروخت کرے تو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بیع باطل ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں واہب نے اس مال کو فروخت کیا ہے جس کا کہ وہ مالک نہ تھا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بیع صحیح ہوگی کیونکہ واہب کو صورت مذکورہ میں رجوع کرنا جائز ہے اور اول قول اشبہ اور قاعدہ کے موافق ہے۔ اگر ہبہ فاسد ہو تو عقد بیع بہر حال میں صحیح ہوگا خواہ موہوب لہ اہل قرابت میں سے ہو یا اجنبی، خواہ واہب نے عوض لیا ہو یا نہ لیا ہو اور یہی کلام اس صورت میں بھی جاری ہوگا جب کہ کوئی شخص اپنے مورث کے مال کو فروخت کرے اور اس کی حیات کا یقین رکھتا ہو اور فروخت کرنے کے بعد اس کے مورث کا وقت بیع وفات پانا ظاہر ہو تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی اس لیے کہ صورت مفروضہ میں بائع نے دراصل اسی مال کو فروخت کیا ہے جس کا کہ وہ مالک تھا اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ وصیت کرے اور بعد وصیت اس کے عتق (آزاد کرنا) ظاہر ہو تو وصیت صحیح ہوگی۔[۱۳۶]

عوض کے بعد رجوع کا حق نہیں:

ہبہ میں رجوع کا مانع عوض لے لینا ہے کیونکہ ہبہ کا مقصود عوض ہے جو پورا ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں "مالم یثب" اس بات کی دلیل ہے کہ عوض مل جانے کے بعد رجوع نہیں ہے۔[۱۳۷]

جب موہوب لہ واہب کو اس کے ہبہ کا عوض دے دے اور

---

(۱۳۶) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۶ھ)، مطبوعہ بیروت، صفحہ ۲۵۴

(۱۳۷) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۳، صفحہ ۵۶

ہدایہ (عربی) برحاشیہ فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۷، صفحہ ۱۳۳

بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۱۰ع جلد۶، صفحہ ۱۲۹

واهب اس عوض پر قبضه کر لے تو واحب مجاز نه هوگا که اپنے هبه میں رجوع کرے اور نه عوض دینے والا موهوب لهه مجاز هوگا که اپنے عوض میں رجوع کرے۔[۱۴۸]

هبه بشرط عوض به منزله بیع کے هے۔[۱۴۹] چنانچه اگر ایک شخص دوسرے کو بشرط عوض هبه کرےکه وه کسی دن اس کا عوض دے دے اور دونوں اس پر متفق هوگئے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کے عوض پر قبضه نه کیا هو یہاں تک که دوسرا عوض دینے سے انکار کرے تو پہلا شخص اپنے هبه میں رجوع کر سکتا هے البته اگر دونوں میں عوض کا لین دین هو جائے تو هبه جائز هوگا (کیونکه عوض کی تکمیل هر دو جانب سے هوگئی)۔[۱۵۰]

اگر نصف هبه کے عوض میں کوئی شئے دی تو واهب کو اختیار هوگا که بقیه میں رجوع کر سکے کیونکه بعض(جزو) کے واسطے کل کا اعتبار کیا جائے گا۔[۱۵۱]

---

(۱۴۸) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲) مطبوعه مصر ، ۱۳۲۴ هجری، جلد ۱۲ صفحه ۷۵
بدائع الضائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)' مطبوعه مصر ۱۹۱۰ھ، جلد٦، صفحه ۱۳۱
بحرالرائق ابن نجیم (۹۷۰ھ) ، مطبوعه مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۷ صفحه ۳۱۹

(۱۴۹) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعه مصر ، ۱۳۲۴ هجری، جلد ۱۲، صفحه ۷۹
بحرالرائق ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعه مصر ۱۳۱۱ھ جلد ۷ صفحه ۳۲۱
هدایه (عربی) بر حاشیه فتح القدیر مطبوعه مصر ، جلد ۷ ، صفحه ۱۳۸

(۱۵۰) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعه مصر ، ۱۳۲۴ هجری ، جلد ۱۲ صفحه ۷۹
بحرالرائق ابن نجیم ، (۹۷۰ھ) مطبوعه مصر، ۱۳۱۱ھ جلد ۷ ، صفحه ۳۱۸
بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعه مصر ۱۹۱۰ع، جلد٦ صفحه۱۳۲

(۱۵۱) المبسوط امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعه مصر ، ۱۳۲۴ هجری'جلد ۱۲ ، صفحه ۸۲
بحرالرائق ابن نجیم ، (۹۷۰ھ) مطبوعه مصر ، ۱۳۱۱ھ جلد ۷ ، صفحه ۳۱۹
بدائع الصنائع' امام کاسانی (۵۸۷ھ)' مطبوعه مصر ۱۹۱۰ع' جلد ٦' صفحه ۱۳۲

ایک شخص نے دوسرے شخص کے حق میں زمین هبہ کی ۔ موهوب لہہ نے اس پر عمارت بنا لی ۔ اب واهب نے ارادہ کیا کہ اپنے هبہ میں رجوع کر لے اس نے اپنا مقدمہ قاضی کے روبرو پیش کیا ۔ قاضی نے قرار دیا کہ واهب کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ھے پھر موهوب لہہ نے اپنا مکان گرا دیا ۔ اب واهب کے واسطے امر مانع کے زائل هو جانے کے سبب رجوع کا حق لوٹ آیا اور وہ اپنے هبہ میں رجوع کر سکتا ھے ۔[۱۵۲]

دراصل موهوب لہ میں زیادتی متصلہ کا پیدا هو جانا رجوع سے مانع هوتا ھے جس کا خلاصہ یہ ھے کہ یا تو اصل موهوبہ میں متصل زیادتی پیدا هو گی ، خواہ یہ موهوب لہ کے فعل سے پیدا هو یا از خود پیدا هو رجوع ممنوع هو گا ، کیونکہ اصل کو زیادتی کے بغیر واپس کرنا ممکن نہیں هوتا اور زیادتی موهوبہ نہیں هوتی کہ اس میں رجوع کیا جا سکے ۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اصل کو زیادتی سے جدا کیا جا سکے ۔ مثلاً مکان میں تعمیر کا اضافہ کر لیا یا زمین میں ایسے درختوں کا باغ لگا لیا جو بقاء دائمی کے طور پر لگائے جاتے ہیں یا کپڑا تھا پختہ رنگ دیا گیا یا اس کی قمیض یا کوٹ وغیرہ بنا لیا گیا اور اگر زیادتی منفصلہ هو تو رجوع کرنا جائز هو گا ۔ خواہ یہ زیادتی اصل موهوبہ سے هی پیدا هوئی هو یا خارج سے لاحق هوئی هو ۔[۱۵۳]

جب واهب نے رجوع کا ارادہ کیا اس وقت وہ لونڈی حاملہ تھی ۔ چنانچہ اگر وہ زیادتی (حمل) بلا گناہ ھے (یعنی لونڈی کا حمل مالک سے ھے یا شوهر سے) تو واهب اس میں رجوع نہیں کر سکتا ، لیکن اگر زیادتی

---

(۱۵۲) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ هجری ، جلد ۱۲، صفحہ ۸۵-۸۶

(۱۵۳) بدائع الصنائع امام کاسانی، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۱۰ع، جلد ۶، صفحہ ۱۲۹
بحرالرائق ابن نجیم، (۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۱۷

(حمل) گناہ کے سبب ہے تو اس میں رجوع کر سکتا ہے ۔[۱۵۴]

ایک کنیز بوقت ہبہ بدصورت تھی بعد کو حسین و جمیل ہو گئی تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا کیونکہ حسن و جمال زیادتی کے مترادف ہے ، البتہ اس کے برعکس صورت میں رجوع جائز ہو گا ، کیونکہ کمی واہب کے حق رجوع میں مانع نہیں ہے ۔[۱۵۵]

واہب نے موہوب لہٗ کو لوہا ہبہ کیا ۔ موہوب لہٗ نے اس سے تلوار بنا لی یا کاغذ دیا اور اس پر موہوب لہٗ نے لکھ لیا تو ایسی شئے میں واہب رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ تبدیلی ذات شئے یا ذات شئے میں زیادتی حادثاً یا موہوب لہٗ کے فعل سے شئے موہوبہ کی مالیت میں زیادتی ہے جو رجوع میں مانع ہے ۔[۱۵۶]

شئے موہوبہ کی قیمت میں اضافہ یا تبدیلی کی صورت میں :

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر موہوب میں اضافہ ہو گیا تو حق رجوع نہیں ، کیونکہ حق رجوع اس میں ہے جو ہبہ میں شامل ہے اور یہ زیادتی جو اس شئے موہوبہ میں ہوئی ہبہ میں شامل نہیں اور اصل شئے موہوبہ میں بغیر اس زیادتی کے جو اصل شئے سے متصل ہے رجوع ممکن نہیں ، بناہ بریں شئے موہوبہ میں اضافے کے سبب رجوع نہیں کیا جا سکتا ۔[۱۵۷] البتہ اگر اس شئے کی قیمت بڑھ جائے تو رجوع

---

(۱۵۴) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۸

(۱۵۵) المبسوط، امام سرخی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۸۸

مجمع الانہر، داماد آفندی ، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد۲ ، صفحہ ۳۶۱

(۱۵۶) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبو مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲ ، صفحات ۸۸-۸۹

(۱۵۷) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲، صفحہ ۵۶

کا حق ساقط نہ ہو گا کیونکہ قیمت میں اضافہ اصل شئے کی ذات میں اضافہ نہیں بلکہ یہ اضافہ لوگوں کی رغبت کی زیادتی کے سبب ہے ۔ شئے اپنے حال پر جیسی کہ تھی ویسی ہی ہے ۔[158]

واہب نے ایک کپڑا ہبہ کیا موہوب لہہ نے اس کو سرخ یا پیلا رنگ لیا یا اس کو سی لیا اب واہب اس ہبہ میں رجوع نہیں کر سکتا ۔[159]

شیعی نقطہ نظر :

علامہ نجم الدین الحلّی نے لکھا ہے کہ جب واہب اس ہبہ میں رجوع کرے جس میں کہ اس کو رجوع کرنا صحیح ہو (مثلاً شخص اجنبی کے لیے بدون عوض واقع ہوا ہو) اور مال موہوب میں کوئی عیب بزیادتی نقصان حادث ہو چکا ہو تو واہب کو موہوب لہہ سے ڈنڈ (قدر تفاوت بین الصحیح و المعیب) کا مطالبہ صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ وہ ملک موہوب لہہ میں حادث ہوا جس پر مالک کی طرف سے اس کو تسلط حاصل تھا ، خواہ عیب مذکور اسی کے فعل سے حادث ہوا ہو یا اور کسی وجہ سے اور جب کہ مال موہوب میں کوئی نماء متصل زیادتی (جیسے چوپایہ کا فربہ ہونا) حادث ہو تو رجوع کے بعد واہب کا مال ہو گا اور اگر کوئی نماء منفصل زیادتی (جیسے درخت میں پھل اور حیوان سے بچے کا پیدا ہونا) حاصل ہو پس اگر بعد عقد حاصل ہوئے ہوں تو موہوب لہہ کا اور اگر وقت عقد موجود ہو تو واہب کا مال ہوگا ۔[160]

---

(۱۵۸) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲، صفحہ ۵۶

(۱۵۹) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۳

بدائع الصنائع امام کاسانی،(۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۱۰ع، جلد ۶،صفحہ ۱۲۹
الاختیار لتعلیل المختار ، عبداللہ بن محمودبن مودود (۶۸۳ھ) ، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۱ع جلد ۲ ، صفحہ ۵۰

(۱۶۰) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۴ھ) مطبوعہ بیروت القسم الرابع، صفحہ ۲۵۴

جب کہ موہوب لہ پارچہ موہوب (وہ کپڑا جو ہبہ کیا گیا ہے) کو رنگ لے پس اگر ہم قائل ہوں کہ ایسا تصرف مانع رجوع ہے تو واہب کو رجوع کرنا صحیح نہ ہو گا اور اگر ہم قائل ہوں کہ ایسا تصرف اور صورت (جب کہ واہب اجنبی ہو) مانع رجوع نہیں ہے تو موہوب لہ پارچہ مذکورہ میں قیمت رنگ کے ساتھ اس کا شریک ہو گا۔[۱۶۱]

موہوب لہہ کی ملکیت سے نکل جانے کے بعد :

اگر شئے موہوبہ ، موہوب لہہ کی ملک سے نکل جائے تب بھی واہب کو حق رجوع نہیں رہتا چونکہ موہوب لہہ کی ملکیت سے موہوبہ منتقل ہو کر دوسرے کی ملکیت میں پہونچ گئی ، اس سے موہوبہ گویا شئے دیگر ہوگئی کیونکہ تبدیلی ملک سے شئے کی ذات متبدل ہو جاتی ہے ۔ اس کے ماسوا جب موہوب لہہ نے موہوبہ میں تصرف کر کے استفادہ کر لیا تو ہبہ کی غرض اصلی انتہاء کو پہونچ گئی ۔ اب ایسی ملک میں جو ہبہ سے حاصل ہوئی تھی رجوع کا حق دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ اس ملک کو ختم کر دیا جائے اور یہ امر دوسرے کی ملکیت میں ممکن نہیں رہتا ۔[۱۶۲]

اگر شئے موہوبہ موہوب لہہ کے پاس سے ضائع ہو جائے اس سے پہلے کہ واہب قاضی کے حکم کے بعد اس پر قبضہ کرے اور واہب کے مطالبۂ قبضہ کے باوجود موہوب نے موہوبہ کو روکا ہو تو واہب مجاز ہو گا

---

(۱۶۱) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۶ھ)، مطبوعہ بیروت القسم الرابع، صفحہ ۲۵۴

(۱۶۲) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، جلد ۱۲ صفحہ ۵۶

بدائع الصنائع امام کاسانی ، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۱۰ع ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۲۹

کہ وہ شئے موہوبہ کی قیمت موہوب لہہ سے بطور تاوان وصول کرے۔[۱۶۳]

اگر شئے موہوبہ خود ضائع ہو گئی یا اسے موہوب لہہ نے ختم کر دیا یا موہوب لہہ کی ملک سے نکل گئی ہو یا اس نے شئے موہوبہ کو نابالغ بیٹے یا کسی اجنبی کے حق میں ہبہ یا بطور دیگر دے دیا ہو یا خود موہوب لہہ کے پاس وہ شئے موہوبہ باعتبار منفعت (علاوہ قیمت کے) بڑھ گئی ہو تو اس ہبہ سے واہب کے لیے رجوع جائز نہ ہو گا۔[۱۶۴]

اگر گھر ہبہ کیا جس کی بنیاد منہدم ہو گئی تو واہب کے لیے جائز ہے کہ اس زمین پر رجوع کرلے۔[۱۶۵] کیونکہ شئے کی ذات میں کمی رجوع میں مانع نہ ہوگی۔

اگر نصف ہبہ کے عوض میں کوئی چیز دی تو واہب کو حق ہوگا کہ وہ باقی ہبہ میں رجوع کرے۔ کیونکہ جزو پر کل کا اعتبار کیا جائے گا اور موہوبہ کے عوض مقرر کرنے میں اس کے حصے کیے جا سکتے ہیں۔ واہب مجاز نہیں ہے کہ وہ اپنے ہبہ میں (قبضہ کے بعد) بغیر حکم قاضی کے رجوع کرے الا یہ کہ خود موہوب لہہ شئے موہوبہ واہب کو لوٹا دے۔ اس سے پہلے کہ قضائے قاضی (حکم عدالت) کے بعد واہب شئے موہوبہ کا قبضہ موہوب لہہ سے لے، اگر شئے موہوبہ موہوب لہہ سے (بغیر انکار واپسی) ضائع ہو جائے تو ایسی صورت میں واہب کے لیے جائز

---

(۱۶۳) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ صفحہ ۸۲

مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۲ صفحہ ۳۶۴

(۱۶۴) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ صفحہ ۸۳

(۱۶۵) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ صفحہ ۸۳

نہ ہوگا کہ موہوب لہہ سے اس کی قیمت کا تاوان۔[۱۶۶] (البتہ انکار واپسی کے بعد تاوان لیا جا سکتا ہے) ۔

جب کہ شئے موہوبہ ہالکہ (ہلاک ہونے والی) مستہلکہ (ہلاک کی گئی) ہو یا موہوب لہہ کی ملک سے نکل کر اس کے نابالغ بیٹے یا اجنبی کے پاس بذریعہ ہبہ یا بطور دیگر چلی گئی ہو یا خود موہوب لہہ کے پاس سے وہ شئے خیراً بڑھ گئی ہو تو واہب کے لیے ہبہ میں رجوع جائز نہ ہوگا[۱۶۷]

جب کہ شئے موہوبہ ایک مکان ہو یا زمین ہو اور اس کے ایک ٹکڑے پر تعمیر ہو گئی ہو یا درخت اگ آئے ہوں اس سبب سے واہب کو شئے موہوبہ میں رجوع کا حق نہ ہوگا[۱۶۸]۔

اگر شئے موہوبہ گھر ہو اور ہبہ کے بعد اس کی بنیاد منہدم ہو گئی ہو تو واہب کو زمین میں رجوع کا حق ہوگا[۱۶۹] ۔

شیعی نقطۂ نظر :

جب کہ مال موہوب پر قبضہ متحقق ہو جائے پس اگر موہوب لہہ

---

(۱۶۶) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ صفحہ ۸۲

بدائع الصنائع امام کاسانی ، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۹۱۰ء ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۳۱

مجمع الانہر داماد آفندی ، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ھ ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۳

(۱۶۷) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۳

(۱۶۸) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۳

(۱۶۹) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۳

مجمع الانہر ، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۶۰

والدین (ماں باپ) ہوں تو واہب کو اس میں رجوع کرنا اجماعاً جائز نہ ہوگا اور اسی طرح اگر موہوب لہہ سوائے ماں باپ کے اہل قرابت میں سے کوئی اور ہو تب بھی رجوع کرنا جائز نہ ہوگا اگرچہ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے ۔ اگر موہوب لہہ اجنبی ہو اور عین مال باقی ہو تو واہب کو اس میں رجوع کرنا جائز ہوگا اور اگر عین مال تلف ہو گیا ہو تو رجوع کرنا جائز نہ ہوگا اور اسی طرح اگر موہوب لہہ اجنبی ہو اور واہب نے اس سے مال موہوب کے عوض میں کچھ لے لیا ہو تب بھی رجوع کرنا جائز نہ ہوگا اگرچہ قلیل ہو ۔[۱۷۰] اور اگر موہوب لہہ مال موہوب میں ایسا تصرف کر لے جو متلف عین (ذات شئے کو تلف کرنے والا) نہ ہو (جیسے کپڑے کا پہن لینا) تو آیا ہبہ لازم ہو جائے گا یا نہیں ! بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لازم ہو جائے گا اور بعض نے فرمایا ہے کہ لازم نہ ہوگا اور یہی قول اشبہ اور اصول مذہب کے موافق ہے ۔

واہب کی موت کے بعد :

اگر واہب مر جائے تو اس کے وارث کو حق نہیں ہے کہ وہ اس ہبہ میں رجوع کرے ۔ کیونکہ عقد ہبہ کے ساتھ تملیک وارث سے متعلق نہیں ہوتی، لہذا وارث اس شئے میں جو مورث کی ملک میں اس کی موت کے وقت نہیں ہوتی مورث کا جانشین نہیں ہوتا ۔[۱۷۱]

لیکن اگر شخص واہب (ہبہ کرنے والا) عقد کے بعد اور قبضہ سے

---

(۱۷۰) شرائع الاسلام ، نجم الدین ابی جعفر الحلی ، (۶۷۶ھ) ، مطبوعہ بیروت ، القسم الرابع ، صفحہ ۲۵۳

(۱۷۱) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۵۶

مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۶۱

الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۱ء ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۱

پہلے مر جائے تو مال موہوب اس کی میراث میں داخل ہوگا۔۱۷۲

موہوب لہٗ کے مرض الموت میں رجوع :

موہوب لہٗ کے مرض‌الموت میں مبتلا ہونے کی حالت میں واہب رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ وہ کل مال (ہبہ) میں رجوع کر سکتا ہے اور دوسری یہ کہ ایک تہائی میں کر سکتا ہے کیوں کہ مرض‌الموت میں مبتلا ہونے کے سبب مال میں ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔۱۷۳

موہوب لہٗ کی وفات کے بعد :

اگر موہوب لہٗ مر جائے تو اس کی ملک موہوب لہٗ سے اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر موہوب لہٗ کی زندگی میں ملک کسی دوسرے شخص کی جانب منتقل ہو جائے تو واہب کو اس شئے موہوبہ میں رجوع کا اختیار نہیں رہتا اسی طرح موہوب لہٗ کی موت کے بعد بھی واہب کو اختیار نہ رہے گا۔ (کیونکہ موہوب لہٗ کے انتقال سے فی‌الفور اس شئے کی ملکیت میں ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے)۔۱۷۴

پاکستانی عدالتوں کے فیصلے :

جسٹس کیانی و حبیب اللہ خان نے بمقدمہ اورنگ زیب بنام داؤد مندرجہ

(۱۷۲) شرائع الاسلام ، نجم الدین ابی جعفر الحلی ، (۶۷۴ھ) ، مطبوعہ بیروت ، القسم الرابع ، صفحہ ۲۵۳

(۱۷۳) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ھجری، جلد ۱۲، صفحہ ۸۵

بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۹۱۰ء ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۲۹

(۱۷۴) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۶۴ ھجری ، جلد۱۲، صفحہ ۵۶

مجمع الانھر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد۲، صفحہ ۳۶۱

پی ایل ڈی ۱۹۵۷ ، پشاور ، صفحہ ۸۵ قرار دیا کہ ایک ہبہ جو ایک خونی رشتہ دار (blood relation) کو کیا جائے جس سے نکاح ممنوع ہو، مثلاً دادا کی جانب سے اپنے پوتے کو ، ناقابل رجوع ہے ۔ کسی جائز ہبہ کا واپس لینا دو شرطوں کی موجودگی میں ناممکن ہو جاتا ہے ایک یہ کہ موہوب لہہ ازدواجی سبب سے محرم ہو اور دوسرے یہ کہ خونی رشتہ دار ہو ۔ خونی رشتہ داروں کی صورت میں ، جو مذکر ہوں ، یہ طے کرنے کے لیے کہ وہ نکاح کے لیے محرم ہیں ایک کی صنف کو بدلنا ہوگا تا کہ یہ مشخّص کیا جا سکے کہ کیا قرابت محرمہ ہو جاتی ہے ۔

بمقدمہ محمد لطیف بنام محمد نواز مندرجہ پی ایل ڈی ، ۱۹۶۰ لاہور ، صفحہ ۱۳۰ جسٹس محمد شفیع نے قرار دیا کہ اسلامی قانون کے تحت ایک ہبہ جو ایک شخص دوسرے کو کرے جو اس سے اس قدر قریبی رشتہ رکھتا ہو (مثال کے طور پر بھائی) کہ ان دونوں میں ، اگر جسمانی اعتبار سے نکاح ممکن ہو یعنی مختلف صنف سے تعلق رکھتے ہوں تو ایسا نکاح غیر قانونی ہو گا ، ہبہ واپس نہیں لیا جا سکتا ۔ واہب اور موہوب لہہ کا مختلف صنف سے ہونا ضروری نہیں تا کہ ہبہ میں رجوع کی غرض سے ذی رحم محرم کے درجوں میں آ سکے ۔ الفاظ ”محرمی درجات“ کے مصنوعی معنی لینے چاہئیں جس کا مطلب ہے کہ قرابت کا وہ درجہ جو ان دو کے درمیان نکاح کے جواز کو جسمانی اعتبار سے گو ممکن ہو خارج کرتا ہو ۔ ان الفاظ کا لغوی مفہوم نہیں لیا جاسکتا ، چنانچہ سوتیلے بھائی کے حق میں ہبہ ناقابل رجوع ہے ۔

حق رجوع ایک ذاتی حق ہے :

عدالت عالیہ مغربی پاکستان ، پشاور بینچ نے بمقدمہ عبدالرحمن بنام خلیل الرحمن قرار دیا کہ شرع اسلام میں ہبہ سے رجوع کرنے کا حق

ایک ذاتی حق ہے ، چنانچہ یہ حق واہب کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے واہب کے قانونی نمایندگان نہ اس مقدمے کو جاری رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی متابعت میں اپیل کو ، بہر حال تنسیخ ہبہ نامے کا مقدمہ ایک مختلف بنیاد پر قائم ہوتا ہے ایسے مقدمہ کا نہ صرف اختیار ہے بلکہ مقدمہ کرنے کا حق واہب (مدعی) کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے ۔ ایک ہبہ نامے کی تنسیخ کے مقدمے میں بذات خود ہبہ کا معاملہ بسبب چند کوتاہیوں کے جو اس کے تحریر کرنے والے کی نا اہلیت یا اس کی آزاد مرضی سے متعلق ہوتی ہیں ، ہدف اعتراض بنتا ہے ۔ چنانچہ ایسا مقدمہ کسی شخصی حق کے نفاذ کے لیے نہ ہونے کے سبب متوفی واہب کے قانونی نمایندگان کے ذریعہ جائز طور پر جاری رکھا جا سکتا ہے ۔[۱۷۵] (یعنی اگر ہبہ نامہ میں کوئی ایسا نقص موجود ہو جسکے ذریعہ شرعاً ورثاء کو اعتراض کا حق حاصل ہو تو پھر دعویٰ مسموع ہوگا) ۔

صدقہ

۱۸۰ ۔ صدقہ وہ عطیہ ہے جو اُخروی ثواب کے لیے دیا جائے ۔

تشریح

صدقہ میں ہبہ کی مانند قبضہ دہی شرط ہے ۔ جائداد مشاع کا صدقہ جائز نہیں ۔ صدقہ قبضہ دہی کے بعد منسوخ نہیں ہو سکتا ۔[۱۷۶]

صدقہ اور ہبہ میں فرق :

ہبہ اور صدقے کا فرق اس مقصد کے لحاظ سے ہے جس مقصد سے وہ کیا جاتا ہے ہبہ میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ موہوب لہ کے ساتھ اظہار

---

(۱۷۵) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۶ ، پشاور ، صفحہ ۱۲۱

(۱۷۶) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۹۲

فتح القدیر مع الہدایہ ابن ہمام، (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۴۴

محبت کیا جائے ، یا اس کی نظر میں اپنی وقعت یا عزت قائم کی جائے جبکہ صدقے کا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے ۔

صدقے اور وقف میں فرق :

صدقے اور وقف میں یہ فرق ہے کہ صدقے کی صورت میں اصل شئے صرف (خرچ) ہو سکتی ہے ۔ وقف کی صورت میں صرف جائداد کی آمدنی صرف (خرچ) میں لائی جا سکتی ہے ۔

احناف کے نزدیک صدقہ ہبہ کی مانند ہے ، کیونکہ صدقے میں متصدق علیہ (جس کو صدقہ کیا جائے) کی ملکیت بدون قبضہ ثابت نہیں ہوتی ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے ۔ ان کے نزدیک صدقے میں بلا قبضہ ملکیت ثابت ہو جاتی ہے ۔ صحابۂ کرام اور تابعین رضی‌اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب صدقے کا اعلان کیا جائے تو وہ جائز ہو جائے گا ، البتہ ابن عباس اور معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ صدقہ بلا قبضہ جائز نہیں ۔ قاضی شریح اور ابراہیم نخعی سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں ۔ احناف نے ابن عباس رضی‌اللہ عنہ کی حدیث کو اختیار کیا اور حضرت علی اور عبداللہ ابن مسعود کے قول کو اس صدقے سے تعبیر کیا جو ایک آدمی اپنے چھوٹے بچے کے حق میں کرے اور ایسا صدقہ (ہبہ) اعلان کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ شخص شئے موہوبہ پر اپنے چھوٹے لڑکے کی طرف سے قابض ہوتا ہے ۔ احناف کی اس تعبیر کی بنیاد رسول اکرم کا یہ قول ہے : ”کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال اور نہیں ہے تیرے واسطے تیرے مال میں سے مگر وہ جو تو نے کھایا پس وہ فنا کر دیا یا تو نے پہنا پس وہ پرانا کر دیا یا تونے صدقہ کیا پس وہ گزر گیا اور جو کچھ اس کے سوائے ہے

وہ مال وارث کا ہے ۔"۱۷۷

صدقہ جب کہ قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جائے تو صدقہ دینے والے کے لیے رجوع جائز نہیں ، خواہ وہ صدقہ اس کے قرابت داروں کے واسطے ہو یا اجنبی کے واسطے ، کیونکہ صدقے کا مقصد حصول ثواب ہے اور وہ نفس صدقے سے حاصل ہو گیا ۔ اس لیے صدقے کے مکمل ہو جانے کے ساتھ مقصد کے حصول کے بعد صدقے سے رجوع نہیں کیا جا سکتا ۔ صدقہ دینے والا صدقے میں دی جانے والی شئے کو اللہ تعالیٰ کا مال بنا دیتا ہے اور وہ اس شئے کو فقیر کے حوالے کر دیتا ہے ۔ چنانچہ وہ مال اس فقیر کے لیے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ، لہذا عطیہ دینے والے کے لیے قابض پر کوئی احسان نہیں ہوتا اس مال کی ملک میں حق رجوع بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ صدقے کی صورت میں معطی (عطیہ دینے والے) کی ملک معدوم ہو گئی اس لیے وہ اس میں رجوع نہیں کر سکتا اور یہی صورت ہبہ میں رجوع کے حکم کی ہے خواہ موہوب لہ مسلمان ہو یا کافر کیونکہ مسلمان یا کافر ہونے سے مقصود مختلف نہیں ہوتا ۔ لیکن اگر موہوب لہ اجنبی ہو تو ہبہ کا مقصود عوض ہے اور اگر رشتہ دار ہو تو اس کا مقصود صلۂ رحمی ہے اور یہ صورت مسلمان اور کافر دونوں میں برابر ہے ۔۱۷۸

ایک شخص نے مساکین کے حق میں ہبہ کیا اور ان کو قبضہ بھی دے دیا تو ازروئے استحسان وہ رجوع نہیں کر سکتا لیکن بر بنائے قیاس اس کو رجوع کا حق ہے کیونکہ اس کی ملک بطریق ہبہ ہے اور اسباب ملک میں غنی اور فقیر بیع کی طرح دونوں برابر ہیں ۔ از روئے استحسان اس کو

---

(۱۷۷) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۸

(۱۷۸) المبسوط ، امام سرخسی، (۴۸۳ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۵۸

رجوع کرنے کا حق اس بناء پر نہیں کہ فقیر اور مسکین کے حق میں ہبہ کرنا ثواب کی نیت سے ہوتا ہے نہ کہ عوض کے لیے ۔[۱۷۹]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ ہبہ جو صلۂ رحمی کے لیے کیا جائے یا بطور صدقہ ہو اس میں رجوع نہیں ہو سکتا ۔[۱۸۰]

امام محمد نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے گھر میں مسجد بنالی ۔ اس میں لوگ نماز پڑھتے تھے پھر وہ شخص مر گیا وہ گھر (مع جائے مسجد) ورثاء کی میراث ہوگا اس لیے کہ اس شخص نے اپنی ملک سے اس کو ممیز نہیں کیا اور یہ صدقہ مشاع کے معنی میں ہوگا ،[۱۸۱]

شیعی نقطۂ نظر :

علامہ نجم الدین ابی جعفر الحلّی نے شیعی فقہ پر اپنی مشہور تصنیف "شرائع الاسلام" میں لکھا ہے کہ صدقہ وہ عقد ہے جو ایجاب اور قبول اور اقباض (قبضہ دینے) کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور اگر مال صدقہ پر بدون رضا مالک کوئی شخص معطی لہ (جس کو کہ عطا کیا گیا ہے) کو قبضہ دے گا یا وہ از خود قبضہ کر لے گا تو اس کی طرف منتقل نہ ہوگا اور صحت صدقہ میں نیت قربت شرط (الی اللہ) ہے اور مال صدقہ کا قبضہ دینے کے بعد واپس لینا علی الاصح (مذہب صحیح کی بناء پر) جائز نہیں ہے اس لیے کہ صدقہ سے اجر و ثواب مقصود ہوتا ہے جو معطی (دینے والا) کو حاصل ہوچکا ۔ پس صدقہ بمنزلہ ہبہ بالعوض ہے جس میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اور غیرهاشمی کا صدقہ مفروضہ جو صدقہ واجب ہے (جیسے زکوۃ اور فطرہ) بنی ہاشم پر حالت اختیار میں حرام اور صدقہ ہاشمی (جو

---

(۱۷۹) المبسوط ، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۹۳

(۱۸۰) المبسوط، امام سرخسی ، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۴، ہجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۹۳

(۱۸۱) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۹۳

ہاشم بن عبدالمناف کی طرف منسوب ہے) مطلقاً (خواہ حالت اختیار ہو یا حالت اضطرار) اور صدقہ غیر ہاشمی حالت اضطرار میں بنی ہاشم پر حرام نہیں ہے۔ البتہ بنی ہاشم کو صدقہ مندوبہ (سنتی صدقہ جیسے گندمو گو سفند وغیرہ) کے لینے میں مطلقاً (خواہ وہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا) مضائقہ نہیں۔[۱۸۲] اس مقام پر تین مسئلے بیان کیے گئے ہیں :

(۱) صدقہ میں بعد قبضہ رجوع کرنا علی الاصح مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ اس کا عوض حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور خواہ اہل قرابت کو دیا ہو یا کسی اجنبی کو ۔

(۲) کافر ، ذمی کو صدقہ دینا جائز ہے اگرچہ اجنبی ہو ، اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "علی کل کبد حری اجر (ہر تفتیدہ جگر پر تصدق کرنے میں اجرو ثواب ہے) جو کافر ، ذمی کو بھی شامل ہے ۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "لا ینہکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین" یعنی حق تعالیٰ تم کو ان لوگوں پر احسان کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تمہارے ساتھ دین اسلام کے بارے میں مقاتلہ نہیں کیا ۔

(۳) صدقہ جہری سے (علانیہ تصدق کرنا)صدقہ سرّی (پوشیدہ تصدق کرنا) افضل اور بہتر ہے لیکن اگر صدقہ نہ دینے میں متہم ہو تو دفعہ تہمت اور حفظ آبرو کے لیے علانیہ صدقہ بہتر اور افضل ہے ۔

ظاہریہ مسلک :

امام ابن حزم کے نزدیک ہبہ ، صدقہ ، عطیہ کا ایک ہی حکم ہے ۔ یہ تمام عقد محض عبارت سے مکمل ہو جاتے ہیں ۔[۱۸۳]

---

(۱۸۲) شرائع الاسلام ، مطبع بیروت ، قسم ثانی ، صفحات ۲۵۱

(۱۸۳) المحلی ، ابن حزم ، (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۴۲

عاریت

۱۸۱ - کسی شئے کو لینے اور اس سے استفادہ کرنے کی ایسی اجازت جسے دینے والا جب چاہے منسوخ کر دے "عاریت ہے"۔

تشریح

عاریت (licence) سے حق ملکیت پیدا نہیں ہوتا بلکہ عارضی طور پر اس شئے سے جس حد تک اور جس وقت تک استفادہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس وقت تک حق استفادہ اس شئے کی نسبت پیدا ہو جاتا ہے۔ ہبہ کے برخلاف عاریت بہر صورت منسوخ کی جا سکتی ہے۔

عاریت کا مطلب ہے کہ یوسوفرکٹ (usufruct) کا ہبہ۔ عاریت قابل رجوع ہے جب کہ ہبہ صرف خاص صورتوں میں قابل رجوع ہے۔[۱۸۴] ظاہریہ کے نزدیک بھی عاریت ایک مستحسن عمل ہے اور بعض حالات میں فرض ہو جاتا ہے۔[۱۸۵]

مجلۃ الاحکام میں عاریت کے قانونی احکام :

مجلۃالاحکام العدلیہ میں عاریت کے سلسلہ میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے :

۸۰۴ - عاریت کا معاملہ ایجاب اور لین دین سے مکمل ہو جاتا ہے۔

۸۰۶ - معیر (عاریت دینے والے) کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اپنا مال واپس لے لے۔

۸۰۷ - عاریت کے لیے یہ شرط ہے کہ جو چیز مستعار دی یا لی جائے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو، اسی لیے بھاگے ہوئے یا قابو سے باہر جانور کا عاریت پر دینا یا لینا صحیح نہیں ہے۔

۸۱۰ - عاریت میں قبضہ شرط ہے۔ قبضہ میں مال لینے سے پہلے کوئی حکم عاریت عاید نہیں ہو سکتا۔

---

(۱۸۴) پی ایل ڈی، ۱۹۵۸، لاہور، صفحہ ۱۸۹

(۱۸۵) المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۶، صفحہ ۲۰۵

۸۱۱ - عاریت میں مال مستعار کا متعین ہونا بھی شرط ہے ۔

۸۱۲ - مستعیر عاریت میں بغیر کسی بدلے کے مال مستعار سے انتفاع کا حق دار ہو جاتا ہے ۔ اسی لیے معیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ مستعیر سے انتفاع کے بدلے کوئی کرایہ یا صلہ طلب کرے ۔

۸۱۳ - مال مستعار مستعیر کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے ۔ اس لیے اگر بغیر کسی عمل یا کوتاہی عمل (تعدی یا تقصیر) کے اگر مستعیر کے قبضہ میں یہ مال تلف ہو جائے تو مستعیر پر کوئی تاوان (ڈنڈ) عاید نہ ہوگا۔ مثلاً ایک مستعار آئینہ بلا قصد و ارادہ ہاتھ سے چھوٹ کر گرے اور ٹوٹ جائے یا مستعیر کا پیر نادانستگی میں آئینہ پر پڑ جائے اور آئینہ ٹوٹ جائے ، یا مستعار فرش پر کچھ گر کر اسے داغ دار کر دے اور اس کی قیمت میں نقص آ جائے تو مستعیر پر کوئی تاوان عاید نہ ہوگا ۔

۸۱۴ - اگر مستعیر سے کوئے بے اعتدالی ہوئی یا کوتاہی عمل سرزد ہوئی اور مال مستعار تلف ہو گیا یا اس کی قیمت میں نقص واقع ہو گیا تو چاہے اس کا کوئی بھی سبب ہو ، مستعیر پر تاوان عاید ہوگا ،

۸۱۵ - مال مستعیر کے اخرجات ضروریہ مستعیر پر عاید ہوتے ہیں ، اسی لیے اگر کسی نے مستعار جانور کو چارہ نہ دیا اور جانور ہلاک ہو گیا تو مستعیر پر تاوان عاید ہوگا ۔

۸۱۸ - اگر عاریت میں کسی خاص نوعیت انتفاع کی شرط ہو تو مستعیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس نوعیت سے تجاوز کرے ، لیکن اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس سے خفیف تر یا آسان تر یا اس کے برابر کی حد تک دوسری نوعیت کا انتفاع کرے ۔

۸۲۴- مال عاریت کو معیر کی اجازت کے بغیر کسی کو کرایہ پر دینے یا رھن رکھنے کا حق مستعیر کو حاصل نہیں ۔

۸۲۵- معیر جب مستعیر سے عاریت پر دیا ھوا مال واپس مانگے تو فوراً اس کی واپسی ضروری ھے ۔ اگر مستعیر نے بغیر کسی عذر کے واپسی میں دیر کی اور مال عاریت تلف ھو گیا یا اس کی قیمت میں نقص آ گیا تو تاوان عاید ھو گا ۔

۸۲۶- وہ عاریت جس میں صریحاً دلالتاً وقت کا تعین ھو ، اس کی واپسی مقررہ وقت پر ھو گی ، لیکن واپسی میں اتنی دیر جو عادتاً ھو ھی جاتی ھے ۔ قابل در گزر ھو گی ۔[186]

---

(۱۸۶) ماخوذ المجلة الاحکام العدلیة ، باب سوم ، عاریت

پچیسواں باب

وقف

تعریفات

۱۸۲ ۔ (الف) کسی قیمتی شئے کی ذات (corpus of property) کو خدا کی ملک میں مقید کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر بہ اغراض مذھبی و خیراتی لیک لیتی کے ساتھ دائماً صدقہ کر دینے کا صاف اور صریح اظہار "وقف" کہلاتا ھے ۔

(ب) وقف کرنے والے شخص کو "واقف" یا "بانی وقف" کہا جاتا ھے ۔

(ج) وقف جس فرد یا جماعت کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا جائے اس فرد یا جماعت کو "موقوف علیہ" یا "موقوف علیھم" کہا جاتا ھے ۔

(د) جس تحریر کے ذریعہ سے وقف کا اعلان کیا جائے اس کو "وقف نامہ" کہا جاتا ھے ۔

(ہ) اگر وقف اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ وہ واقف کی وفات کے بعد نفاذ پذیر ہو تو ایسے وقف کو "وقف بالوصیت" کہا جاتا ھے ۔

(و) جو شخص اغراض وقف کے پورا کرنے اور واقف کی ھدایات کے مطابق وقف پر عمل درآمد کرنے کے لیے مقرر کیا جائے اس کو "متولی وقف" کہا جاتا ھے ۔

تشریح

وقف کے لفظی معنی روکنا ، باندھنا ، تحویل میں رکھنا ھیں ۔ عربی لغت میں اس کے معنی "حبس" (بند کرنے ، قید کرنے) کے ھیں[1] ۔ امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق کسی مخصوص شئے کی ملکیت کو واقف کے حق ملک میں

---

(۱) المبسوط، امام سرخسی، (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۶
ھدایۃ، برھان الدین مرغینانی ، ۵۹۳ھ کراچی ، جلد ۲ ، صفحہ ۶۳۷

روک رکھنا اور اس کے منافع یا استفادہ کو محتاجوں پر خیرات میں یا دوسرے حسنات (نیک کاموں) میں صرف کیے جانے کے واسطے مخصوص کر دینا شرعی وقف کہلاتا ہے ۔ صاحبین (امام ابویوسف و امام محمد) کی رائے میں وقف کے معنی شئے موقوفہ سے واقف کی ملکیت کا زائل ہو کر معنوی طور پر خدا کی ملکیت میں اس طرح آ جانا ہے کہ اس کا منافع مخلوق کی طرف رجوع کرے اور اس کے کام آئے ۔[۲]

امام ابو حنیفہ کا نقطۂ نظر :

امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ تعریف کی رو سے کسی شئے کو حکماً واقف کی ملکیت میں تصور کرتے ہوئے شئے کی منفعت کو دوسروں پر صدقہ کر دینا "وقف" ہے ۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف لازم نہیں ہوتا بلکہ نفس شئے کو حکماً واقف کی ملکیت میں تصور کرتے ہوئے اس کی منفعت کو دوسروں پر صدقہ کر دینا عاریت کی درجے کا حامل ہے ۔ لہذا وقف کے درجۂ عاریت میں ہونے کے سبب واقف کو اپنی حین حیات ، اس سے رجوع کرنے ، دوسروں کو ہبہ کر دینے یا فروخت کر دینے کا حق حاصل رہتا ہے تاآں کہ وہ وقف حد لزوم کو نہ پہنچ جائے ۔ ان کے نزدیک وقف اس وقت لازم ہو گا جب کہ حکم حاکم ہو جائے (یا وقف بذریعہ وصیت ہو) ۔ چنانچہ ان کے نزدیک جب تک حکم حاکم نہ ہو جائے (یا بطور وصیت نہ ہو) وقف لازم نہ ہو گا اور واقف شئے موقوفہ کی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے ۔[۳]

---

(۲) ہدایہ ' برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) کراچی ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۳۷

(۳) ردالمختار ' ابن عابدین ' (۱۲۵۲ھ) مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۶۸

مجمع الانہر' داماد آفندی' ۱۰۷۸ھ مطبوعہ مصر' ۱۳۲۷ھ' جلد ۱' صفحہ ۷۳۹

الاختیار لتعلیل المختار ' عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ) مطبوعہ مصر ' ۱۹۵۱ع جلد ۳' صفحہ ۴۰

فتح القدیر' ابن ہام' (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۳۷

امام محمد کی رائے :

امام محمد کے نزدیک وقف حسب ذیل چار شرائط کے بعد لازم ہوگا :

(۱) حکم حاکم ۔

(۲) جائداد موقوفہ کی اس کی صلاحیت کے مطابق سپردگی ۔

(۳) موت پر معلق ہو تو موت کا واقع ہو جانا ۔

(۴) اس طرح وقف کرنا کہ میں نے اس شئے کو اپنی زندگی میں وقف کیا اور وفات کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے ۔

امام ابو یوسف کی رائے :

امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ھے کسی شئے کی ذات کو اپنے ملک سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دائماً محبوس کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر صدقہ کر دینا "وقف" ھے ۔ خواہ موقوف علیہ غنی ھی کیوں نہ ھو ۔ امام ابویوسف کے نزدیک وقف کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد ھی سے واقف کو رجوع کا حق حاصل نہیں رھتا ۔ پھر نہ واقف شئے موقوفہ کو ھبہ کر سکتا ھے نہ فروخت کر سکتا ھے اور نہ اس میں وراثت جاری ھو سکتی ھے ۔[۴] چنانچہ امام ابویوسف کے نزدیک وقف صرف قول سے لازم ھو جاتا ھے ، حکم حاکم یا متولیان کے قبضے کی حاجت نہیں ۔ وقف کے لازم ھو جانے

---

(۴) درالمختار برحاشیہ ردالمختار، علاءالدین حصکفی ، (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۳ ، صفحہ ۳۶۹

مجمع الانہر ، داماد آفندی ، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ھجری، جلد ۱، صفحہ ۷۳۹

بحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ھجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۱۲ ۔

فتاوی عالمگیری ، (عربی) ، مطبع مجیدی کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۵

فتح القدیر، ابن ھمام (۸۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۵، صفحہ ۴۰

احکام الاوقاف ، شفیق العانی ، مطبوعہ بغداد ، ۱۹۶۰ع، صفحہ ۱۱

کے سلسلے میں امام ابویوسف کا قول مفتی بہ اور زیر عمل ہے [5]

ائمۂ ثلاثہ کے اقوال :

ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اصل ذات شئے موقوفہ کس کی ملکیت ہوتی ہے ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ، امام ابو حنیفہ اس کو واقف کی ملکیت قرار دیتے ہیں جب کہ صاحبین اور دیگر حنفی فقہا اسے اللہ تعالیٰ کی ملک کہتے ہیں ۔ مالکیہ کے نزدیک ملکیت واقف کی ہے ۔ حنفی فقہاء میں سے شیخ ابن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے ۔ ازالۂ ملک کے اعتبار سے شافعیہ کا قول صاحبین کے موافق بیان کیا جاتا ہے اور حنبلیہ کی رائے میں ملکیت معین موقوف علیہم کی ہے ۔[6]

شیعہ فقہ میں وقف کی تعریف :

شرائع الاسلام کے مصنف علامہ نجم الدین جعفر الحلی نے وقف کے بارے میں لکھا ہے کہ "وقف وہ عقد ہے جس کا ثمرہ تحبیس اصل اور اطلاق منفعت ہے ۔"[7] (یعنی شئے کی ذات کو روک لینا اور اس کے منافع کو چھوڑ دینا ہے) ۔ لیکن حقیقت میں یہ وقف کی تعریف نہیں کہی جا سکتی بلکہ اس

---

(۵) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۳۷۲-۳۷۵
فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۱۵
فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۵، صفحات ۴۴-۴۰
الاحکام الاوقاف، شفیق العانی، مطبوعہ بغداد، ۱۹۶۰ع، صفحہ ۱۰
الاسعاف، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۲ ھجری، صفحہ ۹

(۶) فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ) جلد ۵، صفحہ ۴۰

(۷) "الوقف عقد ثمرته تحبیس الاصل و اطلاق المنفعة" (شرائع الاسلام، علامہ نجم الدین جعفر الحلی، (۶۷۶ھ) مطبوعہ تہران، ۱۳۷۷ ھجری، صفحہ ۱۵۲

کے بعض خواص کا ذکر ہے ، کیونکہ تحبیس کا لفظ عام ہے خواہ اس میں دوام ہو یا نہ ہو ۔ للهذا اس کو اگر یوں کہا جائے تو صحیح ہو گا کہ "وقف وہ عقد ہے جس میں ہمیشہ کے لیے اصل کی تحبیس اور منفعت کا اطلاق کیا جاتا ہے ۔"

جمہور حنفی فقہاء کے نزدیک جائداد موقوفہ خدا کی ملکیت ہو جاتی ہے لیکن شیعی فقہاء کے نزدیک وقف واقف کے ورثاء کی طرف رجوع کر جائے گا ۔[۸]

وقف ایکٹ میں وقف کی تعریف :

قانون جواز اوقاف مسلمانان ایکٹ ۱۹۱۳ع کی دفعہ ۲ میں وقف کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

> "وقف" سے مراد کسی ایسے شخص کا جو مذہب اسلام کا پیرو ہو، کسی جائداد کو کسی ایسی غرض کے لیے جو بروئے شرع محمدی، صالح یا خیراتی تسلیم کی جاتی ہو دواماً فی سبیل اللہ نذر کر دینا ہے ۔

یہ ایکٹ معاملات سابقہ پر بھی اثر انداز ہے اور ان تمام اوقاف سے متعلق ہوتا ہے جو ایکٹ مذکور کے نفاذ کے قبل یا بعد میں کیے گئے ہوں۔

جوڈیشل کمیٹی نے ایک مقدمہ میں اس تعریف کے متعلق قرار دیا کہ

---

(۸) شرائع الاسلام مطبوعہ تہران صفحہ ۱۵۳ میں خود صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ ظاہر قول یہی ہے کہ وقف واقف کے ورثاء کی طرف رجوع کر جائے گا ۔ دوسرا قول ضعیف ہے ، نیز عروۃالوثقی ، مطبوعہ تہران مطبع حیدری ۱۳۷۷ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۵ ، میں ہے ۔ "فہل یرجع الی ورثۃالواقف او ، ورثۃالموقوف علیہ او یصرف الی وجوہالبر ، اقوال؟ اقواہا بل المتعین الرجوع الی ورثۃالواقف حسب ما مرمن التحقیق ۔" یعنی کیا وقف واقف کے ورثاء کی طرف رجوع کر جائے گا یا موقوف علیہ کے ورثاء کی طرف یا اچھے نیک کاموں میں صرف کیا جائے گا ۔ اس میں (کئی) قول ہیں ۔ سب سے قوی یہ ہے کہ واقف کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا ۔ جیسا کہ وہ تحقیق سے گذرا ۔

یہ تعریف اس ایکٹ کے لیے کی گئی ہے ۔ اس سے وقف کی اس تعریف کا جامع (exhaustive) ہونا لازم نہیں آتا ۔[۹]

شئے موقوفہ کا قیمتی ہونا :

جس شئے کو وقف کیا جائے اس کا قیمتی ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً جائداد غیر منقولہ (زمین ، مکان وغیرہ) یا ایسی جائداد منقولہ جس کا وقف کرنا عرف میں رواج پا چکا ہو ۔[۱۰] وقف ایکٹ کی رو سے ہر قسم کی جائداد وقف ہو سکتی ہے چنانچہ اس کی رو سے جائداد منقولہ بھی وقف کی جا سکتی ہے خواہ اس منقولہ جائداد کا وقف کیا جانا مروج ہو یا نہ ہو ۔ لہٰذا وقف ایکٹ کی رو سے زر نقد کا وقف بھی کیا جا سکتا ہے ۔[۱۱] ظاہریہ کے نزدیک بھی جائداد کا وقف صحیح ہوتا ہے ۔[۱۲]

اغراض وقف :

جن اغراض و مقاصد کے لیے وقف کیا جائے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اغراض و مقاصد شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی یا امور خیر میں شمار ہوتے ہوں ۔[۱۳]

دوام وقف :

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۵۹ ۔

الفاظ وقف

۱۸۳ ۔ (۱) ہر ایسے کلمے سے وقف وقوع میں لایا جا سکتا ہے جو وقف کے لیے شرعاً مستعمل ہو ۔

---

(۹) مامی بنام قلندر امل' ۱۹۲۷ع' ۵۴ انڈین اپیلز' ۲۳' ۲۷ = ۱۹۲۷ع آل انڈیا رپورٹر پریوی کونسل ، ۲۲

(۱۰) ردالمختار ' ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) 'مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ہجری' جلد ۳ ' صفحہ ۳۷۰

(۱۱) پی ایل ڈی ، ۱۹۵۸ع لاہور ، صفحہ ۸۲۳

(۱۲) المحلی ، ابن حزم ، مطبوعہ (۴۵۶ھ) مصر ، جلد ۹ ، صفحہ ۲۱۴

(۱۳) فتاوی عالمگیری (عربی) ' مطبوعہ مصر ، ۱۲۸۲ ہجری ، صفحہ ۲۹۷

(۲) اگر کوئی مسلمان بحالت صحت و بقائمی ہوش و حواس کسی شئے کے بارے میں جو اس کی ملک ہو موقوفہ ہونے کا اقرار کرے تو وہ شئے موقوفہ متصور ہوگی ۔

(۳) مریض (بحالت مرض الموت) کا اقرار وقف اس کے ترکہ کی ایک تہائی کے بقدر صحیح ہوگا ۔

توضیح : وقف کرنے کے لیے محض لفظ ''وقف،، ھی کا استعمال ضروری نہیں ۔

تشریح

وقف کو وقوع میں لانے کے لیے اصل امر واقف کا ارادہ اور نیت ھے ۔ اس ارادے اور نیت کے اظہار کے لیے ہر اس کلمے کا اعتبار کیا جا سکتا ھے جو وقف کی تشکیل کے سلسلے میں شرعاً مستعمل ہو ۔ چنانچہ اس سلسلے میں محض لفظ ''وقف'' ھی کا استعمال ضروری نہیں ۔[۱۳]

بحرالرائق کے مؤلف علامہ ابن نجیم نے وقف کی تشکیل کے سلسلے میں ۲۶ الفاظ درج کیے ھیں جن میں سے چند الفاظ یہ ھیں ۔

''صدقہ، موقوفہ، محبوسہ ، حبس ، فی سبیل اللہ(اللہ کی راہ میں) وقف''۔

''الفاظ جو شرعاً وقف کے لیے مستعمل ھوں'' کا مطلب یہ ھے کہ جن الفاظ سے عرف کےطور پر دوام ثابت ھوتا ھو ان سے وقف تشکیل میں آ جائے گا اور شرع بہ اعتبار عرف اس کلمے کو وقف پر محمول کرے گی ۔

الفاظ کی قسمیں :

الفاظ وقف کی دو قسمیں ھیں ۔ ایک صریح اور دوسرے کنایہ ۔ صریح الفاظ وقف میں قرینے اور نیت کی ضرورت نہیں ھے البتہ کنایے میں

---

(۱۳) درالمختار برحاشیہ ردالمحتار ' علاء الدین حصکفی (۱۰۸۸ھ)' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ ھجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۷۲
احکام الاوقاف ، شفیق العانی ، مطبوعہ بغداد ، ۱۹۶۰ع ' صفحہ ۱۸

واقف کا اصل منشاء و مقصود معلوم کرنے کی غرض سے قرائن اور نیت کا اعتبار کیا جائے گا ۔

اگر کسی شخص نے اس طرح وقف کیا کہ ”میری فلاں زمین سے کچھ حصہ وقف ہے“ اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو وقف درست نہ ہوگا ۔ لیکن اگر اس طرح کہا کہ ”اس زمین یا دوکان میں میرے جتنے حصے ہیں وہ وقف ہیں“ یا کہا کہ ”اس پورے مکان میں میرا حصہ جو کہ ایک تہائی ہے وقف ہے“ لیکن اس کے بعد یہ حصہ نصف کے درجے میں پایا گیا تو کل حصہ وقف ہوگا ۔[۱۵]

اگر ایک شخص یہ الفاظ استعمال کرے کہ ”میں نے اپنی اس زمین کو فقراء و مساکین پر صدقہ کیا“ تو یہ وقف نہ ہوگا بلکہ اگر اس نے اس کے لازم ہونے کی نیت کی ہے تب یہ صدقہ کرنے کی نیت سے نذر مال تصور کیا جائے گا اور اگر اس صورت میں کسی معین شخص کا نام لیا تو یہ اس شخص کے حق میں صدقہ بطور تملیک ہوگا اور جب تک قبضہ نہ دے گا صدقہ مکمل نہ ہوگا ۔ لیکن اگر اس طرح کہا کہ ”میں نے اپنی اس زمین کو وقف کیا یا اسے مقید کر دیا یا حرام کر دیا یا یہ موقوفہ ہے یا یہ محبوسہ ہے یا محرمہ ہے“ تب بھی وقف باطل ہوگا کیوں کہ اس کلام میں متعدد احتمالات ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ مراد ہو کہ اس کو میں نے اپنی ضروریات کے لیے مخصوص کر دیا یا یہ کہ میں نے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے اسے مقید کر دیا دوسری صورتوں میں اس کا صرف کرنا حرام ہوگا ۔ اگر کسی معین شخص کو (مخاطب کرکے) کہا کہ ”یہ میں نے تمہارے لیے وقف کی یا مقید کی یا تمہارے لیے وقف ہے یا مقید ہے“

---

(۱۵) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد۵، صفحہ۲۰۳
ردالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۷۱

تب بھی وقف باطل ہوگا، البتہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس شے کا مالک ہو جائےگا بشرطیکہ اس پر قبضہ بھی دے دیا گیا ہو۔ اگر ایک شخص کہے کہ "میرا مکان تمھاری مکونت کے لیے ہے" تو (بظاہر) یہ عاریت ہوگی۔ اب اگر اسی شخص نے یہ کہا کہ "یہ مکان فقراء اور مساکین کے لیے صدقہ موقوفہ ہے" اور پھر اپنے قبضے سے نکال کر متولی کے قبضے میں دے دیاتا کہ وہ اس کی نگرانی کرے اور (اس کی آمدنی سے) اس کی مرمت اور پانی کی نالیوں کی اصلاح کرے اور کھیتی باڑی کا انتظام کرے اور اس کی آمدنی سے اتنا بچا رکھے جو اس زمین کی ضرورتوں میں بوقت حاجت کام آئے اور جو باقی رہے ہر سال فقراء اور مساکین میں صرف کر دے تو یہ وقف صحیح و جائز ہوگا۔[16]

شیعہ نقطۂ نظر :

"وقف" کا لفظ صریح ہے۔ اس لیے ظاہر لفظ حجت ہے خواہ وقف کا قصد کرے یا نہ کرے اس لیے کہ یہ لفظ وقف کے معنی میں صریح ہے۔

دیگر الفاظ جو صریح نہ ہوں جن کا استعمال وقف اور غیر وقف دونوں میں ہوتا ہے تو اس میں نیت اور قرینہ دونوں کا لحاظ کیا جائےگا۔[17]

جواز وقف کے لیے تحریر ضروری نہیں :

وقف کے لیے کسی تحریری دستاویز کی ضرورت نہیں ہے۔کسی جائداد کے بطور وقف استعمال سے بھی اس کا وقف ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے۔[18]

---

(۱۶) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۳۲

(۱۷) شرائع الاسلام، نجیم الدین ابی جعفر الحلی (۶۷۴ھ) مطبوعہ تہران، ۱۳۷۷ھ، صفحہ ۱۵۲

(۱۸) پی، ایل، ڈی، ۱۹۶۱ع، لاہور، صفحہ ۹۹۳

یہ ثبوت فقہی قاعدے (الاصل بقاء ما کان علی ما کان) اور (القدیم یترک علی قدمہ) کے تحت داخل ہے۔ (شرح المجلہ محمد خالد الاتاسی و محمد طاہر الاتاسی مفتی حمص مطبوعہ حمص ۱۹۳۰ع صفحہ ۲۳-۲۰)

قانون تنظیم اوقاف، مصر ۱۹۴۲ع کی رو سے وقف کا تحریری ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے -

جواز وقف

۱۸۴ - وقف کے جواز کے لیے حسب ذیل شرطوں کا ہونا ضروری ہے :

(۱) واقف عاقل ، بالغ اور آزاد ہو -

(۲) وقف کے وقت غیر محجور ہو -

(۳) وقف کے وقت شئے موقوفہ کا مالک ہو -

(۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ ہو -

(۵) وقف ماسوائے وصیت فوری ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہو الّا یہ کہ وہ شرط یقیناً موجود ہو یا موجود ہو جانے والی ہو

(۶) شئے موقوفہ معروف اور مشخّص ہو -

(۷) بیع یا ہبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو -

(۸) وقف دوامی ہو -

تشریح

وقف کے جواز کی شرائط واقف، شئے موقوفہ اور موقوف علیہم تینوں سے متعلق ہیں -

از روئے قانون صرف وہ شخص اپنی جائداد اور املاک میں تصرف کرنے کا اہل قرار دے دیا گیا ہے جو عاقل اور بالغ ہو چنانچہ ہر وہ مسلمان جو عاقل اور بالغ ہو اپنی جائداد وقف کرنے کا مجاز ہے - بالفاظ دیگر ایک نابالغ یا پاگل شخص کا وقف قانوناً جائز نہ ہوگا ، البتہ اگر کوئی شخص بے وقوفی (idiocy) کی بناء پر تصرفات سے روک دیا گیا ہو تو وہ اپنی زندگی تک اپنی ذات کے لیے اور بعد وفات امور خیریہ پر صرف کرنے کے لیے وقف کرے تو امام ابو یوسف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایسا وقف درست ہوگا اور اگر وقف کی رجسٹری بھی کرا دی گئی تو متفقہ

طور پر صحیح ہوگا۔[19] کیونکہ وقف کے ذریعہ ضرر کا احتمال موجود نہیں ہے۔

ملکیت شرط ہے:

جائداد موقوفہ کا وقف کے وقت واقف کی ملکیت ہونا ضروری ہے۔ شئے موہوبہ کا وقف جب کہ وہ واہب کے قبضہ ملکیت میں نہ ہو درست نہ ہوگا[20]۔ چنانچہ اگر ایک شخص کوئی زمین کسی شخص سے خرید کر وقف کر دے اس کے بعد ایک تیسرا شخص اس زمین پر اپنا حق ثابت کر دے کہ وہ زمین فروخت کنندہ کی ملکیت نہ تھی تو وقف باطل ہو جائے گا، اگرچہ اس پر مسجد ہی کیوں نہ بنا دی گئی ہو۔ اسی طرح وقف کے بعد اگر کوئی شفعہ کا دعویٰ کر دے اور جائداد موقوفہ پر اپنا حق ثابت کر دے تو وقف باطل ہو جائے گا، خواہ اس کو مسجد کی شکل دے دی گئی ہو[21]۔ ایسی زمین کا وقف بھی درست نہ ہوگا جس کا مالک سرکاری

(۱۹) بحرالرائق، ابن نجیم، (۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۰۳
ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۷۰
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۱۶
فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۳۸

(۲۰) ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۷۰
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، صفحہ ۲۰۳
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مجیدی کان پور، جلد ۳، صفحہ ۳۱۵
فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۳۸

(۲۱) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۰۳
ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۷۰
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۱۶

لگان ادا نہ کرنے کی بناء پر اس زمین کو لگان کی وصولیابی کے لیے حکومت کے سپرد کردے تاکہ اس کی آمدنی سے حکومت اپنے لگان وصول کرے ۔[۲۲]

ایجاب یا اعلان وقف :

احناف کے نزدیک عام معاهدات کے برخلاف وقف محض ایجاب یا اعلان واقف سے منعقد هو جاتا هے، اس کے جواز یا صحت کے لیے قبول شرط نہیں ۔ چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق قبول صریح وجود وقف کے لیے یا اس میں استحقاق قائم هونے کے لیے بطور شرط لازم نہیں هے، خواہ موقوف علیه معین اور محدود هوں یا غیر معین اور غیر محدود هوں ۔ یہی مسلک مالکیه اور حنبلیه فقہاء کی اکثریت کا هے۔ شافعیه بعض صورتوں میں قبول کو شرط قرار دیتے هیں۔ شیعه فقہاء معین موقوف علیه کی صورت میں قبول کو لازمی کہتے هیں ۔[۲۳]

دراصل واقف کا محض وقف کرنے کا اعلان ایک مکمل اور جائز وقف کی تکمیل کے لیے کافی هے ۔ یه ضروری نہیں هے که شئے موقوفه کا قبضه بھی متولی کو دیا جائے۔ اگر واقف نے وقف کو نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ خود کو جائداد موقوفه کی ملکیت سے خارج کرکے وقف کیا هو تو یه جائز وقف هوگا ۔[۲۴]

امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اقوال کے مطابق وقف اپنی تکمیل کے لیے قبضے کا محتاج نہیں۔ حنبلیه مسلک میں اس بارے

---

(۲۲) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعه مصر، ۱۳۱۱ هجری، جلد۵، صفحه ۲۰۳
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحه ۳۱۶
احکام الاوقاف، خصاف، مطبوعه مصر، ۱۳۲۲ هجری، صفحه ۳۵

(۲۳) کفایة الاحکام فی فقهه الاسلامیه، طبع حجر، ایران
المغنی، ابن قدامه مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعه مصر، ۱۳۶۷ هجری، جلد ۵، صفحه ۵۳۶-۵۳۷

(۲۴) پی ۔ ایل ۔ ڈی، ۱۹۵۲ع، ڈھاکه، صفحه ۲۰۶

میں دو قول ملتے ھیں ۔ ایک یہ کہ قبضہ شرط ھے اور دوسرا یہ کہ شرط نہیں۔ ابن قدامہ المقدسی نے المغنی میں لکھا ھے: کہ وقف میں جو امر ظاھر ھے وہ واقف کی ملکیت کا زائل ھونا ھے ۔ وقف محض اس الفاظ کے ساتھلازم ھو جاتا ھے کیونکہ لفظ وقف سے وقف کا مقصد حاصل ھو جاتا ھے ۔ احمد بن حنبل کی دوسری روایت کے مطابق بغیر قبضے کے واقف لازم نہیں ھوتا ۔[25]

امام محمد الشیبانی ، عبدالرحمن بن ابی لیلی، امام مالک اور شیعہ امامیہ قبضے کو تکمیل اور لزوم وقف کی شرط قرار دیتے ھیں ۔

دراصل جائداد موقوفہ کے قبضے کی دو صورتیں ھیں۔ ایک یہ کہ قبضہ خود واقف ھی کے پاس رھے اور دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے حوالے کردیا جائے۔ پہلی صورت میں جائداد موقوفہ کا قبضہ واقف کے پاس رھنے کی صورت میں انتقال قبضہ کی حاجت نہیں، جب کہ واقف خود ھی متولی ھو اور جائداد موقوفہ پر قبضہ مالکانہ کے بجائے متولیانہ رکھتا ھو ۔ دوسری صورت میں متولی مقرر کیے جانے کے سبب قبضہ متولی کو دیا جانا ضروری ھوتا ھے، لیکن قبضے کا بنیادی منشاء واقف کی ملکیت کا زائل ھونا ھے ۔ بعض صورتوں میں وقف کرنے کے بعد واقف کے عمل ھی سے ازالۂ ملک کی شرط خود بخود پوری ھو جاتی ھے اور قبضے کی حاجت نہیں رھتی ۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی زمین کو قبرستان کے لیے وقف کرکے مسلمانوں کو اس میں تدفین کی اجازت دے دے اور لوگ اس میں ایک یا زیادہ بار تدفین کا عمل کرلیں تو اس کے بعد واقف کو یہ حق حاصل نہیں رھتا کہ وہ اس سے رجوع کرے۔ کیونکہ جو فقہاء جائداد موقوفہ متولی کے قبضے کو جواز وقف کے لیے شرط قرار دیتے ھیں ، صورت متذکرہ بالا میں تدفین کے عمل سے جو مقصد تھا حاصل ھو گیا۔ اسی طرح اگرکوئی

(۲۵) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ھجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۵۴۶-۵۴۷

شخص مسافر خانه بنائے اور اس میں ایک یا اس سے زیادہ مسافر قیام کر لیں تو واقف کو اس وقف سے رجوع کا حق نہ رہے گا کیونکہ مسافر خانه اور مسافرین کے درمیان یه تخلیه ھی قبضۂ موقوفه سمجھا جائے گا ۔

جو حضرات وقف کی تکمیل کے لیے قبضه شرط قرار دیتے ھیں ان کے نزدیک دونوں طریقوں پر قبضه دیا جانا متصور ھوتا ھے ۔ ایک یه که واقف اپنے قبضے سے نکال کر متولی کے قبضے اور تصرف میں دے دے اور دوسرے یه که وقف کرنے کا جو مقصد ھے وہ موقوف علیه کے عمل وغیرہ کے ذریعے سے حاصل ھو جائے ۔

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ھے که اگر اپنی زمین کو عامة المسلمین کی مسجد کے لیے وقف کر دیا اور اس پر تعمیر کر کے اپنی ملک سے علیحدہ کر کے، لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی اور موذن نے اذان دی، لوگوں نے اس میں باجماعت نماز ادا کر لی، خواہ ایک ھی مرتبه ایسا ھوا ھو تو اب واقف کو رجوع کرنے کا حق نہیں رھتا، اور اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد میراث میں شامل نه ھوگی ۔ جو چیز اللہ کے لیے مخصوص کر دی جاتی ھے اس سے صدقه کی طرح رجوع کرنا جائز نہیں رھتا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جب واقف اس کو اپنی ملک سے علیحدہ کر دے گا اور لوگوں کو نماز کی اجازت دیدے گا تو اسی وقت وقف لازم ھو جائے گا، خواہ اس میں نماز ادا کی گئی ھو یا نه ادا کی گئی ھو، کیونکه وقف کے سلسلے میں ابو یوسف کا یہی مسلک ھے که وقف واقف کے اپنے ذاتی فعل سے مکمل ھو جاتا ھے متولی کے قبضے میں دینا ان کے نزدیک شرط نہیں۔ لیکن امام محمد کے نزدیک صورت متذکرہ بالا میں جب تک لوگ اس میں باجماعت نماز ادا نه کر لیں اس وقت تک وقف مکمل نه ھوگا، کیونکه ان کے نزدیک تسلیم الی المتولی ضروری ھے۔ امام ابو حنیفه سے اس مسئلے

میں دو روایتیں منقول ہیں ۔ حسن بن زیاد کی روایت کی رو سے نماز باجماعت کا ادا کیا جانا ضروری ہے اور دوسرے لوگوں کی روایت کے مطابق اگر کسی فرد واحد نے بھی نماز ادا کر لی تو یہ قطعۂ زمین مسجد ہو جائے گا، خواہ نماز باجماعت ادا نہ کی گئی ہو ۔ حسن بن زیاد کی روایت کی علّت یہ ہے کہ تبرع (صدقہ یا احسان) اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اس کا جو مقصد ہے وہ پورا پورا حاصل ہو جائے ۔ مسجد کے قیام سے نماز باجماعت کا ادا کرنا مقصود ہے کیونکہ اگر اس سے صرف نظر کر لیا جائے تو پھر زمین کا ہر قطعہ اور ہر حصہ محلّ نماز ہوتا ہے ۔ مسجد کے بنانے سے صرف یہی غرض ہوتی ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے ۔ لہذا جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہوگا اس وقت تک مسجد مسجد نہ ہوگی ۔ دوسرے لوگوں کی روایت کی علّت یہ ہے کہ مسجد سے مقصود "جائے سجود" ہے، یہ مقصد ایک فرد کے نماز ادا کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔ چونکہ مسلمانوں کے عام حقوق میں ایک فرد بھی ایک جماعت کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے اس بناء پر ایک شخص کا نماز ادا کر لینا بھی ایک جماعت کی نماز کے حکم میں ہے ۔[۲۶]

امام سرخسی نے قبضے کے مسئلے میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کے بعد قاضی ابو عاصم کا قول درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معنوی اعتبار سے امام ابو یوسف کا قول قوی ہے ۔[۲۷]

فوری اور بلا شرط :

وقف کے لیے لازمی ہے کہ وہ فوری ہو اور کسی ایسی شرط پر موقوف نہ ہو جس کا وجود یقینی نہ ہو، البتہ ایسے وقف کی صورت میں جو وصیت کے

(۲۶) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۳۴

(۲۷) المبسوط امام سرخسی (۴۸۲ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲ ، صفحہ ۳۶

ذریعہ کیا جائے، اس کا اطلاق اس کی جائداد کے ایک تہائی سے زائد پر نہ ہوگا الّا یہ کہ بعد وفات واقف ورثاء اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں۔[۲۸]

بیع یا ھبہ کی شرط نہ ہو :

وقف کی تشکیل کے سلسلے میں کوئی ایسی شرط عائد نہ کی جائے جس سے کہ وقف کی نفی ہوتی ہو مثلاً بیع یا ھبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو۔[۲۹]

شئے موجود اور مشخّص ہو :

جس شئے کا وقف مقصود ہو اس شئے کا معلوم اور موجود ہونا لازمی ہے۔ ایک ایسی شئے جو نا معلوم یا مجہول ہو اس کا وقف جائز نہیں ہوسکتا۔

شئے موقوفہ جنس، زمین یا مکان یا باغ سے جو اشیاء متّصل ہوں گی وہ اس شئے کے وقف میں بغیر تصریح داخل ہوں گی لیکن اگر اشیاء منقولہ موقوفہ سے متّصل نہیں ہیں تو بغیر واقف کی تصریح کے نفس شئے کے وقف میں داخل نہ ہوں گی۔ مثلاً کھیتی کرنے کے آلہ جات یاتخم یا جانور وغیرہ داخل نہ ہوں گے الّا یہ کہ واقف بوقت وقف تصریح کر دے۔[۳۰]

دوام وقف :

فقہاء کی غالب اکثریت وقف کے دوامی ہونے کو صحت وقف کے

---

(۲۸) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبوعہ مجیدی کان پور، جلد ۲ صفحہ ۳۱۵
ردالمختار مع درمختار ابن عابدین (۱۲۵۲)، مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۹۷

(۲۹) درالمختار، حصکفی (۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ، جلد۳، صفحہ ۳۷۰
ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۳، صفحات ۳۷۰-۷۱
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھجری، جلد۵، صفحہ ۲۰۳
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحات ۳۱۵-۱۶

(۳۰) ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۳۸۴
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھجری، جلد ۵، صفحہ ۱۲۶
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۱۸

لیے شرط قرار دیتی ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی وقف عارضی یا ایک وقت معین تک کے لیے ہو تو وہ باطل قرار پاتا ہے کیونکہ وقف کا مقصد دواماً حصول ثواب ہوتا ہے جو ایک دائمی وقف کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ۔

امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل صحت وقف کے لیے مطلق دوام کو شرط قرار دیتے ہیں ۔ امام محمد الشیبانی وقف کے لیے دوام کو شرط قرار دیتے ہوئے اس امر کے شدت کے ساتھ قائل ہیں کہ وقف میں دوامی ہونے کی صراحت ہونی چاہئے ۔ امام ابو یوسف بھی وقف کے دوامی ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں لیکن امام محمد اس کے بر خلاف اس امر کو لازم قرار نہیں دیتے کہ وقف کے ساتھ دوام ہونے کی صراحت کی گئی ہو ۔ وہ لفظ "وقف" سے اس کے دوامی ہونے کو تصور کر لیتے ہیں ۔

ظاہریہ بھی اکثر فقہاء کی طرح وقف کے دوامی ہونے کے قائل ہیں۔ بلکہ امام ابن حزم نے اپنی تصنیف "المحلیٰ" میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے وقف کیا اور یہ شرط کی کہ بوقت ضرورت وہ اسے بیع کر سکتا ہے تو وہ وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو گئی ۔[۳۱]

فقہاء کی عظیم اکثریت کے خلاف امام ابو حنیفہ اور امام مالک وقف کے دوامی ہونے کو صحت وقف کے لیے شرط قرار نہیں دیتے بلکہ وہ وقف کے موقّتی ہونے کر جائز قرار دیتے ہیں ۔ اسی طرح وہ بشرط ضرورت وقف میں بیع کی شرط کو بھی جائز قرار دیتے ہیں ۔ نیز بعض شیعہ امامیہ بھی اسی رائے کے حامل ہیں ۔

وقف کے ابدی ہونے کے مسئلہ کا تفصیلی جائزہ :

چنانچہ وقف کے اس مسئلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ۔ پہلا گروہ جو تابید وقف کا قائل ہے اور وقف کے موقتی ہونے کو صحیح نہیں

---

(۳۱) المحلیٰ، امام ابن حزم(۴۵۶ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ، جلد ۹، صفحہ ۱۸۳

سمجھتا ہے اس میں حنفیہ ، شافعیہ ، حنبلیہ اور ظاہریہ شامل ہیں جبکہ دوسرا گروہ جو وقف کے موقّتی ہونے کا بھی قائل ہے اس میں مالکیہ اور بعض شیعہ امامیہ شامل ہیں ۔ سطور ذیل میں مختلف مذاہب فکر کے دلائل مع تجزیہ پیش کیے جاتے ہیں ۔

امام شافعی کا مسلک :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی زمانے کی تقیید کے بغیر مطلقاً ابدیت کی شرط کے قائل ہیں۔ البتہ ایسی صورت میں کہ کسی شخص نے اپنے وقف کے وقت کوئی ایسی جہت بیان کی جو منقطع ہو جانے والی تھی، اس سلسلہ میں آن کے دو قول ملتے ہیں، اول یہ کہ ایسا وقف باطل ہوگا کیونکہ وقف سے دائمی طور پر ثواب کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ ایسے وقف میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ۔ دوسرا یہ کہ وقف صحیح ہوگا اور مقرر کردہ جہت کے منقطع (ختم) ہو جانے کے بعد وقف کا مصرف فقراء ومساکین ہوں گے، لیکن ان فقراء و مساکین کو تقدّم کا حق حاصل ہوگا جو واقف کے رشتہ دار ہوں ۔[۳۲]

امام احمد ابن حنبل کی رائے :

اسی طرح امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ابدیت شرط ہے، چنانچہ ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی واقف اپنے وقف میں یہ شرط کرے گا کہ جب چاہے گا اس کو فروخت کردے گا یا ہبہ کر دے گا یا اس سے رجوع کرلے گا تو اس صورت میں نہ شرط صحیح ہوگی اور نہ وقف صحیح ہوگا۔ اس لیے کہ اس قسم کی شرط وقف کے مقصد کے خلاف ہے ۔ لیکن اگر وقف میں مصرف ایسا بیان کیا گیا ہو جو منقطع ہو جانے والا ہو تو وقف صحیح ہوگا اور اس مصرف کے ختم ہو جانے پر

---

(۳۲) المہذب، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی (۴۷۶ھ)، مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ء ، جلد ۱ ، صفحات ۳۸-۴۱۷

واقف کے قریبی رشتہ داروں پر وقف کی آمدنی صرف کی جائے گی ۔[۳۳]

ائمۂ احناف کا مذہب :

ماسوائے امام ابو حنیفہ کے ائمۂ حنفیہ میں امام محمد رحمۃاللہ علیہ نے ابدیت کی شرط لگاتے ہوئے اس شرط میں بہت سختی اختیار کی ہے، اور یہ امر واجب قرار دیا ہے کہ واقف کی عبارت میں ایسا کلمہ ہونا ضروری ہے جو لفظی اور معنوی طور پر ابدیت پر دلالت کرتا ہو یا کم از کم معنوی طور پر تو دلالت کرتا ہی ہو ۔ چنانچہ امام محمد نے فرمایا ہے کہ اگر واقف نے وقف کے ابدی ہونے کی صراحت کر دی لیکن مصرف ایسا بیان کیا جو منقطع ہو جانے والا تھا تب بھی وقف صحیح نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ ابدیت کی شرط میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہیں مگر آپ نے اس شرط کے لگانے میں امام محمد جیسی شدّت اختیار نہیں کی ہے، بلکہ وہ صرف لفظ وقف کو ابدیت کے اظہار کے لیے کافی تصور کرتے ہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر واقف نے کوئی ایسا مصرف بیان کیا جو ختم ہو جانے والا تھا تو وقف صحیح ہوگا اور وقف اس مصرف کے ختم ہو جانے پر خود بخود فقراء و مساکین کی طرف رجوع کر جائے گا۔[۳۴] واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ وقف کے ابدی ہونے کے قائل نہیں ہیں ۔

ظاہریہ کا نقطۂ نظر :

ظاہریہ کے نزدیک بھی اسی طرح وقف کا ابدی و دائمی ہونا شرط ہے ، اور اگر واقف نے کوئی ایسی شرط لگائی جو وقف کے منافی ہوئی تو وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی ۔[۳۵]

---

(۳۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ، جلد ۶، صفحہ ۱۹۵
(۳۴) بحرالرائق ابن نجیم (۹۷۰ھ) ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ ، جلد ۵ ، کتاب الشکف
ردالمحتار ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۵۶ھ ، جلد ۳، کتاب الوقف
(۳۵) المحلی ابن حزم (۴۵۶ھ) ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۸۳

متذکرہ بالا تفصیل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اکثر آئمہ وقف کی تابید کے قائل ہیں اور وقف کا ابدی ہونا ان حضرات کے نزدیک وقف کی حقیقت کا ایک جزو ہے ۔ بالفاظ دیگر وقف کے مقتضیٰ اور اس کے معنی کے اعتبار سے وقف میں ابدیت کا اعتبار کیا جانا وقف میں داخلی حیثیت رکھتا ہے ۔

امام مالک کا نظریہ :

البتہ ان کثیر تعداد فقہاء کے برخلاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وقف کے سلسلہ میں ان حضرات سے مختلف نظریہ کے حامل نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ وہ وقف کی تابید کے سلسلے میں اس کے ابدی اور دائمی ہونے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک جس طرح وقف دائمی طریقہ پر صحیح ہوتا ہے اسی طرح ایک مدت معینہ تک کے لیے بھی صحیح ہوتا ہے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر وقف میں یہ شرط رکھی گئی ہو کہ واقف بوقت ضرورت اس کو فروخت کر سکے گا تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف صحیح ہو گا، اور اسی طرح اگر یہ شرط رکھی کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وقف واقف کی طرف (بشرط حیات واقف) واپس ہو جائے گا، یا موت کے بعد ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا تو یہ شرط عائد کر دینا بھی جائز ہوگا ۔ خلاصہ یہ کہ ان کے نزدیک وقف دائمی اور موقتی (ایک مدت معینہ کے لیے) ہر دو طرح صحیح ہوتا ہے خواہ اس کی مدت سالوں کی تحدید کے ساتھ کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو ۔[36]

شیعہ امامیہ کی رائے :

بعض شیعہ امامیہ بھی اس مسلک میں امام مالک سے متفق ہیں چنانچہ بعض شیعہ امامیہ کے نزدیک وقف میں اس کا دائمی ہونا وقف کے معنی

---

(۳۶) جواہر الاکلیل، مطبوعہ مصر ۱۹۴۷ء، جلد ۲، صفحہ ۳۰۷-۸

کا جزو نہیں ہے یعنی وقف کے لیے ابدی ہونا جزو اصلی کی حیثیت نہیں رکھتا ۔ حنفیہ میں ایک قول امام ابو یوسف سے بھی مروی ہے چنانچہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے اور سرخسی نے مبسوط میں ان سے روایت کیا ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری قول میں وقف کے مسئلہ کو بے انتہا وسعت دے دی تھی، حالانکہ ابتدائی قول میں نہایت سختی اختیار کیے ہوئے تھے ۔ چنانچہ آپ نے آخر میں فرمایا ہے کہ وقف کا ابدی ہونا شرط نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے ایسے مصرف پر وقف کیا جو منقطع ہو جانے والا ہو تو وقف ان کے نزدیک صحیح ہوگا خواہ آخر میں مساکین وغیرہ کے لیے نہ کیا ہو ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس عمل سے تقرب الی اللہ مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصد جس طرح ابدی طریقہ اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح غیر ابدی ہونے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔[۳۷]

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ محمد بن مقاتل سے منقول ہے کہ حضرت امام ابو یوسف سے مروی ہے ۔ "اگر کوئی شخص کسی آدمی پر وقف کر دے تو یہ وقف جائز ہوگا، لیکن جب موقوف علیہ مر جائے گا تو یہ وقف واقف کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گا اسی قول پر فتویٰ ہے ۔ اس سے اقتضاءً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدت کے تعین کر لینے سے بھی وقف میں کوئی نقصان واقع نہ ہوگا ۔[۳۸] چنانچہ امام موصوف بھی ابدیت کو وقف کا جزو قرار نہیں دیتے ۔ بعض فقہاء نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے لیکن امام ابویوسف کا اصح مفتی بہ اور زیر عمل وہی قول ہے جو ابدیت کے حق میں ہے ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق کے دلائل کو بھی اس موقعہ پر بیان کر دیا جائے تا کہ ان حضرات کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے

(۳۷) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲، صفحہ ۴۱
(۳۸) فتح القدیر ابن ہمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵٦ھ، جلد ۵، صفحہ ۴۸

میں آسانی ہو ۔

وقف کے دائمی ہونے کے قائلین کے دلائل :

۱۔ جو حضرات وقف میں اس کے ابدی ہونے کو اس کے معنی کا جزو تصور کرتے ہیں ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں :

(الف) "حبس الاصل"

(ب) "لایباع ولا یوھب ولا یورث"

(ج) "حبیس مادامت السموات والارض"

یہ تمام الفاظ ابدیت پر نص ہیں ۔ چنانچہ حبس عرفاً ابدی ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور اگر وقف کسی وقت میں پھر واقف کی طرف رجوع کر جائے تو تحبیس (بند کر دینے روک دینے کے) معنی باقی نہیں رہتے، نیز وقف کے لیے کسی مدت کا مقرر کر دینا اس لفظ کے معنی کے مخالف ہے ۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ "اصل شئی کو بند کر دو یا روک دو" یہ صدقہ کی وہ قسم ہے کہ جو ابدی ہو گی ۔ جب تک دنیا باقی ہے یہ باقی رہنا چاہیے ۔

اور "لایباع ولا یوھب ولا یورث" یعنی نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ورثہ میں منتقل ہو، کی عبارت تابیدی معنی ظاہر کرنے کےلیے نص ہے کیونکہ اگر وقف کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا گیا تو اسوقت کے بعد اس کی بیع اور ہبہ و وراثت میں منتقل کر دینا جائز ہونا لازم آئیگا، اسی طرح "حبیس مادامت السموات والارض" بھی وقف کے تابیدی ہونے پر نص قطعی ہے، جس کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، اور یہ بھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات اپنے وقف کے موقعہ پر اس غرض کے لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ ابدی ہونا وقف کے مفہوم کا جزو

ہونا ظاہر کیا جائے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے وقف کے یہی معنی سمجھے جس کو انہوں نے اپنے الفاظ میں ادا فرمایا، اور حضورؐ کا اس عبارت پر اعتراض نہ فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور کے کلام کے منشاء کو صحیح سمجھا ہے، کہ ابدی ہونا وقف اور حبس کے معنی کا ایک جزو ہے ۔

۲۔ اس کے ماسوا شریعت میں جن تصرفات کو مخصوص حالات میں مخصوص تقییدات کے ساتھ لازم قرار دیا گیا ہے وہ تصرفات ان حالات و خصوصیات میں اسی طرح لازم ہوں گے اور ان حالات و خصوصیات سے ان کا حکم جدا نہ ہوگا، اور وقف کے سلسلے میں جتنے آثار و روایات وارد ہوئے ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وقف کا لازمی ہونا ضروری ہے (جس کے لیے ابدیت لازم ہے) تمام صحابہ اور تابعین کی عبارتیں وقف کے تابیدی ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان عبارتوں میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس سے وقف میں وقت مقرر کرنے کا جواز ظاہر ہوتا ہو !

۳۔ تصرفات کے لازمی ہونے کی قوت میں اضافہ کا وجود اس وقت ہوتا ہے جبکہ شارع کی طرف سے اس کا التزام کیا گیا ہو، اور شریعت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وقف موقّت ہونے کی صورت میں اس مقررہ وقت تک کے لیے لازم ہو گا یا یہ کہ مؤبد ہو جائے گا، بلکہ شریعت کی طرف سے جس امر پر دلیل قائم ہے وہ یہ ہے کہ وقف میں اس کا ابدی ہونا اس کا جزو لازم ہے اور وقف میں وقت مقرر کر دینا وقف کے معنی اور مفہوم کے خلاف اور اس کی ضد ہے ۔

۴۔ وقف میں شئی موقوفہ سے واقف اپنی ملک کو ساقط کیا کرتا ہے، جیسا کہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں بھی ہوتا ہے، اور جتنے ایسے عقود ہیں جن میں اپنی ملک یا حقوق کو ساقط کیا جائے وہ مطلق اور غیر

مقید بوقت ہی صحیح ہوتے ہیں ان میں وقت کی پابندی جائز نہیں ہوتی ۔ لہذا اسی طرح (وقف میں) سقوطالملک اس وقت صحیح ہوگا جبکہ یہ اسقاط ملک مطلق چھوڑا گیا ہو ۔ چنانچہ کسی وقت کی پابندی کے ساتھ جائز نہ ہوگا، جس طرح عتق (غلام کو آزاد کرنا) جائز نہیں ہوتا ۔ اس مثال سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ وقف وقت کے ساتھ مشروط نہیں ہو سکتا، وقف اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ ابدی ہو ۔

وقف کی عدم ابدیت کی صحت کے قائلین کے دلائل :

(الف) جن حضرات کے نزدیک وقف ابدی اور موقتی دونوں طرح جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ وقف اپنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے ایک قسم کا صدقہ ہے، اور صدقات جس طرح ابدیت کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں اسی طرح ایک مقررہ وقت کی شرط کے ساتھ بھی صحیح ہو سکتے ہیں ۔ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صدقہ ابدی تو جائز شمار کیا جائے اور وقتی جائز نہ شمار کیا جائے، لہذا ان دونوں قسموں میں فرق پیدا کرنا ایک زیادتی یا جبری عمل متصور ہو گا، جس کی خوبی پر کوئی نص دلالت نہیں کرتی اور نہ کتاب و سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ صدقات اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے کتاب و سنت ہر دو دلیلوں سے ثابت ہیں، نیز سنت سے مختلف امور خیر پر صدقہ کرنا ایک واضح امر ہے ۔ اسی طرح امور خیر پر صرف کرنے کے طریقے بھی سنت میں مختلف بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ صدقہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی متعینہ شئی کی آمدنی کو صدقہ کیا جائے اور پھر مقررہ مراتب پر دائمی طریقہ سے صرف ہوتا رہے ۔ اس کے منجملہ یہ طریقہ ہے کہ ایک مقررہ وقت تک ایک خاص محل پر صرف ہوتا رہے ۔ ایک اور یہ طریقہ ہے کہ جس شئی کو صدقہ کیا گیا ہے فقیر کو اس کی ذات کا مالک بنا دیا جائے اور یہ تمام طریقے صدقہ کرنے کے عام طریقوں میں شامل ہیں جو کہ صدقۂ عام کی مخصوص جزئیات ہیں ۔ لہذا ان طریقوں

میں سے بعض کے متعلق صحیح ہونے کا حکم دینا اور بعض کے متعلق غیر صحیح ہونے کا حکم دینا، درست نہیں ہو سکتا۔

(ب) حضرت عمر والی حدیث کا جواب دیتے ہوئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ زائد سے زائد حدیث سے یہ ثابت ہوگا کہ شئی کی ذات کو دائمی طور پر روک کر اور اس کی آمدنی و پیداوار کا صدقہ دائمی کیا جانا بھی صدقہ کا ایک طریقہ ہے اور شریعت نے اس کو واضح کیا ہے، جس طرح قیاساً یہ طریقہ ثابت ہے کہ ایک مقررہ وقت تک کے لیے شئی کو محبوس کر کے اس کی آمدنی خیراتی امور میں ایک مقررہ وقت تک صرف ہوتی رہے اور بس۔ کیونکہ اصل علت یہ ہے کہ امور خیر میں صرف ہو، اور یہ علت دونوں طریقوں میں موجود ہے، لہٰذا جب یہ کہا جائے گا کہ وقف کا ابدی طریقہ شرع سے خلاف قیاس ثابت ہوا ہے اس لیے اس پر صدقہ کے کسی دوسرے طریقہ کو قیاس کرنا درست نہیں ہو سکتا تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ صدقۂ وقف میں اگرچہ بعض امور صدقہ کے بعض مقررہ قواعد سے مختلف ہیں جیسے کہ بیان کیے گئے ہیں، لیکن یہ تمام امور عقل میں آنے والے ہیں یعنی امور معقولہ ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ان پر دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا جائز ہو گا۔

اس کو دوسری طرح یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ابدی وقف قواعد فقہیہ کے خلاف ہے، اور موقتی وقف کسی قاعدے کے خلاف نہیں۔ کیونکہ کسی شئی کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے روک کر اس کی آمدنی کو خیرات پر صرف کرنے کی نظیر شریعت میں موجود ہے، لیکن دائمی طور پر کسی شئی کو روک کر اور اس کی آمدنی کو ابداً امور خیر پر صرف کرنا نادر الوجود ہے، لہٰذا جو امر ایسا ہو کہ باوجود فقہیہ قواعد کے جائز رکھا گیا ہو، تو وہ امر جو قواعد کے مطابق ہو بطریق اولی جائز

ہوگا، اور جبکہ معنی اور مقصد دونوں کا ایک ہی ہو ۔

(ج) مؤقتی وقف کو جائز قرار دینے والے علماء نے فریق اول کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عمر کی روایت میں اگرچہ ایسی عبارتیں آئی ہیں جن سے وقف کا ابدی ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن غیر ابدی ہونے کی ممانعت بھی ان میں موجود نہیں ہے، بلکہ ان کل عبارتوں کا ماحصل یہ ہو گا کہ جب واقف کی طرف سے ابدیت کی تصریح کر دی گئی ہو تو اس صورت میں وقف کا ابدی طریقہ پر نافذ ہونا واجب ہوگا، لیکن اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا ہو تو وقف صحیح نہ ہوگا، اور اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں نبی (صلعم) نے اپنے کلام کی ابتداء میں یہ کلمہ ارشاد فرمایا ہے :"ان شئت" اگر تم چاہو ۔ آنحضرت کا اس کلمہ سے اپنے کلام کو شروع کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ موقوفہ شئی کے روکدینے کا مدار روکنے والے کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہو گا، اور جس امر کا حضور مشورہ دے رہے ہیں اس میں یہ نہیں ہے کہ وقف کی صرف ایک ہی صورت مقرر ہے دوسری کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی یا دوسرا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر "حبس" کا لفظ جوکہ متفقہ طریقہ پر آنحضرت (صلعم) کا فرمودہ لفظ ہے وہ لفظ ابدیت پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ حبس کر دینا جس طرح ابدی طور پر ہو سکتا ہے اسی طرح وقتی طور پر بھی ہو سکتا ہے، باقی دیگر ابدیت پر دلالت کرنے والے کلمات خود حضرت عمرؓ کے ہیں، اور حدیث میں صرف ایک دلیل موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ استعمال کیے اور نبی (صلعم) نے ان کو ثابت و برقرار رکھا ۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس صورت کے خلاف کوئی دوسری صورت جائز نہ ہو گی ۔

(د) کسی موقتی وقف کے جائز قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی ایسی شئی کو جائز کیا گیا کہ جس کی صحت پر شرع کی طرف

سے کوئی دلیل نہ تھی، اس لیے کہ موقتی وقف صدقہ ہوگا، اور صدقہ، صدقہ کرنے والے پر اس طریقہ سے لازم ہو جاتا ہے جس طریقہ سے وہ صدقہ کرے۔ پھر اس لیے بھی کہ موقتی وقف کی صحت کا التزام قیاس سے ثابت ہے، بلکہ ابدی وقف کے مقابلے میں اس کی صحت بطریقۂ اولی ثابت ہو گی۔

(ہ) وقف میں ابدیت کی شرط لگانے والے فریق کی یہ دلیل کہ وقف میں واقف اپنی ملکیت کو موقوفہ سے ساقط کرتا ہے، یا دوسرے کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور دوسرے کو مالک بناتا ہے، یہ دونوں امر بصورت مطلق صحیح ہوتے ہیں، کسی وقت کی پابندی کے ساتھ درست نہیں ہوتے یا عدم ابدیت کے قائل اصحاب کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی، کیونکہ مالکیہ اور شیعہ حضرات جو اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک موقوفہ میں واقف کی ملکیت بدستور قائم رہتی ہے، لہذا اسقاط ملک یا تملیک کے قاعدے سے ان لوگوں کے مقابلے میں دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی صاحب مذہب کو اس طریقہ سے جواب دیا جا سکتا ہے جس کا وہ خود قائل ہو۔

جدید نقطۂ نظر :

تابید وقف کے سلسلہ میں شیخ ابو زہرہ استاذ الشریعۃ اسلامیہ، جامعۃ القاہرہ نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے۔ [۳۹] کہ جو لوگ ابدیت کو وقف کے معنی و مفہوم کا جز قرار دیتے ہیں وہ تعداد میں ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جو ابدیت کو وقف کے مفہوم کا جز نہیں قرار دیتے یعنی جو حضرات موقتی وقف کو بھی صحیح کہتے ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے، لیکن آراء کی قوت کا اعتبار کسی حکم کو گلے لگانے والوں کی تعداد کی

(۳۹) ''الاینور الحق لایصدنا عنہ تغیر، ولا یعمینا عن ادرا کہ ھوی، ولا یبعدنا عنہ نہایۃ، ونستعین اللہ انقول'' الوقف، شیخ ابو زہرہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ء صفحہ ۸۱-۸۳

کثرت سے نہیں ہوا کرتا ، بلکہ جس امر میں فائدۂ کثیر ہو اور جس کی دلیل کی تائید ہوتی ہو ان آراء کو قوت حاصل ہوا کرتی ہے ۔"

اس کے بعد شیخ ابو زھرہ نے رائج الوقت مصری اور لبنانی قوانین کی دفعات ، جن میں امام مالک کے مسلک کو اپنایا گیا ہے ، بیان کرتے ہوئے امام مالک کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے ۔

تجزیہ :

۱۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف اپنی غرض و غایت میں صدقہ کی ایک قسم ہے، لیکن ایک مخصوص قسم ہے۔ جس طرح کہ زکٰوۃ ایک مخصوص قسم ہے لیکن صدقہ کی عام اقسام سے اپنے احکام میں مختلف ہے ، اسی طرح وقف باوجود غرض و غایت میں متفق ہونے کے اپنے احکام میں عام صدقات سے مختلف ہے ۔ صدقہ ایک جنس کلّی ہے جس کے تحت مختلف انواع داخل ہیں۔ نوع اعلیٰ اور نوع اسفل ان دونوں کے درمیان انواع متوسطہ کے متعدد درجات نکلتے ہیں ، اور ان میں ہر نوع اپنے اندر کچھ مخصوص خصوصیات کی حامل ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ اگر چند انواع کسی ایک جنس کے تحت داخل ہوں تو وہ اپنے خصوصی احکام میں بھی اپنی جنس کے احکام کی تابع ہوں ۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ انواع میں جنس کا حکم عام بحیثیت ایک جنس کلی کے ضرور پایا جائے گا ، لیکن انواع کے خصوصیات کے لحاظ سے جو حکم ہوگا وہ جنس کے عام حکم سے بالکل مختلف ہوگا۔ مثلاً جنس صدقہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے ۔ یہ اس جنس کے تمام افراد میں ملحوظ ہوگا ، چنانچہ زکٰوۃ میں بھی یہی ملحوظ ہے اور تمام قسم کے نفلی صدقات اور اوقاف میں بھی یہ ملحوظ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود زکٰوۃ میں اس کی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے کچھ ایسے احکام بھی موجود ہیں جو دیگر صدقات میں موجود و ملحوظ نہیں ۔ شریعت میں اس کے نظائر

موجود هیں مثلاً حج کے متعدد انواع هیں حج مفرد ، حج قران ، حج تمتع اور ان میں سے هر ایک بعض خصوصیات میں ایک دوسرے سے ممتاز هے ، اسی طرح زکٰوة لازمی هے دیگر صدقات مرضی پر مبنی هیں ، زکٰوة میں نصاب و حولان حول (ایک سال کا گذر جانا) شرط هے ، دیگر صدقات میں ایسی کوئی شرط نہیں ۔

اسی طرح نفلی صدقات میں یہ کیوں نہیں هو سکتا کہ ان کے بعض افراد ، جنس صدقہ‌میں متحد هونے‌کے باوجود اپنے اندر بعض‌ایسی خصوصیات رکھتے هوں جو دوسری انواع میں نہ پائی جائیں ۔ چنانچہ وقف اگرچہ غرض و غایت میں اپنی جنس "صدقہ" کے ساتھ متفق هے ، لیکن اس میں بعض خصوصیات ایسی هیں جن‌کی بنا پر حکم میں مختلف هے ، چنانچہ غیر موقوفہ صدقات میں یہ بھی صحیح هے کہ شئی کی ذات کا صدقہ کر دیا جائے اور دوسرے شخص‌کو اس شئی‌کا مالک بنا دیا جائے خواہ وہ ان کو قائم رکھے یا فروخت کر ڈالے ۔ اور یہ بھی صحیح هے کہ شئی کی آمدنی کو صدقہ کیا جائے اور شئی کی ذات کو اپنی ذاتی ملکیت میں باقی رکھا جائے ۔ یہ بھی صحیح هے کہ صدقہ همیشہ کرتا رهے ، اور یہ بھی کہ ایک وقت معین تک کرے ، اور اس کے بعد روک دے ۔ صدقہ اس شئی کا بھی صحیح هوگا جو زیادہ عرصہ تک باقی رهنے والی هو اور اس شئی کا بھی صحیح هوگا جو زیادہ عرصہ باقی رهنے والی نہ هو ، بلکہ اس سے استفادہ هی اس وقت کیا جا سکے کہ جب اس کی ذات کو فنا کر دیا جائے ، یا استعمال میں مسلسل آتی رهے اور آخر میں فنا هو جائے ، لیکن صدقۂ موقوفہ کی صورت ذرا اس سے مختلف هے۔ یہ اپنی خصوصی صفت‌کے اعتبار سے مذکورہ صدقات‌سے حکم میں مختلف هے ۔ اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے دیگر صدقات سے ممیز کرنے اور جنس صدقہ‌کی ایک مخصوص نوع قرار دینے کے لیے حضرت عمرؓ کو اپنے ارشاد میں اس کے طریقہ کی طرف رهبری فرمائی ۔ اگر وقف صدقہ

کے عام افراد کی طرح کسی خصوصیت کا حامل نہ ھوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشاد میں حضرت عمرؓ کو اس مخصوص انداز سے مخاطب نہ فرماتے کہ اگر تم چاھو تو اصل زمین کو محبوس کر دو اور اس کی آمدنی کا صدقہ کر دو ۔

۲۔ امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ کی حدیث کو متعدد ابواب میں روایت کیا ھے ، چنانچہ بخاری کے باب الشروط فی الوقف میں بواسطہ ابن عون ، نافع عن ابن عمر ، مروی ھے کہ "حضرت عمر بن الخطابؓ کو خیبر میں جو زمین ملی تھی اس زمین کے متعلق حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ لینے حاضر ھوئے ۔ عرض کیا ، یا رسول اللہ ! مجھے خیبر میں جو جائداد ملی ھے وہ میرے نزدیک اتنا نفیس مال ھے کہ اس سے قبل مجھے میسر نہ ھوا لہذا ، حضور کا اس مال کے (فی سبیل اللہ صرف کرنے میں) کیا حکم ھے ؟ حضور نے فرمایا : اگر تم چاھو تو اصل زمین کو محبوس (مقید) کر دو اور (اس کی آمدنی) کا صدقہ کر دو ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان شرائط پر ان کا صدقہ کر دیا کہ "نہ اس زمین کو فروخت کیا جائے نہ اس کا ھبہ کیا جائے اور نہ وراثت میں تقسیم ھو" چنانچہ فقراء اور رشتہ داران و گردنیں آزاد کرنے اور مسافروں کی خدمت اور مہمانوں کی مہمانداری پر اس کا صدقہ کر دیا ۔ اور یہ کہ جو شخص اس زمین کی نگرانی کا متولی ھوگا وہ معروف طریقے پر اس میں سے لے سکے گا اور دوسرے کو کھلا سکے گا ، یہ نہیں کر سکے گا کہ (اس کی آمدنی کو) اپنے لیے جمع کر کے مالدار بننے کی کوشش کرے۔[۴۰] نیز (باب الوقف و کیف یکتب کی روایت کے الفاظ بھی یہی ھیں)[۴۱] دوسری روایت ، (باب ماللوصی ان یعمل فی مال الیتیم) میں بواسط صخر بن

(۴۰) بخاری ، جلد اول ، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ، کراچی ، صفحہ ۳۸۲ ۔
(۴۱) بخاری ، محولہ بالا ، صفحہ ۳۸۷ ۔

جویریہ ، نافع حضرت ابن عمرؓ سے اس طرح روایت کی ہے کہ "حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنے مال کا صدقہ کیا ، اس مال کا ثمغ تھا جو کھجوروں کا باغ تھا ، عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا مال ملا ہے جو میرے نزدیک بہت نفیس مال ہے ، میرا ارادہ ہے کہ میں اس کو صدقہ کر دوں ، حضور نے فرمایا اصل مال کا اس طرح صدقہ کرو کہ نہ وہ فروخت کیا جا سکے نہ ھبہ کیا جائے نہ وراثت میں تقسیم کیا جائے ، بلکہ اس کے پھل خرچ ہوتے رھیں ، لہذا حضرت عمر نے اس کا (اسی طریقہ پر) صدقہ کر دیا ، چنانچہ ان کا یہ صدقہ فی سبیل اللہ اور گردنیں آزاد کرانے اور مساکین اور مہمانوں کی مہمان نوازی اور مسافروں و رشتہ داروں پر صرف ہوتا تھا ، اور متولی کے لیے کوئی حرج نہ تھا کہ وہ اپنی صحیح ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لے یا اپنے احباب کو دے دے ، بشرطیکہ مالدار بننے کی خواھش کے پیش نظر جمع کرنے کی کوشش نہ کرے ۔[۴۲]

پھر باب الوقف للفقیر والغنی میں تیسری روایت بواسطہ ابن عون ، نافع ابن عمر سے اس طرح روایت کی ہے کہ "حضرت عمر کو جو زمین خیبر میں ملی تھی اس کے متعلق انہوں نے آنحضرتؐ سے معلوم کیا تھا ، حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا دل چاہے تو اس کا صدقہ کر دو ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فقراء اور مساکین اور رشتہ داران و مہمانوں کی مہمانداری کے سلسلے میں اس کا صدقہ کر دیا ، پھر "باب نفقة القیم للوقف" میں بواسطہ ایوب ، نافع حضرت ابن عمرؓ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ "حضرت عمر نے اپنے وقف میں یہ شرط کر دی تھی کہ جو شخص اس کا متولی ہو وہ خود اور اپنے احباب کو اس (وقف سے) معروف طریقے پر کھا اور کھلا سکتا ہے ، لیکن مالدار بننے کی کوشش نہیں کر سکے گا ۔[۴۳]

---

(۴۲) بخاری، محولہ بالا، صفحہ ۳۸۹ ۔ (۴۳) بخاری، محولہ بالا، صفحہ ۳۸۹ ۔

ابو داؤد نے تین سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ہر سند کے آخری راوی عبداللہ بن عون ہیں جنہوں نے نافع سے روایت کیا ہے ، اور امام احمد ودارقطنی نے حضرت ایوب ، نافع سے روایت کیا ہے - اور طحاوی نے بھی یحیٰی بن سعید انصاری سے اور نسائی نے عبیداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے -

چنانچہ بخاری کی پہلی روایت میں جس کو ہم ابتداء میں نقل کر چکے ہیں یہ جملہ بھی ہے : "فکیف تامرنی بہ" اور حضرت یحیٰی بن سعید کی روایت میں ہے : "ان عمر استشار ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ان یتصدق" دوسرا جملہ بخاری کی مذکورہ روایت میں یہ ہے : "ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا" چنانچہ حضرت عبیداللہ ابن عمر کی روایت میں اس جملہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے : "احبس اصلہا و سبل ثمرتہا" اور یحیٰی بن سعید کی روایت میں ہے : تصدق بثمرہ و حبس اصلہ" پھر بخاری کی مذکورہ حدیث میں یہ جملہ ہے : "فتصدق عمرؓ انہ لایباع اصلہا ولا یوہب ولا یورث" مسلم کی روایت میں ایک لفظ "ولا تبتاع" زیادہ آیا ہے ، دارقطنی کی روایت میں حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں یہ جملہ اس طرح مروی ہے : "حبس ما دامت السموات والارض" اور بیہقی نے یحیٰی بن سعید، نافع سے جو روایت کی ہے اس میں یہ جملہ اس طرح ہے : "تصدق بثمرہ و حبس اصلہ لایباع ولا یورث"

مذکورہ روایات کو پیش نظر رکھ کر اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کو اس سے قبل صدقہ کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوئے تھے ؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ یقیناً ان کو صدقہ کرنے کے تمام مروجہ طریقے معلوم

تھے ، کیونکہ اس واقعے سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اپنے اصحاب کو صدقہ کرنے کی ترغیب فرماتے رہے اور اصحاب برابر صدقہ کرتے رہے جس میں خود حضرت عمر بھی شامل ہیں اور یہ امر ایسا ہے جوکسی شخص پر پوشیدہ نہیں خصوصاً جبکہ یہ واقعہ فتح خیبر کے بعد کا ہے بلکہ عمر بن شیبہ نے ایک ضعیف سند سے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ ۷ ھجری کا واقعہ ہے۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ اس واقعے سے قبل کثیر تعداد میں صدقات عامہ کا سلسلہ جاری تھا ۔ جہاد اور غیر جہاد کے مواقع پر ایسا ھوتا رھتا تھا ، لیکن اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور انور کی خدمت میں حاضر ھو کر اپنے نفس مال کے لیے فی سبیل اللہ صدقہ کرنے کے متعلق مشورہ لینا کسی خاص کیفیت ونیت کی غرض سے تھا اور وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ صدقہ کے انواع میں سے کوئی ایسا نوع وجود میں آجائے جس کا اجر و ثواب صدقہ کرنے والے کو دائماً و ابداً ملتا رہے اور اس سے لوگ قطع نظر فقر و مسکنت کے بھی مستفید ھوتے رھیں اور صدقہ کرنے والے کے اھل و عیال بھی اس سے استفادہ اس طرح کریں کہ صدقہ کی ھوئی چیز ان کی دست برد سے محفوظ رہے تا کہ اس کی بقاء سے دائمی فائدہ اٹھایا جاتا رہے ۔ حضرت عمرؓ کے قلب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسے امور کا القاء مشہور و معروف امر ہے ، لہذا مؤقتی وقف کے جواز کے قائلین کی یہ دلیل کہ وقف صدقات کے منجملہ ایک صدقہ ہے جس طرح دیگر صدقات موقتی اور دائمی دونوں طرح ھو سکتے ھیں اسی طرح وقف دونوں طرح جائز ھوگا ، صحیح نہیں ۔ حضرت عمرؓ کا پورا واقعہ اس سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کا یہ فعل محض عبث و لغو قرار پاتا ہے کہ صدقہ کی کیفیت مسلسل دیکھتے اور کرتے رھنے کے بعد ایک

مہمل سوال کریں بلکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا تصور آتے ھی اس باغ کو فقراء و مساکین ودیگر مستحقین میں حصہ کرکے تقسیم فرما دیتے باغ کے دس نخل کسی کو ، پانچ کسی کو ، پندرہ کسی کو دے کر معاملہ ختم کر دیتے، ایسا کرنا کوئی مشکل امر نہ تھا ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غرض کو فوراً سمجھ گئے تھے" اگر ایسا نہ ھوتا تو حضور صاف طور پر مختصر جواب مرحمت فرما دیتے "اما تعلم سنة الصدقة فتشاورنی افعل کما یفعلون المسلمون او کما کنت فعلت" اے عمر ! کیا تم صدقہ کرنے کا طریقہ نہیں جانتے جس طرح دوسرے مسلمان کرتے رھے ھیں یا تم کرتے رھے ھو اسی طرح کر دو مجھ سے مشورہ لینا کیا معنی ؟

۳ ۔ شیخ ابو زھرہ نے وقف کو صدقات کے منجملہ ایک صدقہ قرار دینے میں اپنی عبارت میں یہ بھی فرمایا ھے : "صدقات عامہ اور وقف کے صدقہ میں حکماً تفریق کرنا زبردستی ھے ، نہ اس کو کوئی نص خوبی قرار دیتی ھے اور نہ کتاب و سنت سے اس کو قوت پہنچتی ھے" ۔ یہ ایک عجیب بات ھے ، کیونکہ موصوف نے اگر نص سے نص سنت مراد لی ھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو کہ خود موصوف نے وقف کی ابدیت کے قائلین کی حجت میں بیان کی ھے اس طریقہ کے حسن و خوبی پر دلیل موجود ھے ۔ حضرت عمرؓ نے صدقہ کا احسن طریقہ معلوم کرنے کے لیے ھی آنحضرت (صلعم) کی خدمت میں حاضری دی تھی اور حضور انورؐ نے ایسا ھی طریقہ ان کو بتلایا تھا جو صدقہ کے افراد میں اپنی نوعیت سے بہترین طریقہ ھو ۔ اور اگر نص سے کتاب اللہ کی نص مراد ھے تو کتاب اللہ کی کثیر تعداد میں آیات ایسے صدقہ کو جو خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے

(۴۴) فالتفرقة بین النوعین تحکم لا یبرده نص ولا یتسمد قوة من کتاب اوسنة

لیے دائمی و ابدی طور پر کیا گیا ہو افضل ترین صدقہ قرار دیتی ہیں ۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں مال انسان کی محبوب ترین اشیاء میں سے ایک ہے فرمایا ہے: "وتحبون المال حباً جما" اور فرمایا ہے : "زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ وا لانعام والحرث۔ الآیۃ" اب اس محبوب ترین شئی کے خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنے کے دو طریقے ہیں ، ایک یہ کہ ایک وقت میں فی سبیل اللہ صرف کرے اور دوسرے وقت میں صرف نہ کرے بلکہ اپنے اور اپنے متعلقین کی ضروریات میں صرف کرے اور اس حالت میں فی سبیل اللہ صرف کرنا منقطع ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنی محبوب ترین شئی سے ہمیشہ کے لیے خود کو اور اپنے تمام اقرباء کے مالکانہ تصرفات کو منقطع کر کے فی سبیل اللہ صرف کرتا رہے اور کرواتا رہے ۔ ظاہر ہے کہ مال کی محبت اس کو اول طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کرے گی اور وہ یہ محبوب رکھے گا کہ مال کبھی فی سبیل اللہ صرف ہو اور کبھی اس کی اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں ۔ یہ امر کہ ابدی طریقہ سے اس کا مال اس کے تصرف مالکانہ سے باہر ہو جائے کسی طرح پسند نہ کرے گا ۔ چنانچہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے ان دو طریقوں میں سے خدائے تعالیٰ کو وہ طریقہ محبوب ہوگا جو خود انسان کو ناگوار خاطر ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "لن تنالوا البر حتی تنفقو مما تحبون" اور انسان کا خود اپنے مال کے لیے محبوب یہ عمل ہے کہ ابدی طور پر اس کے تصرفات مال سے منقطع نہ ہو جائیں یعنی مذکورہ دو طریقوں میں اول طریقہ اختیار کرنا محبوب ہے اور دوسرا طریقہ اختیار کرنا محبوب تر ہے ، نیز دوسرے طریقے "مما تحبون" پر عمل کرنا متصور ہوگا، اور اسی "لن تنالو ، البر" کے وعدہ کے اضعافاً مضاعفۃ کا استحقاق پیدا ہوتا ہے ۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انفاق موقتی اور انفاق ابدی اگرچہ "انفاق فی البر" میں دونوں شریک ہیں لیکن "انفاق ابدی" میں جو خصوصی حسن‌وخوبی اور ہوائےنفس سے مجاہدہ موجودہے وہ موقتی انفاق میں موجود نہیں اور یہی وہ امر ہے جو اس بات کا مقتضی ہے کہ صدقہ بصورت وقف دیگر صدقہ کے افراد سے حکم میں مختلف ہو اور اس کے نظائر شریعت میں موجود و ثابت ہیں اور دونوں کے درمیان تفریق کا قائل ہونا محض صحیح ھی نہیں بلکہ ضروریات سے ہے ، اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر اس کی وہ مخصوص نوعیت جو رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتی ہے بے مقصد قرار پائے گی ۔

۴ ۔ وہ دلائل جو حدیث مذکور کے استدلالی الفاظ کے سلسلہ میں موقتی وقف کی صحت کے قائلین کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں ، ہمارے خیال میں وقف میں ابدیت شرط ہونے کے قائلین کے مقابلے میں کمزور اور بے وزن ہیں ۔ مذکورہ حضرات کی پہلی تردیدی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو نصاً ابدیت پر دلالت کرتے ہیں ، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ غیر ابدی وقف جائز نہ ہوگا ، حدیث کی عبارت اس میں وقف کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ساکت ہے ۔ اس کا جواب ابدیت شرط ہونے کے قائلین کی طرف‌سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ وقف میں ابدیت کا شرط ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ جو صدقہ ابدیت کے بغیر کیا گیا وہ وقف نہیں کہلائےگا البتہ صدقہ کے دوسرے انواع‌کی طرح عام صدقات میں سے ایک ایسا فرد ہوگا جو اجر و ثواب میں صدقۂ وقف جیسے درجہ کا حامل نہ ہوگا ، بلکہ دیگر عام صدقات کی طرح صدقہ کرنے والا اجروثواب کا مستحق ہوگا،

حدیث کی جن روایات میں "ان شئت" کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے یہ استدلال کرنا کہ یہ جملہ اس امر کی دلیل ہے کہ صدقہ کو ابدی کرنا صدقہ کرنے والے کی مرضی اور پسندیدگی پر رکھا گیا ہے خواہ وہ حبس ابدی کرے یا موقتی کردے اور اس سے وقف کے موقتی ہونے کی صحت ثابت ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ "ان شئت" کے الفاظ یعنی اگر تم چاہو سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک وہ جو ابدیت پر مشتمل ہو دوسرا وہ جو وقتی طور پر ہو۔ ابدیت پر مشتمل ہونے والا طریقہ حبس (وقف) فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے جس میں ہمیشہ کے لئے اپنے ذاتی تصرفات کو شئی مصدقہ (موقوفہ) سے روک دینا ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ محض صدقہ کہلاتا ہے جس میں ایک مقررہ وقت تک فقط ذاتی تصرف کی بندش ہوتی ہے، اب اگر چاہو تو حبس فی سبیل اللہ کا طریقہ اختیار کرو جو مجاهدۂ نفس کا اعلیٰ درجہ ہے اور چاہو تو عام صدقہ کا طریقہ اختیار کرو جو مجاهدہ کا ادنی درجہ ہے۔ یہ کہنا کہ حبس کا لفظ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بلا نزاع فریقین ثابت ہے، لیکن حبس جس طرح ابدی طور پر ہو سکتا ہے اسی طرح ایک وقت مقررہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے، صحیح نہیں۔ ہمارے خیال میں اگر حضور کا اس لفظ سے یہی منشاء تھا تو اس لفظ کو اس موقع پر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے صدقہ کےلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لے رہے ہوں، استعمال کرنا کسی خصوصیت کا حامل نہ رہا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ دینا کسی جدید خصوصیت کا حامل نہ ہونے کی بنا پر مشورہ دینے کی کما حقہ ادائی نہ ہوئی، بلکہ یہ ایک وهی عام بات ہوگی جس کو حضرت عمر رض بھی جانتے تھے۔

۵۔ یہ دلیل کہ باقی عبارت (لایباع ولا یوھب ولا یورث) یہ خود

حضرت عمر رضؓ کی اپنی ہے رسول‌اللہ صلعم نے اپنے کلام میں اس قسم کی شرائط نہیں بیان فرمائیں ! اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو ابدیت شرط ہونے کے قائلین نے دیا ہے کہ یہ الفاظ اگرچہ حضرت عمر کے سہی ، لیکن آنحضرت صلی‌اللہ علیہ وسلم کی منشاء کو سمجھتے ہوئے حضرت عمر نے ان کو استعمال فرمایا تھا اور آنحضرت نے ان الفاظ کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا تھا جو اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضورؐ کی منشاء کو صحیح سمجھتے اور آنحضرتؐ نے ان کی تصویب فرما دی ، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے صحیح بخاری سے حضرت صخر بن جویریہ کے ذریعہ حضرت نافع سے جو روایت اپنی تقریر کے سابقہ صفحات میں نقل کی ہے اس روایت میں (لایباع ولا یوھب ولا یورث) فرمانا خود رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اپنے الفاظ ہے ، اس طرح بیہقی کی روایت منقولۂ صدر میں بھی یہ عبارت موجود ہے (تصدق بثمرہ و حبس اصلہ لایباع ولا یورث) ان دونوں روایتوں سے واضح ہے کہ یہ شرائط خود رسول اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوئی تھیں اور حضرت عمر نے ان کو نقل فرماتے ہوئے دیگر امور کا اضافہ کیا تھا چونکہ ان شرائط کا مقتضیٰ وھی تھا جس کو حضرت عمر نے اپنے الفاظ میں اس طرح ادا فرمایا فصدقتہ تلک فی سبیل اللہ وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن‌السبیل‌ولذی القربیٰ الخ ۔

چنانچہ جن احادیث میں یہ جملے (لا یباع ولا یوھب ولایورث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام روایت کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت سے یہ جملےمسموع فرما کر وقف‌کرنے کے وقت خود بھی استعمال فرمائے تو بعض راویوں نے حضرت عمر کے جملے نقل کر دیے ۔ اور بعض راویوں نے آنحضرتؐ اور حضرت عمر رضؓ دونوں حضرات کے کلام کو پورا پورا نقل کر دیا ۔ اور ایسا احادیث

میں عموماً موجود ہے ، اسی لیے امام شافعی رحمة اللہ علیہ نے اپنی کتاب الرسالہ میں حدیث کے اصول میں مختلف الحدیث کی بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے[۴۵] کہ کبھی آنحضرت صلعم سے کسی شئی کے متعلق سوال کیا جاتا، تو آپ سوال کے اندازے پر جواب مرحمت فرما دیتے اور آپ کی جانب سے خبر دینے والا کبھی پوری خبر دے دیتا اور کبھی اس میں اختصار کردیتا، اور کبھی اس خبر میں بعض مطلب بیان کر دیتا اور بعض معنی کو ترک کر دیتا ، اور ایک شخص جو جواب کے وقت موجود ہوتا جوابی گفتگو کو روایت کر دیتا اور سوال کے وقت موجود نہ ہونے کی وجہ سے سوال کی حقیقت اور اس کے سبب پر واقفیت حاصل نہ کر سکتا ، تا کہ حضورؐ کے جواب کی حقیقت اور سبب کو بیان کر دیتا، (جس سے حضور کی پوری منشاء کا پتہ چل سکتا)۔ لہذا اس سلسلہ کی حضرت عمرؓ کی تمام روایات پر جب نظر کی جاتی ہے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بعض راویوں نے پورے طور پر واقعہ نقل کر دیا ہے اور بعض نے صرف حضرت عمر کے اپنے کلام کو نقل کر دیا ہے ، اور اس طرح روایات کو جمع کرنے کے بعد اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے !

شیخ ابو زہرہ نے فتح القدیر کمال الدین ابن ہمام کا حوالہ دیتے ہوئے امام ابو یوسف کا ایک قول بھی اس سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ جب موقوف علیہ کا سلسلہ ختم ہو جائے تو وقف واقف کے ورثاء کی طرف واپس ہو جائے گا اور اس قول پر فتویٰ ہونا منقول ہے، گویا اس سے یہ بتانا چاہا ہے کہ اس قول میں امام مالک رحمۃاللہ علیہ کے ساتھ شیعہ امامیہ

---

(۴۵) (ویسئل عن الشئی فیجیب علی قدر المسئلة ویؤدی عنه المخبر عنه المخبر مقتصی والمخبر مختصراً ، والخبر فیأتی ببعض معناه دون ببعض ۔ ویحدث عندالرجل الحدیث قد ادرک جوابه و لم یدرک المسئلة فیدله علی حقیقة الجواب بمعرفته السبب الذی یخرج علیه الجواب) کتاب الرسالة صفحه ۲۱۳ مطبوعه مصر ۱۳۵۸ھ ۱۹۵۰ع) ۔

کے ماسوا احناف کےبعض امام بھی شریک ہیں اور امام مالک اس قول میں تنہا نہیں ہیں ۔ اس قول کے نقل کرنے کے بعد موصوف نے نتیجہ میں یہ کہا ہے کہ جب امام ابو یوسف موقوفہ کے واقف کے ورثاء کی طرف واپس ہو جانے کے قائل ہیں تو دس سال کے لیے وقف کرنے کے بطریقۂ اولیٰ جواز کے قائل ہوئے مگر ہم اس کے مقابلے میں امام ابو یوسف کی ایک دوسری روایت پیش کرتے ہیں جس کو علامہ ابن حجر رحمة اللہ علیہ نے فتح الباری جلد ٦ صفحہ ۳۳۱ میں نقل کیا ہے[۳٦] امام طحاوی نے عیسی ابن أبان سے نقل کیا ہے کہا کہ امام ابو یوسف وقف کی بیع کے جائز ہونے کے قائل تھے جب ان کو حضرت عمرؓ کی یہ حدیث معلوم ہوئی تو فرمایا کہ ابن عون سے اس حدیث کو کس نے سنا ہے تو ان سے ابن علیہ نے یہ حدیث بیان کی تو فرمایا کہ اب تو اس کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے خلاف کچھ سکے اور اگر یہ حدیث ابو حنیفہؒ کو پہنچ جاتی تو وہ بھی اس کے قائل ہو جاتے چنانچہ وقف کی بیع کے جواز کے قول سے آپ نے رجوع کر لیا، اب یہ مسئلہ عدم جواز متفق علیہ ہوگیا ۔

ہمارے خیال میں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو یوسف تابید کے قائل ہو چکے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح واقف کے ورثاء کی طرف وقف کے واپس ہونے کے قائل تھے اسی طرح واقف کو وقت ضرورت اس کی بیع کے جواز کے بھی قائل رہتے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہاء احناف نے امام ابو یوسف کا آخری قول وقف کے لیے تابید شرط ہونا نقل کیا ہے حتیٰ کہ صرف لفظ وقف ہی ان کے نزدیک اس کے ابدی ہونے

---

(۳٦) (فیحکی الطحاوی عن عیسی ابن أبان قال: کان ابو یوسف یجیز بیع الوقف فبلغه حدیث عمر رض هذا فقال: من سمع هذا من ابن عون؟ فحدثه به ابن علیة، فقال هذا لا یسمع احداً خلافه ولو بلغ ابا حنیفه لقال به فرجع عن بیع الوقف حتی صارکانه لا خلاف فیه بین احداه) ۔

کے لیے کافی ہوگا۔ اس کی صراحت کی ضرورت بھی نہ ہوگی ، المبسوط میں امام ابو یوسف سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ وہ ابدیت کی تصریح کی شرط کے قائل نہیں بلکہ بغیر صراحت کے وقف ابدی ہو جائے گا۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا مباحث سے اس نتیجہ پر پہونچا جا سکتا ہے کہ بنیاد وقف کے لیے ابدیت شرط ہے ، خواہ اس کے بعد دیگر عوارضات کے اعتبار سے اس میں تغیر و تبدل کرنا پڑے۔ یہ امر مستثنیات میں سے ہوگا۔ چنانچہ استبدال وقف وغیرہ کے تمام جزئی مسائل در حقیقت اسی استثنائی قاعدے پر مبنی ہیں اور آئمہ سلف کے متفق علیہ مسائل ہیں ، لہذا کوئی زمین موقوفہ یا دیگر جائداد موقوفہ اگر کسی وقت میں ایسے درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اس سے وقف کے مقاصد حاصل کرنا ، بالفاظ دیگر واقف کی غرض انفاق فی سبیل اللہ یا استفادہ موقوف علیہم، ناممکن ہو جاتا ہے تو اس وقف کا استبدال ان فقہاء نے بھی جائز رکھا ہے جو وقف میں اس کے ابدی ہونے کو مفہوم وقف کا جزو کہتے ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو ان فقہاء کا قول بدیں وجہ قرین صواب ہے کہ اس کا ایک ایسا فائدہ بھی متصور ہوتا ہے جو موقتی وقف سے متصور نہیں ہوتا وہ یہ کہ جو وقف کسی معینہ مدت کے لیے کیا گیا ہو یا کسی معینہ مدت پر ختم ہو جانے کا قاعدہ بنا دیا گیا ہو اس مدت معینہ پر ختم ہو کر واقف یا موقوف علیہم کی یا وارثوں کی ملکیت کی طرف رجوع کر جائے گا اور اس کی حالت اس مملوکہ مال جیسی ہو جائے گی جس کو وقف نہ کیا گیا ہو۔ گویا اس مدت کے ختم ہونے پر جائداد موقوفہ اور غیر موقوفہ میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ صرف فرق اتنا ہوگا کہ موقوفہ مدت معینہ کے بعد ان تمام مالکانہ تصرفات کا محل ہو گی جس کا غیر موقوفہ جائداد شروع ہی سے محل تھی، لیکن یہ فرق کوئی ایسا معتدبہ فرق نہیں

ہوگا جس سے واقف کی غرض مکمل طور پر حاصل ہونا تصور کیا جا سکے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ وقف میں دائمی ہونا شرط ہو اس صورت میں اگر وقف پر ایسے حالات طاری ہوتے ہیں کہ وقف سے استفادہ مشکل یا ناممکن ہو جاتا ہے اور اس کی بیع کے بعد تبادلہ کا حکم دے کر تبدیل شدہ شئی کو اس کی جگہ وقف میں متصور ہونے کا حکم دیا جاتا ہے تو واقف کی غرض رضاء خداوندی و تقرب الی اللہ کا حصول مسلسل قائم رہتا ہے، اور واقف کی اولاد دوسرے موقوف علیہم یا مساکین و فقراء کا اس موقوفہ سے استفادہ برقرار رہتا ہے۔ لہذا ہمارے خیال میں وقف کا لفظ ہی اپنے خاص معنیٰ و مفہوم میں اس کے دوامی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس خصوصیت میں دوسرے صدقات سے ممیّز و مختلف ہے۔

مصری قانون کی رو سے دوام وقف کی نوعیت :

حکومت مصر نے امام مالک کے مسلک کی متابعت میں از روئے قانون نمبر ۴۸ بابت ۱۹۴۶ء یہ قرار دیا ہے کہ اگر وقف خیراتی ہو تو وہ عارضی اور دوامی دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔ وقف کے غیر خیراتی ہونے کی صورت میں از روئے قانون اس کے دوامی ہونے کو منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وقف علی الاولاد کی صورت میں دو پشتوں تک کی قید لگا دی گئی ہے اور ایسے وقف علی اولاد کو جو بہ اعتبار مدت کے ساٹھ (۶۰) سے زائد نہ ہو جائز قرار دیا گیا۔ البتہ مسجد کے وقف کو موقتی ہونے کی صورت میں ناجائز قرار دیا گیا۔ اس کا دوامی ہونا ضروری ہوگا۔

لبنان کے قانون کی رو سے دوام وقف کی نوعیت :

لبنان میں اوقاف کا جو قانون بنایا گیا ہے وہ بڑی حد تک مصری قانون سے ماخوذ ہے بالخصوص وقف علی الاولاد کے مسئلے میں مصری قانون کا اتباع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وقف علی الاولاد کو جو دائمی ہوں ناجائز

قرار دیا گیا ہے ۔ واقف کے علاوہ دو پشتوں تک وقف علی الاولاد کو جائز قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے بعد وہ جائداد موقوفہ (بشرط حیات) یا اس کے پہلی پشت یا بصورت عدم موجودگی دوسری پشت کے ورثاء کی طرف عود کر جائے گی ۔ اور اگر واقف کے وارث نہ ہوں تو وہ وقف ادارۂ اوقاف عام کی طرف رجوع کرے گا ۔

شرائط جواز وقف کی اقسام :

شرائط جواز وقف کی حسب ذیل تین قسمیں ہو سکتی ہیں :

(الف) وہ جو اصل وقف و حکم وقف میں مخل ہوں ۔

(ب) وہ جو اصل وقف و حکم کے منافی نہ ہوں لیکن موقوف یا موقوف علیہم کی منفعت میں خلل انداز ہوں یا حکم شرعی کے خلاف ہوں ۔ اور

(ج) وہ جو مذکورہ امور میں سے کسی کے اندر مخل یا منافی نہ ہوں ۔

حسب ذیل مسائل قسم شرائط (الف) پر مبنی ہیں :

اگر واقف نے کہا کہ میں اپنی زمین یا مکان کو اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ جب چاہوں گا وقف سے نکال لوں گا یا ہبہ کر سکوں گا یا اس کی قیمت کا ہبہ کروں گا یا جب مناسب ہوگا رہن رکھ دوں گا اور وقف سے خارج کر دوں گا ۔ یہ وقف باطل ہوگا الّا یہ کہ مسجد پر وقف کیا ہو تو ایسی صورت میں وقف صحیح ہوگا اور مذکورہ شرطیں باطل ہو جائیں گی ۔[۳۷]

---

(۳۷) رد المحتار برحاشیہ درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری جلد ۳، صفحہ ۳۷۱
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۰۳
فتاوی عالمگیری(عربی)،مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور،جلد ۲،صفحہ ۳۳۰-۳۱۶
احکام الاوقاف للخصاف، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۶ ہجری، صفحہ ۱۲۹

حسب ذیل مسائل قسم شرائط (ب) پر مبنی ھیں اور اس صورت میں وقف صحیح ھوگا اور شرائط باطل و ناقابل پابندی ھوں گی :

"۱۔ اگر کسی شخص پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ مجھ (وقف کرنے والے) کو اتنی رقم قرض دے تو وہ شئے اس پر وقف متصور ھرگی، وقف صحیح ھوگا اور شرط باطل ھوگی ۔[۴۸]

۲۔ ایک شخص نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور ان سے کہا اگر تم اس موقوفہ کی حفاظت میں عاجز ھو جاؤ تو اس کو فروخت کر دینا ۔ امام ابو یوسف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق وقف صحیح ھوگا اور شرط باطل ھوگی ۔[۴۹]

۳۔ اگر واقف تولیت اپنی ذات کے لیے شرط کرکے اور ساتھ ھی یہ بھی کہ بادشاہ یا قاضی کو یہ حق حاصل نہ ھوگا کہ واقف کو تولیت سے معزول کریں ۔ اگر واقف امین ثابت نہ ھوا تو اس کی یہ شرط باطل ھوگی اور قاضی کو اس کے معزول کر دینے کا حق حاصل ھوگا ۔ اسی طرح قاضی کو یہ حق بھی حاصل ھوگا کہ جس دوسرے شخص کو واقف نے وقف کا متولی مقرر کیا ھو لیکن اس متولی کے بر خلاف دوسرا شخص وقف کے حق میں بہتر ھو تو واقف کے مقرر کردہ کو معزول کر دے ۔ اسی طرح اگر واقف یہ شرط کرے کہ فلاں شخص اس وقف کا متولی ھوگا اور میرے (واقف) کے لیے یہ جائز نہ ھوگا کہ میں اس کو تولیت سے علیحدہ کر سکوں تو یہ شرط باطل ھوگی ۔[۵۰]

---

(۴۸) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور، جلد۲،صفحہ ۳۲۹
فتح القدیر، ابن ھمام،مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد۵، صفحہ ۶۰
(۴۹) فتاوی عالمگیری (عربی)،مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور،جلد۵، صفحہ ۳۳۰
(۵۰) فتاوی عالمگیری (عربی)،مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور،جلد۲، صفحہ ۳۳۲
ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر،۱۲۵۶ ھجری، جلد۳،صفحات ۳۶۷-۹۹
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری،جلد ۵، صفحات ۲۴۱-۶۵

۴- اگر واقف نے یہ شرط رکھی کہ جائداد موقوفہ کو ایک سال سے زیادہ کے لیے کرایہ یا ٹھیکہ پر نہ دیا جائے لیکن لوگ ایک سال کے لیے لینے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ زیادہ عرصے تک لینے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہیں تو واقف کی شرط کا لحاظ نہ کیا جائے گا جب کہ موقوفہ کے حق میں زیادہ عرصے تک اجارے پر دینا مفید ہو۔ متولی وقف بحکم قاضی زیادہ مدت کے لیے اجارے پر دے سکے گا۔ لیکن اگر واقف نے وقف نامہ میں خود یہ کہہ دیا ہو کہ اگر ایک سال سے زیادہ اجارے پر دینا مفید ہو تو دے سکتا ہے تو ایسی صورت میں متولی بغیر حکم قاضی بھی زیادہ مدت کے لیے دے سکے گا۔[۵۱]

قسم شرائط (ج) کے تحت وقف میں ایسی شرائط جو اصل وقف و حکم وقف کے مناف نہ ہوں واجب الاتباع ہوتی ہیں، علاوہ ان چند صورتوں کے جن کے متعلق فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ حسب ذیل مسائل قسم شرائط (ج) پر مبنی ہیں مثلاً :

۱- ایک شخص اس شرط پر وقف کرے کہ میری زندگی میں اس وقف کی آمدنی میری ذات و عیال پر صرف ہوتی رہے گی اور میں مر جاؤں اور میرے اوپر قرض ہو تو اس کی آمدنی سے پہلے اسی قرض کو ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ آمدنی فی سبیل اللہ فقراء و مساکین پر صرف کی جائے۔ یا یہ کہ میرے مرنے کے بعد موقوفہ کی آمدنی سے ایک متعین حصہ علیحدہ کرکے اس کو میری جانب سے حج میں صرف کیا جائے یا میری قسم کے کفارے یا فلاں فلاں مواقع پر صرف کیا جائے اور ما بقی اغراض وقف

(۵۱) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶
ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۴۰۱

پر ، تو ایسا کرنا جائز ہوگا ۔۵۲

۲۔ واقف شرط کرے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی میرے صرف میں آتی رہے گی ۔ پھر میرے بعد میری اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کی نسل پر جب تک اس نسل کا سلسلہ قائم رہے ۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو جائے تو پھر مساکین اس کے حقدار ہوں گے ۔ ایسا وقف جائز ہوگا ۔ جب کہ واقف کسی دوسرے شخص کی اولاد نسل کے لیے شرط کرے تب بھی یہی حکم ہوگا ۔۵۳

۳۔ واقف شرط کرے کہ وہ اس زمین موقوفہ کی پیداوار سے اپنی اور اپنے عیال کی ذات پر صرف کرے گا اور ما بقیٰ دیگر موقوف علیہم کا ہوگا ۔ اب زمین کی پیداوار واقف کو حاصل ہو جس کو فروخت کرکے قیمت حاصل کر لی گئی ہو لیکن اس کو صرف کرنے سے قبل واقف کا انتقال ہو جائے تو یہ رقم واقف کے ورثاء کی ہوگی ۔۵۴

۴۔ ایک شخص نے زمین اپنی بیوی اور اولاد پر وقف کی ۔ بیوی کا انتقال ہو گیا ۔ اگر واقف نے یہ شرط رکھی تھی کہ موجودہ موقوف علیہم میں سے کسی کا انتقال ہو تو اس کا حصہ اس کی

---

(۵۲) فتاوی عالمگیری (عربی)' مطبوعہ مطبع مجیدی' کان پور' جلد ۲' صفحہ ۳۲۹
بحرالرائق' ابن نجیم' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۲۳۸
احکام الاوقاف' خصاف' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۶ ہجری' جلد 'صفحہ ۲۶
فتح القدیر' ابن ہام' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۵۸
(۵۳) فتاوی عالمگیری (عربی)' مطبوعہ مطبع مجیدی' کان پور' جلد ۲' صفحہ ۳۲۹
بحرالرائق' ابن نجیم' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۲۳۸
احکام الاوقاف' خصاف' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۶ ہجری' جلد' صفحہ ۱۴۹
فتح القدیر' ابن ہام' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۵۸
(۵۴) فتاوی عالمگیری' (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی' کان پور' جلد ۲' صفحہ ۳۲۹
بحرالرائق' ابن نجیم' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۲۳۶

اولاد کو دیا جائے تو فوت شدہ بیوی کا حصہ صرف اس کی اولاد کو ملے گا لیکن اگر یہ شرط نہ تھی تو بیوی کا حصہ تمام موقوف علیہم پر تقسیم ہوگا۔[55]

۵- واقف نے وقف میں یہ شرط رکھی کہ فلاں شخص کو وقف کی آمدنی میں سے اس کی ضرورت کے مطابق دیا جاتا رہے۔ بوقت وقف موقوف علیہ فرد واحد تھا، اہل و عیال نہ رکھتا تھا۔ اس کے بعد وہ عیال دار ہوگیا تو اس مذکورہ شرط میں موقوف علیہ مع اپنے اہل و عیال کے اس قدر حصہ کا حق دار ہوگا۔ جو ان سب کے لیے کافی ہو۔[56]

شیعیہ نقطۂ نظر:

علامہ نجم الدین الحلّی نے شیعہ فقہ پر اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ شرائط وقف کی چار قسمیں ہیں:

۱- شرائط موقوفہ۔ جو شئے وقف کی جائے اس کی شرائط۔

۲- شرائط واقف۔ وقف کرنے والے کی شرائط۔

۳- شرائط موقوف علیہ۔ جس پر وقف کیا جائے اس کی شرائط۔

۴- شرائط وقف۔

۱- شرائط موقوفہ:

وہ شے جو وقف کی جائے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں:

۱- جو شے وقف کی جائے اس کا عین مال ہونا۔ محض قرضہ یا منفعت کا وقف درست ثابت نہ ہوگا۔

---

(۵۵) فتاوی عالمگیری، (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۲۹

(۵۶) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۲۹۔

۲۔ اس شئے کا مملوک اور حلال ہونا ۔

۳۔ باوجود بقائے اصل کے انتفاع (فائدہ اٹھانا) ممکن اور مباح ہو ۔

۴۔ اس شے کا قبضہ دینا اور اس میں تصرف کا ممکن ہونا ۔ چنانچہ بھاگے ہوئے غلام کا وقف صحیح نہیں ۔

شرائط واقف :

وقف کرنے والے کا بالغ ، عاقل اور تصرف کرنے کا اہل ہونا ضروری ہے ۔

شرائط موقوف علیہ :

جس پر وقف کیا جائے اس میں تین شرطوں کا وجود ضروری ہے :

۱۔ اس کا وقف کے وقت اس طرح موجود ہونا کہ وہ مالک ہو سکتا ہو۔

۲۔ اس کا معین ہونا ۔

۳۔ وقف کا اس پر حرام نہ ہونا ۔

۴۔ شرائط وقف :

وقف کی چار قسمیں ہیں :

۱۔ وقف کا دائمی ہونا ۔

۲۔ وقف کا کسی ایسی شرط پر معلّق نہ ہونا ، جس کے وقوع اور عدم وقوع دونوں کا احتمال ہو ۔

۳۔ شئے موقوفہ کا قبضہ دینا چنانچہ شیعہ فقہاء کے نزدیک اگر قبضہ دینے سے قبل واقف مر جائے تو وقف صحیح نہ ہوگا اور شئے ورثاء کی ہوگی ۔

۴۔ شئے موقوفہ کا اپنی ملک و قبضے سے خارج کرنا ۔

مصری قانون وقف کے تحت جواز وقف :

قانون تنظیم الاوقاف مجریہ ۱۹۴۶ء (مصر) کے تحت وقف کے سلسلے میں چند امور کا ذکر کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں :

دفعہ ۶- جب کسی غیر صحیح باطل شرط کے ساتھ وقف کیا گیا ہو تو یہ وقف صحیح ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی ۔

دفعہ ۹ ۔ وقف کی صحت کے لیے قبول کرنا شرط نہیں ۔ اور نہ ہی استحقاق (وقف) میں یہ امر ضروری ہے ۔ البتہ اگر موقوف علیہ ایسی جہت ہے جو قانوناً اپنا مثل (قائم مقام) رکھتی ہے تو یہ استحقاق اس کے ما بعد طبقہ کی طرف منتقل ہو جائے گا ، بشرطیکہ یہ طبقہ موجود ہو لیکن اگر موجود نہ ہوا تو یہ موقوف اس وقف کے حکم میں داخل ہو جائے گا جس کو قانون (ھذا) کی دفعہ (۱۷) میں بیان کیا گیا ہے ۔

دفعہ ۱۷ ۔ جب کہ وقف دفعہ ۴۲ کے مطابق تمام مستحقین موقوف علیہم پر صرف ہوتے ہوئے یا بعض پر صرف ہوتے ہوئے اپنی انتہاء کو پہنچ جائے تو اب اگر واقف زندہ ہے تو وہ اس کی ملکیت میں واپس چلا جائے گا ، اور اگر زندہ نہیں ہے تو یا مستحقین کی ملکیت قرار پائے گا یا واقف کی ذرّیت جو طبقۂ اولیٰ یا طبقۂ ثانیہ میں ہو ، اس کی ملکیت (حسب حال) قرار پائے گا ۔ اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو واقف کی وفات کے وقت جو وارث موجود ہوں گے وہ حق دار ہوں گے ، اور ان تمام اشخاص کے عدم موجود ہونے کی صورت میں مملکت کے خزانہ میں داخل کیا جائے گا ۔

دفعہ ۱۹ ۔ جب کوئی وقف ایسے امور خیر پر (جو قربت الی اللہ کہلاتے ہوں) کیا گیا ہو اور واقف نے اس میں کوئی جہت نہ بیان کی ہو (بلکہ مطلق رکھا ہو) یا جہت متعین کی لیکن وقف کے وقت وہ جہت

موجود نہ ہو، یا اس جہت پر صرف کرنے کی حاجت نہ ہو، یا وقف کی آمدنی اتنی ہو کہ اس جہت پر صرف کیے جانے پر بھی باقی رہتی ہو تو اس صورت میں محکمہ کی اجازت سے اس آمدنی کو یا اس سے جو مزید حاصل ہوا ہو، واقف کی ذرّیات یا اس کے والدین پر جب وہ حاجت مند ہوں ان کی کفایت کے مطابق صرف کیا جائے گا، اس کے بعد دیگر محتاج موجود اقرباء پر مذکورہ طریقے پر صرف کیا جائے گا۔ اس کے بعد وجوہ خیر میں جو وجہ اولیٰ ہوگی اس پر صرف کیا جائے گا۔

اور جس صورت میں کہ واقف نے کسی جہت کو متعین کیا ہو لیکن بوقت وقف موجود نہ ہو تو اگر کسی دوسرے وقت میں اس کا وجود ہوا تو اس پر اسی طرح صرف کیا جائے گا جیسا کہ اس کے لیے معین کیا گیا ہوگا یعنی صرف میں اس کا حق ہوگا۔

دفعہ ۲۰ - موقوف علیہ کا وقف کے (اپنے) کل حق میں یا بعض میں کسی غیر کے لیے اقرار کرنا اسی طرح باطل ہوگا جس طرح اپنے حق کو کسی دوسرے کے حق میں چھوڑ دینا باطل ہوتا ہے۔

دفعہ ۲۱ واقف یا غیر واقف (موقوف علیہم) کا کسی شخص کے متعلق نسب کا اقرار کرنا (باطل ہوگا) جب کہ ایسے علامات ہوں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقرأس اقرار میں متّہم ہے اور موقوف علیہم پر اس اقرار کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۲ - واقف کی ایسی شرائط جو مستحق وقف کی ازدواجی آزادی کو مقید کر دیں یا اس کو شہر میں رہنے کا پابند کر دیں یا قرض کے لین دین پر پابندی عائد کر دیں جس میں کوئی مصلحت نظر نہ آتی ہو، تمام باطل ہوں گی، بشرطیکہ یہ دفعہ ۲۷ قانون ھذا کے احکام فقرہ ثانیہ میں خلل انداز نہ ہوں۔

اور اسی طرح ہر ایسی شرط جس کی رعایت کرنے سے واقف یا وقف یا مستحقین کی مصلحت فوت ہوتی ہو ، باطل ہوگی ۔

دفعہ ۲۳۔ اور مالک کے لیے یہ جائز ہوگا کہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ کو اپنے ورثاء کے لیے یا دیگر اشخاص کے لیے کسی نیک کام پر وقف کرے ، اور مال کی تہائی قیمت کا اعتبار اس قیمت سے ہوگا جو واقف کی موت کے وقت اس کے کل مال کی ہوگی، اور اس مال سے قبل یا بعد جو اوقاف اس سے صادر ہوں گے قانون ھذا پر عمل ہونے سے قبل ان کا اندازہ بھی اس مال کے اندازے کے حق میں قابل لحاظ ہوگا الا یہ کہ وہ ایسے اوقاف ہوں جن سے رجوع کرنا جائز نہ ہو ۔

اور قانون کی دفعہ ۲۴ کی رعایت کرتے ہوئے یہ امر اس کے لیے جائز ہوگا کہ اپنا تمام مال جس شخص یا اشخاص پر چاہے وقف کر دے ۔

دفعہ ۲۴۔ دفعہ ۲۳ کی رعایت کرتے ہوئے یہ ضروری ہوگا کہ واقف کی ذریات اور اس کی زوجہ یا ازواج اور والدین جو اس کی وفات کے وقت موجود ہوں گے تہائی سے زائد حصہ میں ان کو میراث کے احکام کے مطابق مستحق قرار دیا جائے اور یہ استحقاق ان کے بعد ان کی ذریات کی طرف اس قانون کے مطابق منتقل ہو جائے گا ۔

اور یہ استحقاق اس شخص کو نہ پہنچے گا جس کو واقف نے اپنی زندگی میں بغیر کسی مالی عوض کے کسی دوسرے تصرف کے ذریعے اس کے اس حصہ کے برابر کچھ دیا ہو جو اس وقف کا قرار پاتا ہو ۔ البتہ اگر اس دیے گئے مال کی مقدار موقوفہ کے حصے سے کم ہے تو موقوفہ کے حصے سے اس کی تکمیل کر دی جائے گی ۔

دفعہ ۲۵۔ قانون ھذا کی دفعہ ۲۴ کے مطابق واقف کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ مستحقین میں سے کل یا بعض کو استحقاق سے محروم کردے۔

اور نہ ایسی کوئی شرط لگانا جائز ہوگا جو ایسے امر کو مقتضی ہو مگر یہ کہ آئندہ تصریحات قانون کے مطابق ہو ۔

اور جو شخص محروم ہوگا وہ ایسا تصور کیا جائے گا جیسا کہ واقف کی حیات میں فوت ہو جانے سے محروم ہو گیا ہو ۔ لیکن جب محرومی کا سبب زائل ہو جائے گا تو اس کا حق واپس لوٹ آئے گا ۔

دفعہ ۲۶ ۔ واقف کو اس طرح قتل کر دینے سے کہ جس کی وجہ سے قاتل شرعاً وراثت سے محروم ہو جاتا ہے کوئی مستحق اپنے حصہ وقف سے قانوناً محروم ہو جائے گا ۔

دفعہ ۲۷ ۔ واقف کو یہ حق حاصل ہوگا کہ صاحب استحقاق کو اس کے واجب حق کے کل یا بعض سے محروم کر دے اور اس کی شرط اپنے لیے وقف میں مقرر کر دے جب کہ ایسا کرنے کے لیے قوی اسباب موجود ہوں اور محکمہ تحقیقات کے بعد ان اسباب کو اس محرومی کا قوی سبب سمجھتا ہو ۔

اور زوجہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے وقف سے محروم کر دے یا یہ شرط لگا دے کہ اگر شوہر اس کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو وہ اس کے وقف سے محروم ہو جائے گا ، جب کہ یہ عورت اس کے ازدواج میں موجود ہو یا عدت طلاق میں ہو ۔

مصری قانون کی بنیاد :

مصری قانون کی مندرجہ بالا دفعات میں دفعہ ۶ حنفی فقہ سے ماخوذ ہے۔ دفعہ ۹ کے تحت قبولیت کا وقف کے لیے عد شرط ہونا حنفی و شافعی فقہ پر مبنی ہے ۔ البتہ استحقاق کے لیے قبول کا شرط ہونا حنبلی مذہب میں راجح ہے ۔ دفعہ ۱۷ میں مصلحت عامہ پر مبنی اجتہاد سے کام لیا گیا ہے ۔

دفعہ ۱۹ ایک خاص تغیر کے ساتھ حنفی مسلک اور مالکیہ مسلک پر مبنی ہے ۔ دفعہ ۲۰ حنفیہ اور حنبلیہ مذہب پر مبنی ہے جب کہ دفعہ ۲۱ حنفیہ اور مالکیہ سے ماخوذ ہے ۔ دفعہ ۲۲ تا ۲۷ کسی قدر تغیر کے ساتھ مذاہب اربعہ سے ماخوذ ہیں ۔

اقرار وقف بحالت صحت و مرض الموت

۱۸۵ - (۱) اگر کوئی مسلمان بحالت صحت و بقائمی ہوش و حواس کسی شئے کے بارے میں جو اس کے قبضۂ ملک میں ہو موقوفہ ہونے کا اقرار کرے تو اُس شئے کی نسبت اس کا اقرار صحیح ہوگا اور وہ شئے موقوفہ متصور ہوگی ۔

(۲) مریض کا اقرار وقف اس شئے یا اس کے ترکہ سے ایک تہائی کی بقدر (جو بھی کم ہو) صحیح ہوگا ۔ اور وہ شئے یا ترکہ کا حصہ موقوفہ متصور ہوگا ۔

تشریح

جب کوئی شخص بحالتِ صحت عقل و درستی ہوش و حواس خمسہ کسی زمین یا مکان کے حق میں جو اس کے قبضے میں ہو اس کے وقف ہونے کا اقرار کرے لیکن متولی کی نامزدگی نہ کرے اور نہ منستحقین کو بیان کرے تو اس شخص کا یہ اقرار صحیح ہوگا ، اور یہ زمین یا مکان فقراء پر وقف ہو جائے گا ۔ اور اس شخص کو اس موقوفہ کا واقف نہ تصور کیا جائے گا جب کہ اس امر پر شہادت قائم ہو جائے کہ یہ موقوفہ قبضہ کے وقت مقر کی ملکیت نہ تھی، ورنہ یہ واقف متصور ہوگا اور وقف کی ولایت کا حق اسی کو حاصل ہوگا یعنی یہی اس کا متولی ہوگا ، الا یہ کہ شہادت میں کسی دوسرے کی تولیت کا اظہار کر دیا گیا ہو ۔ بصورت ابہام حاکم کی رائے کو دخل ہوگا ۔ اگر ایک شخص نے اپنی مقبوضہ زمین یا مکان کے متعلق یہ اقرار کیا کہ یہ اس کے مرحوم باپ نے وقف کر دی تھی لیکن موقوف علیہم کے متعلق کچھ نہ کہا تو اس مقر کی ذات کے حق

میں اس کا اقرار صحیح ہوگا، اب اگر اس کے مرحوم باپ کے ذمہ دین ہوا یا کوئی وصیت ہوئی اور اس مال مقربہ کے ماسوا دوسرا مال موجود نہ ہوا ، تو اس زمین یا مکان میں اتنا حصہ فروخت کر دیا جائے گا جس سے میت کا دین یا تہائی کی حد تک وصیت پوری کی جا سکے ، اور باقی ماندہ حصہ وقف ہوگا۔ اور اگر میت کا دین اتنا ہے کہ تمام جائداد کو محیط ہے تو تمام جائداد فروخت کی جا سکے گی الایہ کہ اقرار کرنے والا خود اپنی ذات سے اپنے باپ کا دین ادا کر دے۔ اور جب مرحوم باپ پر دین نہ ہوگا تو مقر کے اقرار کے بموجب کل جائداد وقف ہو جائے گی ، اگر مقر کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا وارث بھی موجود ہو جس کو اس کے وقف ہونے کا انکار ہو تو جتنا حصہ مقرلہ کا ہوگا وہ وقف ہوگا اور انکار کرنے والے کا حصہ اس کی ملک ہوگا۔[۵۰]

کسی مقر کے اقرار کو مقرلہ کا انکار باطل نہیں کرتا ، مثلاً ایک شخص نے دوسرے دو غیر وارث شخصوں کے حق میں یہ اقرار کیا کہ اس کے قبضے میں جو زمین یا مکان ہے یہ ان دونوں شخصوں پر وقف ہے اور مقرلہ میں سے ایک نے اس کا اقرار کیا دوسرے نے نہ کیا تو اب اس زمین کا نصف حصہ تصدیق کرنے والے مقرلہ پر وقف ہوگا اور دوسرا حصہ فقراء پر وقف سمجھا جائے گا۔ اور اگر اس انکار کرنے والے نے آئندہ اس کی تصدیق کر دی تو اب یہ وقف میں مستحق قرار پا جائے گا۔[۵۱]

اگر کسی موقوفہ جائداد پر کسی شخص نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور واقف کے ورثاء نے اس کی ملکیت کا اقرار بھی کر لیا تو اس اقرار سے وقف باطل نہ ہوگا ، بلکہ ورثاء کو ترکہ سے اس جائداد کی قیمت کا ڈنڈ

---

(۵۰) اسعاف ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۳۷-۳۸

فتاوی خانیہ ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۸۲ھ صفحہ ۳۱۳

(۵۱) اسعاف بحولہ بالا صفحہ ۳۰

ادا کرنا ہوگا ، اور اگر ورثاء نے مدعی کے دعوی کا انکار کر دیا اور مدعی شہادت نہ پیش کر سکا بلکہ ورثاء کو حلف دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو ورثاء پر حلف کی ذمہ داری عائد نہ کی جائے گی ۔۵۲

وقف کی کسی جہت یا اقرار میں تناقض پایا جائے تو اول اقرار باطل نہ ہوگا بلکہ اقرار ثانی کالعدم ہوگا ۔ اگر کسی جائداد کے اقرار وقف سے پہلے دعویٰ کیا گیا ہو اور اس کے بعد وقف کا اقرار کرے تو یہ قابل قبول ہوگا ، چنانچہ اگر ایک شخص اولاً یہ دعویٰ کرے کہ وہ زمین جو اس کے قبضے میں ہے اس کی عمارت اس کی مملوکہ ہے اور یہ زمین وقف ہے تو اس اقرار سے زمین و عمارت دونوں وقف سمجھی جائیں گی ، متولی وقف کا اقرار وقف کے ذمے پر صحیح نہ ہوگا ، لیکن اگر مقبوضہ جائداد میں سے کسی جائداد کا وقف کے لیے اقرار کرے گا تو یہ اقرار صحیح ہوگا ۔۵۳

مریض کا اقرار وقف :

جب کوئی مریض اپنے مرض موت میں اپنی مقبوضہ زمین یا مکان کے وقف کا اقرار کرے کہ میں نے وقف کر دیا تھا یا کسی دوسرے نے وقف کیا تھا لیکن واقف کا تعین نہ کرے یا موقوف علیہم کو مبہم چھوڑ دے تو اس کی مقبوضہ میں صرف ایک تہائی کی حد تک اقرار صحیح ہوگا اور اگر یہ زمین یا مکان اس کی پوری جائداد کا ایک تہائی قرار پاتا ہے تو کل وقف ہوگا، بصورت دیگر تہائی کے درجہ تک وقف ہوگا، جبکہ وارث تہائی سے زائد کے وقف پر راضی نہ ہوں یا وارث موجود ہی نہ ہوں ۔ اور اگر مریض نے اپنے مقبوضہ مکان یا زمین کے متعلق یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں شخص نے وقف کیا تھا اور فلاں جہت پر وقف کیا تھا تو یہ کل

---

(۵۲) فتاوی عالم گیری ، مطبوعہ مصر ، محولہ بالا صفحہ ۳۵۰

(۵۳) فتاوی عالم گیری محولہ بالا ، صفحہ ۴۳۸

تنقیح الحامدیہ ، مطبوعہ مصر (کتاب الاقرار) ، صفحہ ۴۷

جائداد وقف سمجھی جائے گی ، لیکن اگر تعین نہ کیا گیا ہو تو صرف تہائی ترکہ کے مقابلے میں وقف ہوگی ، اور جب کوئی مریض اپنے مرض موت میں اپنی مقبوضہ جائداد کے حق میں یہ اقرار کرے کہ فلاں شخص نے اس کو اس کی اولاد اور نسل پر دائماً اور ان کے بعد فقراء کے لیے وقف کیا تھا اور اس کے قبضے میں دے دیا تھا تو یہ جائداد اس مقر پر اور اس کی اولاد و نسل پر وقف نہ سمجھی جائے گی ، اس کا یہ قول اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مقبول نہ ہوگا ، اگرچہ اس کے مقابل خصومت کرنے والا کوئی فریق بھی نہ موجود ہو ۔[۵۴]

مقصد وقف

۱۸۶ - جس مقصد کے لیے وقف کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی یا عمل خیر میں شمار ہوتا ہو ۔

تشریح

مقصد وقف کے لیے یہ امر بنیادی نوعیت رکھتا ہے کہ وہ مقصد مذہبی یا خیراتی یا ایسے کاموں کے لیے ہو جو شرع اسلام میں مذہبی ، نیک یا خیراتی سمجھے جاتے ہوں ۔

مقاصد وقف کا تعین :

مقاصد وقف کا تعین صراحت کے ساتھ کیا جانا لازم ہے ۔ کیونکہ جن مقاصد کے لیے وقف وجود میں لایا جاتا ہے ۔ اگر ان کا تعین نہ کیا جائے تو مقصد کے عدم تعین کی وجہ سے وقف کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے ۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جملہ مقاصد نام بنام ذکر کیے جائیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وقف نامے میں اس امر کی صراحت ہو کہ ہر مقصد پر (جبکہ مقاصد وقف ایک سے زائد ہوں) کتنی رقم صرف کی جائے ۔

---

(۵۴) اسعاف مطبوعہ مصر، صفحات ۳۶-۳۵ ، ردالمحتار مطبوعہ مصر، صفحہ ۵۵۹

مقصد وقف جزاً جائز اور جزاً ناجائز :

اگر وقف ایک سے زائد مقاصد کے لیے کیا جائے جن میں سے بعض جائز ہوں اور بعض ناجائز ، تو جائز مقاصد کی حد تک وہ وقف صحیح سمجھا جائے گا اور ناجائز مقاصد اس وقف کے دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے ۔ اگر واقف نے جائز اور ناجائز مقاصد کے تحت خرچ کی مدات معین اور رقم یا جائداد کی مقدار یا حصہ مقرر کر دیا ھے تو ایسی صورت میں غیر صحیح مقاصد کے تحت جو وقف کیا گیا ھے وہ جائداد موقوفہ کی حد تک باطل قرار دیا جائے گا اور اس جائداد کی ملکیت واقف کی متصور ہوگی ۔ اگر تمام ھی مقاصد ناجائز پائے جائیں تو ایسی صورت میں وقف کلیتاً کالعدم اور باطل قرار پائے گا ۔

مقصد وقف فوت ہو جانے کی صورت میں :

اگر وقف نامے میں مندرج مقاصدوقف میں سے کوئی مقصد فوت ہو چکا ہو یا ناقابل حصول ہو تو محض اس بناء پر وقف باطل نہ ہوگا ۔ اگر وقف نامے سے واقف کی نیت مندرج مقاصد کے تحت صریح طور پر مذھبی ، خیراتی یا امور خیر سے متعلق پائی جائے تو وہ وقف جائز ہوگا اور اس کی آمدنی ایسے مقاصد پر صرف کی جا سکے گی جو فوت شدہ یا ناممکن الحصول مقاصد کے قریب قریب اور ان کے مماثل ہوں ۔ انگریزی قانون اصطلاح میں اسے اصول تقریبی(doctrine of cypres) کہتے ھیں ۔

کوئی وقف محض اس وجہ سے ناجائز متصور نہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ سے جو مفاد غرباء مساکین یا دیگر مستقل نوعیت کے مذھبی ، صالح یا خیراتی مقاصد کے مخصوص کیا جائے وہ واقف کے خاندان ، اولاد یا نسل کے منقطع ہو جانے کے وقت تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا ھے ۔[۵۵]

---

(۵۵) قانون ،جواز اوقاف مسلمانان ، ۱۹۱۳ء

درگاہ کے لیے وقف :

کسی ولی کی درگاہ کی نگرانی اور تحفظ اور اس کو برقرار رکھنے کی غرض سے کسی جائداد کا وقف کرنا جائز ہے ۔ واقف کے والد کے مزار کے لیے وقف کرنا نجی وقف کہلائے گا۔ وقف علی الاولاد بھی نجی وقف ہوتا ہے ۔[56]

مشاع وقف

۱۸۷ ۔ جو جائداد ناقابل تقسیم ہو یا اس کی تقسیم سے اس کی افادیت متاثر ہونے کا خطرہ ہو اس کے غیر منقسمہ حصے کا وقف جائز ہوگا البتہ قابل تقسیم ہونے کی صورت میں غیر منقسمہ حصہ کا وقف بلا تقسیم جائز نہیں ۔

استثناء : مسجد یا مقبرہ کے لیے مشاع کا وقف ناجائز ہوگا ۔

تشریح

مشاع (غیر منقسمہ جائداد) کا حصہ امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق وقف ہو سکتا ہے خواہ وہ جائداد قابل تقسیم ہو یا نہ ہو ۔ امام محمد کے نزدیک ایسی جائداد مشاع کا وقف جو قابل تقسیم ہو جائز نہیں ہے البتہ اس امر میں صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسجد اور قبرستان کے لیے مشاع کا وقف جائز نہیں ۔ کیونکہ کسی شے کی ملکیت میں دوسرے شخص کی شرکت خدا کے تنہا حق میں ملکیت کے منافی ہے ۔ ایک موجود مسجد کی دیکھ بھال کے لیے مشاع کا وقف کرنا جائز نہیں ہے ۔[57]

مشاع کے مسئلہ کی بنیاد :

مشاع کے وقف کا مسئلہ دراصل وقف میں قبضہ کی بحث کے تابع ہے چنانچہ جو فقہاء وقف میں قبضہ کو بطور ایک شرط کے لازم قرار دیتے ہیں وہ مشاع (حصۂ غیر منقسمہ) وقف کو بلا تقسیم ناجائز ٹھہراتے ہیں اور اس کے بغیر وقف کو نامکمل قرار دیتے ہیں ۔ اس کے برخلاف جو فقہاء

---

(۵۶) پی ۔ ایل ۔ ڈی ، ۱۹۶۳ء ڈھاکہ ، صفحہ ۵۷۵

(۵۷) پی ۔ ایل ۔ ڈی ، ۱۹۵۲ء ، صفحہ ۲۰۶

قبضۂ موقوفہ کو وقف کی شرط جواز و تکمیل قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک مشاع کا وقف جائز ہے ۔ البتہ اس میں یہ تصریح ہے کہ جو جائداد ناقابل تقسیم ہو یا تقسیم سے اس کی افادیت متاثر ہوتی ہو اس کا وقف بلا تقسیم جائز ہوگا لیکن جو جائداد قابل تقسیم ہو یا تقسیم سے اس کی افادیت متاثر نہ ہوتی ہو اس کے غیر منقسم حصہ کا وقف بلا تقسیم جائز نہیں ۔ یہی مسلک حنفی مذہب میں معمول بہ ہے ۔

مصر و لبنان کا قانون :

وقف مشاع کے مسئلے میں ۱۹۴۶ع تک مصر میں امام ابو یوسف کے مسلک پر عمل ہوتا رہا لیکن ایکٹ نمبر ۴۸ بابت ۱۹۴۶ع کے تحت قانون بنا دیا گیا کہ مشاع ناقابل تقسیم کے ساتھ وقف جائز ہے لیکن قابل تقسیم کا وقف ، ماسوائے چند صورتوں کے ، ممنوع ہوگا ۔ لبنان میں بھی اسی طریقہ پر قانون سازی کی گئی ہے ۔

مسجد کے لیے مشاع کا وقف :

موقوفہ زمین اگر غیر موقوفہ سے جدا نہ کی گئی ہو یعنی غیر منقسم (مشاع) ہو تو مسجد و مقبرے پر اس کا وقف کرنا درست نہ ہوگا اور ، مسجد و مقبرے کے علاوہ ، چونکہ موقوفہ زمین تقسیم کی صلاحیت رکھتی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک وقف صحیح ہوگا اور محمد کے نزدیک صحیح نہ ہوگا ۔ البتہ جو شئے غیر منقسم ہو اور تقسیم کا احتمال ھی نہ رکھتی ہو اس کا وقف باوجود غیر منقسمہ ہونے کے بالاتفاق درست ہوگا ۔ وقف مشاع میں امام محمد رحمۃ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے ۔[58]

---

(۵۸) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۱۳
ردالمحتار علی درالمختار ، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۷۶
فتح المعین ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۷
فتاوی عالمگیری (عربی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸۹

امام محمد کے نزدیک وہ غیر مقسومیت وقف کے مانع ہے جو عقد وقف کے وقت موجود ہو ، لیکن اگر امر عارض بعد میں پیدا ہوا ہو تو وقف ایک حد تک صحیح رہے گا ۔ مثلاً ایک شخص مرض کی حالت میں وقف کرے اور ورثاء اس مریض کے مرنے کے بعد ایک تہائی سے زائد کے وقف پر راضی نہ ہوں اور اس سے رجوع کریں تو ایک تہائی کا وقف صحیح رہے گا ، کیونکہ اس موقوفہ زمین میں ورثاء کا حق بعد میں پیدا ہوا ۔ بوقت وقف کل زمین وقف کی گئی تھی ۔ اسی طرح وقف کے وقت ظاہری غیر مقسومہ کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آیا کہ جس سے موقوفہ کا حصہ متعین ہو گیا ، تب بھی وقف امام محمد کے نزدیک درست ہوگا ۔ مثلاً ایک شخص نے کل زمین وقف کی ۔ وقف کے بعد اس زمین کے ایک مخصوص حصے میں کسی دوسرے شخص نے اپنا حق ثابت کر دیا تو مابقی زمین کا وقف صحیح رہے گا ۔ یا ایک زمین دو شخصوں کے درمیان مشترک غیر مقسوم تھی اور دونوں نے اپنا اپنا حصہ وقف کیا اور متولی وقف کے سپرد کر دیا ۔ یہ وقف صحیح ہوگا ۔ کیونکہ یہاں وقف شدہ حصے اور غیر وقف شدہ کا سوال ہی نہیں ہے بلکہ کل زمین محل وقف موقوفہ ہے ۔[۵۹]

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی نصف زمین یا نصف مکان غیر منقسمہ شکل میں فقراء پر وقف کیا تو ابو یوسفرحہ کے نزدیک وقف صحیح ہوگا ۔ کیونکہ تقسیم قبضہ کے لواحقات میں شامل ہے جس وقت قبضہ دیا جائے گا اس وقت تقسیم کی ضرورت ہوگی ۔ چونکہ قبضہ سے مقصود شے کا محفوظ کر دینا ہوتا ہے اور جو

---

(۵۹) بحرالرائق ' ابن نجیم ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۱ هجری ' جلد ۵ ' صفحہ ۲۱۳
ردالمحتار ' ابن عابدین ' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ هجری' جلد ۳' صفحہ ۳۷۶
فتح المعین ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۵۰۶
فتاوی عالمگیری (عربی) ' مطبع مجیدی ' کان پور ' جلد ۲' صفحہ ۳۱۹
فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ هجری ' جلد ۵ ' صفحہ ۴۷

شے قابل تقسیم ہو اس کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اس کو تقسیم کر کے قبضہ دیا جائے ۔ چونکہ صدقہ موقوفہ میں ابو یوسفرح کے نزدیک اصل قبضہ ہی شرط نہیں تو جو امر تتمۂ وقف ہوگا اس میں بطریقہ اولیٰ قبضہ شرط نہ ہوگا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک وقف عتق سے مشابہت رکھتا ہے اور عتق میں غلام کا منقسم ہونا شرط نہیں ہے (بلکہ جو غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور ان دونوں میں سے ایک شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو یہ حصہ آزاد ہو جائے گا اور غلام کا اشتراک آزادی کا مانع نہ ہوگا) ۔ اسی طرح کسی شے کا غیر منقسم ہونا وقف کا مانع نہ ہوگا ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غلام کی آزادی میں تجزیہ (تقسیم) نہ ہو سکے گا اس لیے کہ ایک محل میں تجزیہ و تقسیم کا حکم دے دینا احکام کے تضاد کا سبب ہوگا لیکن وقف میں یہ امر لازم نہیں آتا ۔ اس لیے کہ وہ تجزیہ کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ لہٰذا غیر منقسم ہونے کی صورت میں جتنے حصہ کا وقف کیا ہے وہ حصہ وقف ہو جائے گا ۔ لیکن امام محمد رح کے نزدیک کسی شے کا ، جو قابل تقسیم ہو ، غیر منقسم ہونے کی صورت میں وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ ان کے خیال میں وقف کے مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے ۔ لہٰذا جو امر تتمۂ وقف ہو اس کے لیے بطریق اولیٰ قبضہ شرط ہوگا ۔ اور جو شے قابل تقسیم ہے اس پر قبضہ اس وقت ممکن ہوگا جب اس کو تقسیم کر دیا جائے چونکہ ان کے نزدیک وقف کی نظیر صدقہ منفذہ (یعنی جس میں فوری تملیک شخصی طور پر کر دی جاتی ہے) ہے اور صدقہ جب تک قابل قسمت شے کو تقسیم کر کے قبضہ نہ دیا جائے مکمل نہیں ہوتا ، جیسا کہ ہبہ میں اور جو شے تجزیہ قبول نہیں کرتی اس میں بغیر تقسیم صدقہ صحیح ہوگا ۔ کیونکہ جو شے ناقابل تقسیم ہے اس کی تقسیم کرنے میں وہ شے ہی معدوم ہو جائے گی ۔ اس لیے اس کی تقسیم اس کی حفاظت شمار نہ ہوگی ۔ پس یہی حالت صدقۂ موقوفہ کی

تصور کی جائے۔ کہ جو شے ناقابل تقسیم ھے اس کے کسی حصہ کا وقف صحیح ھوگا۔ اور جو شے تقسیم کیے جانے کی صلاحیت رکھتی ھے اس کا وقف تقسیم کے بغیر صحیح نہ ھوگا۔ اسی پر مسافر خانہ، مقبرے، سقایہ، مسجد کو قیاس کر لیا جائے۔ یعنی جو اشیاء قابل تقسیم ھیں بغیر تقسیم کے ان کا وقف درست نہ ھوگا۔ چنانچہ مسجد اور مقبرے کا، زمین غیر منقسم ھونے کی صورت میں، اس لیے وقف صحیح نہ ھوگا کہ شرکت باقی رھتے ھوئے یہ ناممکن ھے کہ وہ حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص سمجھا جائے۔[۶۰]

قرضدار کا وقف

۱۸۸ ۔ (۱) اگر واقف کا قرض اس کی تمام املاک پر حاوی ھو تو اس کا وقف کرنا جائز نہ ھوگا۔

(۲) کسی شخص کا بدنیتی سے اپنے قرض خواھان کو ضرر پہونچانے کی غرض سے وقف کرنا درست نہ ھوگا۔ ایسا وقف قرض خواھان کی جانب سے وقف کا علم ھونے سے تین سال کی مدت کے اندر بذریعہ عدالت منسوخ کرایا جا سکتا ھے۔ مگر لازم ہے کہ وقف کے وجود میں آ جانے کے ۱۲ سال بعد یہ حق ساقط متصور ھوگا۔

تشریح

جمہور فقہاء کا اس امر پر اتفاق ھے کہ اگر کسی شخص کا قرض اس قدر زیادہ ھو کہ اس کے تمام اموال پر حاوی ھو تو اس کو اپنے اموال میں تصرف (مثلاً ھبہ یا وقف وغیرہ) کرنے سے روکا جائے گا۔ چناں چہ ایسی صورت میں حاکم عدالت اس امر کا مجاز ھوگا کہ وہ ادائی قرض کی غرض سے اس کی بعض املاک و اموال کو فروخت کیے جانے کا حکم دیدے۔ لیکن اگر اس کی قرض داری اس کے تمام اموال پر حاوی نہیں ھے، یعنی اس کا قرض کم ھے اور مال زیادہ ھے تو ایسی صورت میں اس کو اپنے اموال میں تصرف یعنی ھبہ وغیرہ کرنے سے نہ روکا جائے گا۔ اس بارے میں امام ابوحنیفہ کا اختلاف ھے۔ آن کے نزدیک دونوں صورتوں میں سے

(۶۰) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ھجری، جلد ۱۲، صفحہ ۳۲

کسی بھی صورت میں اس شخص کو تصرف کرنے سے نہ روکا جائے گا۔ (اس مسئلے کی تفصیلات کتب فقہ کے باب الحجر میں بیان کی گئی ہیں)۔

جو فقہاء قرض کے تمام اموال پر حاوی ہونے کی صورت میں اس شخص کو اس کے تصرفات مالی سے باز رکھنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ایسے شخص کو وقف کا اختیار نہ ہوگا الا یہ کہ قرض خواہان اس امر کی اجازت دے دیں؟ اور اگر قرض دار پر کوئی حکم امتناعی ہو تو بالاتفاق وہ اپنے مال کو رہن یا ہبہ یا وقف نہیں کر سکتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر قرض دار تصرفات مالی سے روکا نہ گیا ہو اور وہ صحیح اور تندرست بھی ہو اور اس کے قرض کا اس کے اموال سے بطور رہن وغیرہ کے براہ راست کوئی تعلق نہ ہو تو کیا اس کا اپنے اموال کو وقف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ حنفی فقہ کی رو سے اس کا وقف کرنا جائز ہوگا۔ کیوں کہ وقف کا تعلق اس کی شخصی ذمہ داری سے ہے جس کا تعلق ذات شے سے نہیں ہے چناں چہ اس کا اپنے اموال میں شرعی تصرف کرنا جائز ہوگا۔ وقف بھی ایک طرح کا شرعی تصرف ہے۔ لیکن مالکی مذہب کی رو سے اگر واقف کا وقف کرنا قرض خواہان کو ضرر پہنچانے کا موجب ہو تو انہیں اس وقف کو باطل قرار دلوانے کا حق حاصل ہوگا۔ کیوں کہ ہر قرض خواہ مقروض کے مال میں سے ادائی کا حق رکھتا ہے چناں چہ مقروض کا قرض خواہ کے حق کو ضرر پہنچانے کی غرض سے وقف کرنا ناجائز ہوگا۔[61] البتہ ظاہریہ مسلک کے مطابق ایسا وقف

---

(۶۱) مدونہ میں باب التفلیس میں عام الفاظ اس طرح مذکور ہیں (ولا تجوز صدقتہ ولا ہبتہ، ولا عطیتہ، ولاعتقہ، وہو بحال ما و صفت لک من الرجل مدیان اذا کان لا وفاء لہ) مدونہ مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ ہجری جلد ۱۳، صفحہ ۸۷ اور احکام الاوقاف عبدالوہاب الخلاف نے اپنی تالیف احکام الوقف مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری صفحہ ۴۶ میں اس کو امام مالک کا مذہب ہونا بیان کیا ہے اور مصطفے زرقاء نے بھی اپنی تالیف احکام الاوقاف مطبوعہ مصر ۱۳۶۶ ہجری کے صفحہ ۶۷ نوٹ نمبر ۱ میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ غالباً ان حضرات نے اسی مذکورہ عبارت سے وقف کے متعلق یہ حکم لیا ہے۔

جائز ہوگا۔

نتیجۂ فکر :

اس مسئلے کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کسی شخص کا اپنے اموال کو اس نیت سے وقف کرنا کہ اس کے قرض خواہان کو اپنا قرض وصول کرنے کے حق سے محروم ہونا پڑے نفاذ وقف میں خلل اندازی کا موجب ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ قرض واقف کے تمام اموال پر حاوی ہو۔ یہی صورت ہبہ کی بھی ہے۔

ابطال کا حق :

مصری قانون کے تحت قرض خواہ کو انعقاد وقف کا علم ہونے کے تین سال کے اندر اندر وقف کو باطل قرار دلوانے کا حق ہوگا۔ لیکن یہ حق وقف کے وجود میں آنے کے ۱۲ سال کے بعد کسی بھی صورت میں استعمال نہیں ہو سکتا۔

وقف بالوصیت

۱۸۹۔ (۱) واقف کی زندگی کے بعد اس کی وصیت کے ذریعہ سے وقف قائم ہو سکتا ہے جس سے احکام وصیت متعلق ہوں گے۔

(۲) وقف بالوصیت واقف کی موت سے پہلے ہر وقت منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

تشریح

واقف اپنی زندگی میں اپنی جائداد اور املاک کا مالک ہونے کے سبب شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی حسب خواہش فوری طور پر اپنی پوری جائداد تک وقف کرنے کا مجاز ہے، لیکن بذریعہ وصیت صرف ایک تہائی جائداد تک وقف کر سکتا ہے۔ اگر وقف بذریعہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ جائداد کی نسبت کیا جائے گا تو وہ وقف وارثوں کی رضا مندی کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ کی حد تک غیر نافذ ہوگا۔[۶۲]

(۶۲) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۲۶

جائداد میں ایک تہائی کا تعین متوفی کی تجہیز و تکفین کے اخراجات اور متوفی کے ذمہ قرضہ جات وغیرہ کی ادائی کے بعد کیا جائے گا۔[۶۳]

اس کا سبب یہ ہے کہ "لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام" کے اصول کے تحت ایسا وقف ورثاء کو اس حق سے محروم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا جو وقف اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو، کیوں کر نافذ ہو سکتا ہے! اسی سبب سے وقف بالوصیت ایک تہائی کی حد تک نافذ العمل قرار پا سکتا ہے۔

جس طرح وصیت کرنے والا اپنی وصیت جب چاہے ترمیم یا منسوخ کر سکتا ہے اسی طرح جو وقف بذریعہ وصیت قائم کیا جانے والا ہو واقف اپنی زندگی میں جب چاہے منسوخ کر سکتا ہے۔

وقف بحالت مرض الموت

۱۹۰۔ مرض الموت میں کیے گئے وقف پر ہبہ بالوصیت کے احکام مرتب ہوں گے۔

تشریح

مرض الموت سے وہ مرض مراد ہے جو موت سے متصل ہوتا ہے خواہ اس کے سبب سے موت واقع نہ ہو لیکن جس میں مریض کے مرنے کا ظن غالب موجود ہو۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۂ ہذا جلد دوم صفحہ)

فقہاء نے مرض الموت کی حالت میں واقف کے مالی تصرفات پر جو پابندیاں عائد کی ہیں انھیں کے تحت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی وقف مرض الموت کی حالت میں کیا گیا ہو تو ایسے وقف پر ہبہ بالوصیت کے احکام مرتب ہوں گے۔ اس میں چاروں سنی مذاہب (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ) اور شیعہ مسلک متفق ہیں، البتہ ظاہریہ مرض الموت میں کیے گئے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک حالت صحت

(۶۳) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۲۹، صفحہ ۱۳۷

اور مرض میں کوئی فرق نہیں - چنانچہ ان کے نزدیک ، خواہ وقف قرض خواہان کے قرضے یا وارثوں کے حصوں سے بچنے کی غرض ھی سے کیوں نہ کیا جائے ، نافذ ہوگا -

امام طحاوی نے بیان کیا ھے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے مرض کی حالت میں وقف کرکے اس کی شرائط پر عمل درآمد کر دے تو یہ اسی طرح سمجھا جائے گا جس طرح اس نے اپنے مرنے کے بعد وقف کی وصیت کی ہو چنانچہ مال متروکہ کے ایک تہائی میں وقف نافذ ہوگا -[۶۴]

امام محمد نے فرمایا ھے کہ جب واقف اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں جائداد موقوفہ متولی کے سپرد کر دے گا تو یہ وقف اس تمام مال (موقوفہ) میں جاری ہوگا جس کو اس نے وقف کیا ہو لیکن اگر اس نے اپنے مرض کی حالت میں ایسا کیا تو وقف صرف ایک تہائی میں جاری ہوگا کیوں کہ اس وقت تبرع (احسان) کے عمل سے اپنی مملوکہ شئے سے ملک کا ازالہ کر رہا ھے -[۶۵]

وقف علی الاولاد

۱۹۱ - کسی شخص کے لیے جو مذھب اسلام کا پیرو ہو جائز ہوگا کہ وہ کوئی وقف جو شرع اسلام کی شرائط کے مطابق ہو منجملہ دیگر مقاصد کے حسب ذیل مقاصد کے لیے قائم کرے :

(الف) کلیتاً یا جزاً اپنے خاندان ، اولاد یا نسل کی پرورش یا گزارے کے لیے -

(ب) نیز اگر واقف حنفی مسلمان ہو تو اپنی زندگی میں خود اپنی پرورش یا گزارے کے لیے یا جائداد موقوفہ کی آمدنی یا منافع سے اپنے قرضے ادا کرنے کے لیے -

(۶۴) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ھجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۷

(۶۵) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ھجری ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۳۲

مگر شرط یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں آخری مفاد، صراحتاً یا کفایةً مساکین کے لیے یا کسی دوسرے مقصد کے لیے مخصوص کر دیاجائے جواز روئے شرع اسلام مستقل نوعیت کا مذہبی صالح اور خیراتی مقصد تسلیم کیا جاتا ہو۔

توضیح : کوئی ایسا وقف، محض اس وجہ سے ناجائزمتصور نہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ سے جو مفاد مساکین یادیگر مستقل نوعیت کے مذہبیصالح یا خیراتی مقصد کے لیے مخصوص کیا جائے وہ واقف کی خاندانی اولاد یا نسل کے منقطع ہو جانے کے وقت تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

تشریح

وقف علی الاولاد اهل خاندان وغیرہ کے لیے جائداد وقف کرنے سے متعلق ہے۔ یوں تو شرعاً ہر قسم کا وقف کرنا کار ثواب ہے لیکن اپنی اولاد ، اهل خاندان اور اقرباء کے لیے وقف کرنا دیگر اوقاف سے افضل اور زیادہ موجب ثواب ہے ، کیونکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے ان لوگوں کی پرورش کا کفیل ہو جن کی پرورش اس کے ذمہ ہے۔

مسلمانوں کے وقف علی الاولاد کی انفرادیت :

مسلمانوں کے قانون وقف علی الاولاد کے مقابل کسی دوسرے مذہب میں کوئی قانون نہیں ہے۔ صرف قانون ہنود میں کسی خاندانی دیوتا کے لیے وقف ہو سکتا ہے لیکن اولاد وغیرہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ البتہ بلحاظ نتائج کسی حد تک ہندوؤں کا قانون خاندان مشترکہ اور جائداد مشترکہ مسلمانوں کے وقف علی الاولاد کے قانون سے مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن قانون وقف علی الاولاد اپنی اصل اور جزئیات کے اعتبار سے ایک انفرادی نوعیت کا مالک ہے۔

برصغیر ہند و پاکستان میں :

برصغیر ہند و پاکستان میں وقف علی الاولاد کے بارے میں پریوی کونسل کے فیصلے بمقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق بنام رساماپا مندرجہ انڈین لاء رپورٹ، کلکتہ، جلد۲۲، صفحہ۶۱۹، ۱۸۹۴ع کی بناء پر وقف علی الاولاد کو ناجائز قرار دیا گیا تھا ۔ چنانچہ اس فیصلے کی منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی قرار دی گئی کہ اس کی رو سے اہل خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے اور چونکہ مساکین کا نمبر عرصۂ دراز کے بعد آئے گا جو غیر یقینی بھی ہے اس لیے وقف علی الاولاد برائے نام وقف ہے ۔ نیز یہ کہ کسی کا اپنی اولاد کے لیے وقف کرنا شرعاً کار خیر میں داخل نہیں ہے ۔ یہ فیصلہ مسلمانوں کے شرعی قانون کے بالکل خلاف تھا ۔ چنانچہ اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے مسلمانوں کے مطالبے پر قانون جواز اوقاف مسلمانان ایکٹ نمبر ۶ بابت ۱۹۱۳ع نافذ کیا گیا جس کی رو سے وقف علی الاولاد کو جائز اور نافذ العمل قرار دیا گیا ۔

۱۹۳۰ع میں ایک اور ترمیمی وقف ایکٹ منظور کیا گیا جس کی رو سے ان تمام اوقاف علی الاولاد کو جائز قرار دیا گیا جو شرع اسلام کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق ہوں ، خواہ ایسے اوقاف ۱۹۱۳ع سے قبل ہی کیوں نہ تشکیل پذیر ہوئے ہوں ۔

آخری مفاد :

وقف علی الاولاد کی صورت میں اس کا آخری فائدہ مستقل نوعیت کے مذہبی صالح یا خیراتی مقاصد کے لیے محفوظ کیا جانا لازمی ہے مثلاً مساکین اور محتاجوں کی پرورش اور گزارہ کے لیے، مساجد کی تعمیر اور ان کے متعلق اخراجات کے لیے ، مساکین کے لیے کفن مہیا کرنے اور قبریں کھدوانے کے لیے اور اخراجات تجہیز و تکفین کے لیے نیز تمام قسم کے خیراتی کاموں

کے لیے جن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہو جیسے سرائیں ، پل، سڑکیں وغیرہ وغیرہ ۔ اولاد اور اقرباء وغیرہ کے معدوم ہو جانے کے بعد جس مستقل نوعیت کے مذہبی مقصد کے لیے وقف کیا جائے اس کا ذکر خواہ صریح طور سے کیا جائے یا اس قسم کا منشاء معنوی طور سے ظاہر ہوتا ہو ، کافی ہوگا ۔

آخری مفاد مستقل نوعیت کا مذہبی صالح یا خیراتی مقصد کے لیے ہونے کی غایت یہ ہے کہ وقف فی الاصل دوامی ہوتا ہے اور چونکہ اولاد یا اقرباء اصلاً معدوم ہونے والے ہیں یا ایک نہ ایک دن ضرور معدوم ہوں گے اور متوفی واقف کی نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اس لیے وقف کو دوام بخشنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا آخری مفاد مستقل نوعیت کا ایک ایسا مذہبی صالح یا خیراتی مقصد ہو جو دوامی ہو ۔

اولاد سے کون مراد ہیں ؟

الفاظ "علی الاولاد" یا "اهل خاندان" میں وہ تمام رشتہ داران شامل ہیں جن کا سلسلۂ نسب واقف سے (یا اس کے مورث اعلیٰ سے) مل جاتا ہو ۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے نام وقف کرے تو اس میں اولاد ذکور و اناث دونوں شامل ہوں گے جو اس وقت یا واقف کی موت کے وقت موجود ہوں ۔ لیکن وقف کے بعد لفظ اولاد کے مفہوم میں صرف اولاد ذکور نسلاً بعد نسل شامل ہیں ، الا یہ کہ وقف نامے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو کہ اولاد ذکور و اناث نسلاً بعد نسل سب شامل ہیں ۔ اگر واقف نے وقف علی الاولاد کی صورت میں اپنی صرف ایک یا دو پشتوں کے لئے وقف کیا ہو تو وقف کا استفادہ محض ایک یا دو پشتوں تک محدود رہے گا تاوقتیکہ اس کے خلاف واقف کا منشاء ظاہر نہ ہو ۔ لیکن اگر اس نے وقف کا استفادہ تین یا تین سے زیادہ پشتوں کے لیے کیا ہو تو وقف کا

استفادہ نسلاً بعد نسل ہوگا ۔

آمدنی کی تقسیم :

اگر وقف بلا صراحت چند مقاصد یا چند موقوف علیہم کے لیے کیا جائے تو ان کے درمیان وقف کی آمدنی ایک ساتھ اور مساوی تقسیم کی جائے گی ۔ اگر وقف اولاد کے حق میں نسلاً بعد نسل کیا جائے اور ان کے حصے تقسیم شدہ نہ ہوں تو تمام موقوف علیہم اور ان کی اولاد بشمول اناث مساوی حصۂ آمدنی کی مستحق ہوں گی ۔ قانون وراثت کا مسلمہ قاعدہ جس کی رو سے مرد کو عورت کے مقابلہ میں دگنا ملتا ہے قانون وقف سے متعلق نہ ہوگا ۔ مثال کے طور پر زید نے وقف علی الاولاد کیا ۔ اس کی وفات پر دو بیٹے عمر اور بکر اور ایک بیٹی جمیلہ تھی ۔ وقف کی آمدنی ان تینوں بہن بھائیوں پر مساوی تقسیم ہوگی ۔ فرض کیجیے کہ عمر کا انتقال ہو گیا اور اس نے دو بیٹے دو بیٹیاں چھوڑیں تو اب جائداد کی آمدنی بکر ، جمیلہ اور عمر کی چاروں اولادوں میں یکساں تقسیم ہوگی یعنی ہر ایک کو کل آمدنی کا چھٹا حصہ ملے گا ۔ لیکن اگر وقف علی الاولاد میں واقف کا یہ منشاء ظاہر ہوتا ہو کہ متوفی پسر یا دختر کے مرنے پر اس کی اولاد کو اس متوفی پسر یا دختر کا حصہ ملتا رہے تو حصہ شاخ وار تقسیم ہوگا نہ کہ فی کس ۔ اور یہ سلسلہ اولاد ذکور و اناث دونوں میں جاری رہے گا ۔

مصری قانون کے تحت وقف علی الاولاد :

قانون تنظیم اوقاف مصر، مجریہ ۱۹۴۶ع کے تحت وقف کی بلحاظ مدت تین قسمیں کی گئی ہیں :

(۱) وہ وقف جو صرف ابدی ہونا چاہیے اور موقتی ناجائز ہوگا ۔ ایسے وقف میں مسجد کا وقف شامل ہے ۔ بالفاظ دیگر مسجد کا وقف ابدی ہونا لازمی ہے ۔

(۲) ایسا وقف جو ابدی اور موقتی دونوں طرح جائز ہے ۔ یعنی یہ امر واقف کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ وقف ہمیشہ کے لیے کرے یا ایک خاص مدت کے لیے کرے۔ ایسے وقف میں علاوہ مسجد کے دوسرے خیراتی اوقاف شامل ہیں ۔

(۳) ایسا وقف جو صرف موقتی جائز ہوگا اور ابدی نہ ہوگا ۔ ایسے وقف کا اطلاق وقف علی الاولاد پر کیا گیا ہے ۔ چنانچہ از روئے قانون مصر وقف علی الاولاد کی زیادہ سے زیادہ مدت واقف کی وفات کے بعد ۶۰ سال مقرر کر دی گئی ہے یا وہ وقف واقف کے علاوہ دو پشتوں تک کے لیے ہوگا ۔

اس مسئلے سے متعلق رائج الوقت مصری قانون کی متعلقہ دفعات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

۵ ۔ مسجد کا وقف دائمی ہوگا البتہ خیراتی وقف کے ماسوا وقف موقتی اور ابدی دونوں طریق پر صحیح مانا جائے گا ۔ جب مطلق وقف کیا گیا ہوگا تو اس کو ابدی وقف تصور کیا جائے گا ۔ اور جو وقف خیراتی طریقوں پر ہو وہ محض موقتی (ایک مقررہ وقت تک) وقف سمجھا جائے گا اور (نسلی) دو طبقوں سے زیادہ طبقات تک جائز متصور نہ ہوگا ۔

اگر واقف نے وقف کے وقت موقوف علیہم کے اسماء کے ساتھ تصریح سے کام لیا ہو یا ان کو معین کر دیا ہو تو یہ لوگ ایک طبقہ متصور ہوں گے ، خواہ واقف نے ان کے درمیان ترتیب بیان کی ہو یا نہ بیان کی ہو ، لیکن اگر واقف نے ان موقوف علیہم کا نام لے کر متعین نہ کیا ہو تو اس وقت ہر بطن ایک طبقہ سمجھا جائے گا خود واقف کی ذات ان طبقات سے خارج ہوگی ۔ (یعنی کسی طبقہ میں شمار نہ ہوگی) ۔

اور جب واقف نے غیر خیراتی وقف میں وقت کا تعین کیا ہو تو اس

وقت یہ ضروری ہوگا کہ واقف کی وفات کے بعد سے ۶۰ سال سے زیادہ وقف نہ ہو ۔

اور واقف کے لیے یہ جائز ہوگا کہ جو کچھ اس نے وقف کیا ہے اس قانون (مجریہ ۱۹۴۶ء) پر عمل ہونے سے پہلے اپنے وقف میں وقت کا تعین کر دے جس طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ وقف سے رجوع کرے ۔

۱۶ ۔ جس وقف کی مدت معین ہوگی وہ وقف اپنی مدت ختم ہو جانے پر یا موقوف علیہم کے منقطع ہو جانے پر ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اس وقف کا کوئی حصہ اس کے موقوف علیہ کے عدم وجود پر مدت معینہ ختم ہونے سے قبل ہی ختم ہو جائے گا ۔ اور اسی طرح اس پورے طبقے کے ختم ہونے سے قبل ہی یہ حصہ بند کر دیا جائے گا ۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ وقف نامہ میں اس حصے کا باقی موقوف علیہم کے یا ان میں سے بعض کی طرف رجوع کر جانے کی کوئی صراحت موجود نہ ہو ، کیونکہ اس صورت میں وقف اسی وقت ختم ہو سکے گا جب کہ یہ باقی موقوف علیہم ختم ہو جائیں یا وقف کی مدت اپنی انتہاء کو نہ پہنچ جائے ۔

۲۸ ۔ واقف کو یہ حق حاصل ہوگا کہ یہ شرط کر دے کہ اس کی حیات میں زوجین یا والدین وقف میں مستحق ہوں گے اور وفات کے بعد یہ استحقاق اس کی ذرّیت کو حاصل ہو جائے گا ۔

۲۹ ۔ واقف کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ اپنی حیات میں اپنی فوت شدہ اولاد میں سے کسی کی اولاد کو جو واقف کی حیات میں موجود ہے، اپنے وقف میں اپنی فوت شدہ اولاد کے مقررہ حصے کا مستحق قرار دے دے یا اتنے حصے کا جو میت کے حصے کی تکمیل کرتا ہو ، اگرچہ یہ استحقاق تہائی مال کی حد سے متجاوز ہی کیوں نہ ہو ۔

۳۰ ۔ اور جب کہ واقف نے ایسے اشخاص کو محروم رکھا ہو جن

کو اس قانون کے تحت اس وقف میں کل یا بعض کا حق حاصل تھا ، تو ایسی صورت میں ان لوگوں کو ان کا واجب حق دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ ان محرومین کو چھوڑ کر باقی موقوف علیہم پر ان کے حصوں کے مطابق اگر وہ ایسے لوگوں میں سے ھیں (جن کا میراث کے لحاظ سے حق واجب ھوتا ھے) تقسیم کیا جائے گا اور اگر ایسے لوگوں میں سے نہیں ھیں تو ان کے حصۂ وقف کے اعتبار سے ان پر تقسیم کیا جائے گا۔

لیکن اگر مستحق محروم نے باوجود قدرت کے اپنے حق کا دعوی نہ کیا اور نہ کوئی شرعی عذر عدم دعوی کے لیے پایا گیا اور اس پر واقف کی موت سے شمسی دو سال کا عرصہ گزر گیا ، یا واقف کی وفات کے بعد وقف کے متعلق کوئی ایسی دستاویز تحریر کر دی تو اب وقف میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔

اور اس محروم کے بعض حق کو ترک کرنے پر رضامندی بھی قابل نفاذ سمجھی جائے گی ۔ جس کے بعد مابقیٰ کا حقدار نہ رہے گا ۔

۳۲ ۔ اگر واقف کی ذریت پر وقف کیا گیا ہو جو طبقات کی ترتیب کے ساتھ مقرر ھو ، اس حالت میں کوئی اصل غیر (دوسرے موقوف علیہ) کی فرع کے لیے محرومی کا سبب نہ ھو سکے گا ، اور ان میں سے جو فوت ھوگا اس کا استحقاق حصہ اس کی اولاد کی طرف منتقل ھو جائے گا ۔

اور وقف کی آمدنی کی تقسیم کسی طبقہ کے ختم ھونے سے نہیں توڑی جائے گی جب تک ان اصول کی اولاد کا سلسلہ جاری ھوگا ۔ وہ اسی طریقہ پر باقی رہے گی جس طرح وقف میں اس کو بیان کیا گیا ھو الاّ یہ کہ اس تقسیم کے باطل نہ کرنے سے موقوف علیہم کی محرومی لازم آتی ھو ۔

۳۳ ۔ دفعہ ۱۶ کے احکام کی رعایت کرتے ھوئے جب کوئی مستحق اس طرح فوت ھو جائے گا کہ اس کے بعد اس حصۂ موقوفہ کا پانے والا

اس کی اولاد میں کوئی نہ ہوگا تو یہ حصہ اصل وقف کی طرف واپس لوٹ جائے گا ۔

اور جب واقف نے طبقات کی ترتیب کے ساتھ وقف کیا ہو اور فوت ہونے والوں یا وقف سے محروم ہو جانے والوں یا استحقاق باطل ہو جانے والوں کے بعد ان کے نیچے کے طبقہ کے لیے یا ان سے قریب تر طبقہ کےلیے وقف کیا ہو تو اس وقت اس شخص کو استحقاق حاصل ہوگا جو ان لوگوں کے طبقہ سے ہوگا ، بشرطیکہ وہ ایسے لوگوں میں داخل ہو جو وقف میں حصہ دار ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے ۔

۳۴ ۔ جو شخص استحقاق سے محروم ہوگیا ہو یا اس کا استحقاق باطل ہو گیا ہو ، اس کے حصے کے رد کرنے کا وہی حکم ہوگا جو مستحق کے فوت ہونے پر عائد ہوتا ہے ۔ اور محروم کا حق اس وقت پھر واپس ہو جائے گا جبکہ محرومیت کا سبب زائل ہو جائے ۔

۳۵ ۔ جب ترتیب طبقات کے ساتھ وقف کیا گیا ہو اور طبقہ اولی کلیۃ موجود نہ ہو تو پھر وقف کی آمدنی کا استحقاق اس سے متصل قریبی طبقے کو ہوگا اور جس وقت اول طبقہ کا کوئی فرد وجود میں آیا یہ استحقاق اس کی جانب رجوع کر جائے گا ۔

مصری قانون کی بنیاد :

مندرجہ دفعات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا جاسکتا ہے کہ مصری قانون کی مندرجہ بالا دفعات میں دفعہ ۵ کسی مسلمہ مذہب پر مبنی نہیں جبکہ دفعہ ۱٦ مصالح پر مبنی اجتہادی نوعیت کی حامل ہے۔ دفعات ۲۸ تا ۳۰ مذاہب اربعہ سے ماخوذ ہیں مگر تغیر کے ساتھ ۔ دفعہ ۳۱ حنفی اور حنبلی فقہ کا امتزاج ہے جبکہ دفعہ ۳۲ مالکی اور حنبلی فقہ کا مجموعہ ہے۔ نیز دفعہ ۳۳ مالکی فقہ، دفعہ۳۴ حنبلی فقہ اور دفعہ ۳۵ شافعی فقہ سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں ۔

تنسیخ وقف

۱۹۲ - جو وقف واقف کی زندگی میں تکمیل پا چکا ہو منسوخ نہ کیا جا سکے گا - البتہ وقف بذریعہ وصیت واقف کی موت سے قبل کسی وقت بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے -

تشریح

وہ وقت جو شرعی طور پر واقف کے ذمہ لازم ہوگیا ہو ناقابل تنسیخ ہے - البتہ وصیتی وقف کرنے کے وقت واقف تنسیخ وقف کا حق اپنے لیے محفوظ کرلے تو ایسا وقف جو ابھی وجود ہی میں نہیں آیا (مثلاً وصیت نامے کے ذریعے واقف کی زندگی کے بعد وجود میں آئے گا) تو واقف کی زندگی کے دوران ہر وقت منسوخ کیا جا سکتا ہے - اس کی حیثیت ہبہ بالوصیت کی ہے -

امام سرخسی اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں کہ "وقف میں کوئی وقت مقرر کر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیع میں وقت کے تقرر کی شرط کر دی جائے جو وقف کے لیے مبطل (باطل کر دینے والا) ہو جائے گا ، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے لہذا ابو یوسف کے نزدیک منقطع ہونے والا وقف باطل نہ ہوگا -[66]

مصری قانون :

رائج الوقت مصری قانون کے تحت واقف کو وقف میں رجوع کا حق حاصل ہے جیسا کہ حسب ذیل دفعات سے ظاہر ہوتا ہے :

۱۱ - واقف کو اپنے کل وقف یا اس کے بعض حصے سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے ، جس طرح کہ اس کو وقف کے مصارف اور شرائط میں تغیر کرنے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اپنی ذات کے محروم کر دینے کا ، مگر یہ

(۶۶) المبسوط ، امام سرخسی، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری ، صفحہ ۴۱

تغیر اس قانون (مجریہ ۱۹۴۶ع) کی حد میں رہ کر نافذ ہوگا ۔ اور اس قانون پر عمل کیے جانے سے قبل واقف کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ اپنے وقف میں رجوع کرے یا اس میں کوئی تغیر کرے، اور یہ کرے کہ جب اپنی ذات اور ذریت کو استحقاق سے ان دس شرطوں سے محروم رکھا ہو تو کسی غیر شخص کو اس کا مستحق قرار دے دے ۔ یا یہ ثابت ہو جائے کہ یہ استحقاق کسی غیر مالی عوض کی بناء پر واقع ہوا ہے، یا واقف پر ایسے حقوق کی ضمان کے معاوضہ میں دیا گیا ہے ۔ جو وقف سے قبل واقف پر ثابت تھے ۔

مسجد پر جو اشیاء وقف ہوں گی ان کا رجوع کرنا جائز ہوگا اور رجوع یا تعین اسی حالت میں صحیح ہوں گے جب کہ صراحت کے ساتھ کیے گئے ہوں ۔

۱۶- جس وقف کی مدت معین ہوگی وہ وقف اپنی مدت ختم ہو جانے پر یا موقوف علیہم کے ختم ہو جانے پر ختم ہو جائے گا اسی طرح اس وقف کا کوئی حصہ اس کے موقوف علیہ کے عدم وجود پر مدت معینہ ختم ہونے سے قبل ہی ختم ہو جائے گا اور اسی طرح اس پورے طبقہ کے ختم ہونے سے قبل ہی یہ حصہ بند کر دیا جائے گا ۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ وقف نامہ میں اس حصے کا باقی موقوف علیہم کے یا ان میں سے بعض کی طرف رجوع کر جانے کی کوئی صراحت موجود نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں وقف اسی وقت ختم ہو سکے گا جب کہ یہ باقی موقوف علیہ ختم ہو جائیں یا وقف کی مدت اپنی انتہاء کو پہنچ جائے ۔

۴۳- موقوف کی تقسیم واقف کی زندگی میں اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہ ہوگی اور واقف کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔

۴۶- جب محکمہ وقف کو تقسیم کر دے گا یا وقف کا کوئی حصہ کسی شخص کے حق میں بالکل جدا کیا ہوا ہو تو اس صورت میں ضروری

ہوگا کہ ہر مستحق کو اپنے حصہ کا نگران مقرر کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو، اگرچہ یہ واقف کی شرط کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

مصری قانون کی بنیاد :

مصری قانون کی مندرجہ بالا دفعات میں دفعہ ۱۱ میں واقف کے وقف سے رجوع کرنے کے حق کا جہاں تک تعلق ہے وہ حضرت امام ابو حنیفہرح کے قول کے مطابق ہے البتہ اس دفعہ میں مذکور دوسرے احکام حنبلی فقہ اور وقتی مصالح کے تحت قیاس بالاجتہاد پر مبنی نظر آتے ہیں۔ دفعہ ۱۶ میں مصالح عامہ پر مبنی اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ مندرجہ دفعات ۴۳، ۴۶ متاخرین حنفی فقہا کے اقوال سے متاثر نظر آتی ہیں۔

تولیت وقف

۱۹۳۔ (۱) واقف اس امر کا مجاز ہوگا کہ وقف کی تولیت اپنی ذات یا کسی دیگر فرد یا افراد کے لیے بالترتیب مخصوص کر دے۔

(۲) تولیت کی عدم صراحت کی صورت میں واقف وقف کا متولی تصور ہوگا۔ واقف کے بعد تولیت کا حق وصی اور اس کے بعد حاکم وقت کو حاصل ہوگا۔

تشریح

از روئے شرع اسلام واقف اس امر کا مجاز ہے کہ وہ خود ہی وقف کا متولی ہو۔[٦٧] واقف اس امر کا بھی مجاز ہے کہ وقف نامے میں یہ تحریر کر دے کہ فلاں طریقے کے مطابق اور فلاں شرط کے ساتھ اور اس قدر عرصے کے لیے فلاں شخص یا اشخاص کی جماعت متولی ہوگی یا شخص یا اشخاص کی جماعت متولی کرنے کی مجاز ہوگی۔ اگر وقف نامے میں متولی اور اس

---

(٦٧) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲
فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵٦ ہجری، جلد ۵، صفحہ ٦٧
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۴
ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵٦ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۹٦

کے جانشین کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً کوئی ہدایت نہ پائی جائے تو خود واقف متولی مقرر کرنے کا مستحق ہوگا ۔ واقف کی وفات کے بعد اس کا وصی (Executor) اور وصی کے جانشین کی وفات کے بعد عدالت متولی مقرر کرنے کی مجاز ہوگی ۔[۶۸]

واقف کو اختیار حاصل ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے متولیوں کو نامزد کر سکتا ہے یا وہ اگر نام بنام متولیوں کو نامزد نہ کرے تو کسی خاص جاعت میں سے متولیوں کے تقرر کی بابت تحریر کر سکتا ہے ۔ اسے یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ متولیوں کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا مجاز کر دے ۔

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ "اگر وقف کا متولی واقف کی حیاتؑ میں فوت ہو جائے تو دوسرے متولی کے تقرر کا اختیار خود واقف کو حاصل ہوگا ۔ جس کو پسند کرے گا مقرر کر سکے گا . . . وقف کا متولی واقف کے نائب کے درجہ میں ہوتا ہے تا کہ موقوف علیہم کی منفعت کا عمل (اس کی نائبی) میں کرتا رہے ۔ لہٰذا اول متولی کے فوت ہونے کے بعد دوسرے کے تقرر میں واقف کی رائے کا شرط ہونا وقف کے مقصود کا محقق ہونا ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں پیدا کرتا ۔ اور اگر متولی کا انتقال واقف کے بعد ہوا اور اس نے اپنے بعد کے لیے کسی کو اپنا وصی بنا دیا تو یہ وصی متولی کے بعد اس کا قائم مقام ہوگا ۔ اس لیے کہ واقف نے متولی کو اپنے وقف کی نگرانی اور اپنی غرض کی تحصیل کے لیے مقرر کیا تھا ۔ اب چونکہ فوت ہو جانے کی بناء پر وہ اس عمل سے بذات خود عاجز ہو گیا یہ عجز ہی اس کے لیے اس امر کی اجازت ہو گیا

---

(۶۸) درمختار برحاشیہ ردالمحتار ' ابن عابدین' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ ہجری' جلد ۳' صفحہ ۳۹۶
بحرالرائق' ابن نجیم' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ہجری' جلد ۵' صفحہ ۲۳۸-۲۳۷
فتح القدیر' ابن ہام' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۵' صفحات ۶۰-۵۸

کہ وہ اپنے فوت ہونے کے بعد وقف کے انتظام میں کسی دوسرے شخص سے مدد لے ۔ جس طرح کہ وصی کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو وصی مقرر کر دے ۔ اور یہ حکم بعض علماء پر بھی پوشیدہ رہا اس لیے ان لوگوں نے یہ جائز نہ سمجھا کہ وصی کسی دوسرے کو وصیت کرے ۔ اگر متولی کسی کو وصیت کیے بغیر فوت ہو گیا تو اب متولی کے تقرر کا حق قاضی (حاکم) کو حاصل ہوگا ۔ اس لیے کہ حاکم کا تقرر ہی اس لیے ہے کہ جو شخص اپنے فرائض کی انجام دہی سے معذور ہو جائے اس کی نگرانی کرے ۔ اب واقف فوت ہو چکا ہے اور جو موقوفہ کا مصرف ہے وہ اپنی ذات کے ذریعہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا متولی مقرر کرنے کا اختیار حاکم (قاضی) کو حاصل ہوگا ۔ جب تک کہ واقف کے خاندان اور اس کی اولاد میں سے کوئی شخص متولی بننے کی صلاحیت رکھنے والا موجود ہو، کسی اجنبی شخص کو متولی مقرر نہ کیا جائے ۔ اگر واقف یہ شرط نہ رکھے تو حاکم کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر وقف کی مصلحت کسی اجنبی کے متولی مقرر کرنے میں مضمر ہے تو اس کو متولی مقرر کر دے ۔ اور واقف کا مقصود یہ تھا کہ تولیت اس کی اولاد اور خاندان میں رہے تا کہ وقف اس کی ذات کی طرف منسوب ہوتا رہے یا اس لیے کہ اس کی اولاد وقف کے حق میں ایک غیر شخص سے زیادہ شفیق ثابت ہوگی، اس لیے اس شرط کا وقف نامے میں ذکر کر دے تا کہ (حاکم وقت) اس شرط کے خلاف نہ کرے ۔ اور واقف کے اقرباء میں کوئی ایسا موجود نہ ہو تو پھر کسی اجنبی کو متولی مقرر کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے بعد جب کبھی بھی کوئی ایسا شخص اس کے خاندان میں پایا جائے کہ وہ تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ تولیت اس کی طرف منتقل کر دی جائے ۔[69]

---

(۶۹) المبسوط، امام سرخسی مطبوعہ، مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۴

مصری قانون :

قانون وقف مجریہ ۱۹۴۶ع مصر، میں وقف کی نگرانی سے متعلق حسب ذیل دفعات بیان کی گئی ہیں :

۴۴- نگران وقف کا کسی غیر کے لیے نگرانی کا اقرار کرنا وقف کے حق میں باطل ہوگا خواہ یہ اقرار کسی فرد کے لیے ہو یا بطور اشتراک چند افراد کے لیے ہو ۔

۴۵- کسی نگران وقف کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ بغیر اجازت محکمہ شرعیہ وقف پر کسی قسم کا قرضہ لے لیکن یہ ان امور کے علاوہ تصور کیا جائے گا جو وقف کے مقررہ امور میں شامل ہے ۔

۴۶- جب محکمہ کسی وقف کو تقسیم کر دے گا یا کوئی حصہ وقف کا کسی شخص کے حق میں بالکل جدا کیا ہوا ہو تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ہر مستحق کو اس کے اپنے حصے کا نگران مقرر کر دیا جائے بشرطے کہ وہ اس کا اہل ہو ۔ اگرچہ یہ واقف کی شرط کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۴۷- جب کہ وقف کسی کار خیر کی جہت پر ہو تو اس کی تولیت اسی شخص کے ذمے ہوگی جس کے لیے واقف نے شرط کر دی ہوگی ۔ اس کے بعد اس شخص کے لیے ہوگی جو واقف کی ذریت یا اس کے اقارب میں سے اس کی صلاحیت رکھتا ہو ۔ اس کے بعد نگرانی کا حق محکمہ اوقاف کو حاصل ہوگا ۔ اس صورت میں جب کہ واقف غیر مسلم نہ ہو ۔ لیکن اگر وقف کا مقصد غیر اسلامی جہت ہے تو اس کی نگرانی کا حق صرف اس شخص کو ہوگا جس کو محکمہ اپنی طرف سے متعین کرے ۔ لیکن محکمہ کو اس امر کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ نگران متولیاں میں ترتیب ان کی صلاحیت کے لحاظ سے ہوگی ۔

۴۸- جب وقف کی تقسیم نہ کی گئی ہو تو ایسی صورت میں محکمہ ایک سے زائد نگران مقرر نہیں کرے گا الا یہ کہ جب کوئی مصلحت اس کے خلاف واقع ہو - اور متولیان کے ایک سے زائد ہونے کی صورت میں محکمہ کا یہ فرض ہوگا کہ ان متولیوں کی اکثریت کو ایسے امور میں تصرف کا حق دے جن میں ان کے اختلاف کا اندیشہ ہو -

تمام حالات میں یہ جائز ہوگا کہ وقف کی تقسیم کی صورت میں ہر نگران وقف کو نگرانی کا مستقلاً حق حاصل ہو -

۴۹- جب تک مشخصین میں سے کوئی ایک شخص متولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو کسی اجنبی کو متولی نہیں بنایا جائے گا - لیکن جب ایسے مشخص جو اپنے استحقاق میں اونچا درجہ رکھتے ہوں، اس امر پر متفق ہو جائیں کہ کسی خاص شخص کو وقف کا نگران مقرر کر دیا جائے تو اس وقت حاکم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کو متولی مقرر کو دے الا یہ کہ حاکم کی مصلحت اس کے خلاف ہو -

اور وظیفہ خوار یا تنخواہ دار مستحق اسی درجے میں سمجھا جائے گا کہ جس درجہ میں مستحق وقف کو سمجھا جائے گا - نگران کی عدم اہلیت یا غائب ہونے کی صورت میں قائم مقام ہو سکے گا -

۵۰- کسی اجنبی کو متولی مقرر کرنے کی صورت میں جب کبھی مشخصین میں ایسا کوئی شخص پایا گیا جو متولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کو متولی مقرر کر دیا جائے -

متولی وقف کو مال وقف میں ایک امین کی حیثیت حاصل ہوگی - مشخصین کی جانب سے وکیل متصور ہوگا - اس کا کوئی قول اوقاف یا مشخصین پر صرف کرنے میں اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک اس کے سلسلے میں دستاویزی ثبوت مہیا نہ کرے - لیکن یہ ان امور کے

علاوہ ہوگا جو عرف و عادت میں ان کے محتاج نہیں ہوتے۔ متولی سے اس کے ان فرائض کے سلسلے میں جو اشیاء وقف اور آمدنی وقف انجام دینے سے متعلق ہوں سوال کیا جا سکے گا اور اگر وہ اپنی تولیت کا معاوضہ بھی پاتا ہو تو پھر معمولی سی کوتاہی پر بھی اس سے سوال کیا جا سکے گا۔

۱۵- جس وقت بھی متولی وقف کو اس کے نگرانی کے تصرفات یا ان حسابات کے جو وقف سے تعلق رکھتے ہوں پیش کرنے کو کہا جائے گا کہ وہ ان کو پیش کرے لیکن وہ ان کو پیش نہ کرے گا، اس میعاد کے اندر جو محکمہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہو یا جن امور کے متعلق محکمہ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ اس امر کے سلسلے میں وہ اختیار کرے، وہ اختیار نہ کیا ہو تو اس وقت یہ جائز ہوگا کہ اس پر جرمانہ کا حکم دیا جائے جس کی مقدار ۵۰ گنی سے زیادہ نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ فعل اس سے بار بار سرزد ہو تو یہ مقدار ۱۰۰ گنی تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ محکمہ کے لیے یہ امر جائز ہوگا کہ وہ متولی کے فریق مقابل کو جو اس کے تصرفات کے دعویٰ میں اس کے مقابل ہے اس جرمانہ کے کل یا جز کو بطور عطیہ کے دے دے۔

اسی طرح محکمہ کے لیے جائز ہوگا کہ وہ متولی کو اس کے مقررہ کل یا بعض معاوضہ سے محروم کر دے۔ اور جب متولی حساب پیش کر دے یا جن امور کا اس کو حکم دیا گیا ہے ان کو نافذ کر دے۔ اور ان کی تاخیر میں کوئی قابل قبول عذر پیش کرے تو محکمہ کو یہ حق ہوگا کہ اس جرمانے کے کل یا اس کا بعض حصہ یا جن حقوق سے اس کو محروم کر دیا گیا ہے اس کا کل یا بعض حصہ معاف کر دے۔

۵۲- محکمہ کے لیے یہ جائز ہوگا کہ جب بھی تقاضائے حالات ہو اور جس وقت بھی ہو متولی کی نگرانی کے دوران یا اس پر وقف کے سلسلے

میں کسی قسم کا دعویٰ کیے جانے کے وقت محکمہ متولی کو معطل کر دے - یا یہ کہ ایسی مصلحت پیش آئے کہ اس کے معزول کرنے میں زیادہ بہتری ہو -

۵۳- متولی وقف کو حوالے کر دینے کے وقت میں یا اس کے تولیتی تصرفات کے دوران محکمہ کو تصرفات کا حق حاصل ہوگا - اور یہ کہ متولی پر مقدمہ کے دوران کسی دوسرے کو وقتی طور پر تا انتہائے مقدمہ متولی مقرر کر دے -

مصری قانون کی بنیاد :

رائج الوقت مصری قانون کی مندرجہ بالا دفعات میں دفعہ ۴۳ کے بعض احکام حنبلی فقہ سے اخذ کیے گئے ہیں جبکہ دفعات ۴۵ تا ۴۹ متاخرین حنفی فقہاء کے اقوال پر ہیں - البتہ دفعات ۵۰ تا ۵۳ جزوی طور پر اقوال سلف پر مبنی ہیں لیکن زیادہ تر اجتہادی نوعیت کی حامل ہیں -

اهلیت متولی

۱۹۴- وقف کی تولیت کا ایسا شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) مستحق ہوگا جو عاقل و بالغ ہو، فسق و فجور کے ساتھ معروف نہ ہو، امین ہو اور انتظامی قدرت رکھنے والا ہو خواہ بذات خود یا بتوسط نائب -

تشریح

ہر شخص، مرد یا عورت، خواہ کسی مذہب کا پیرو ہو، متولی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور فاترالعقل نہ ہو چنانچہ تولیت کے لیے مسلمان یا آزاد ہونا شرط نہیں ہے غلام یا ذمی کافر بھی متولی ہو سکتا ہے -[۷۰]

متولی اگر فسق و فجور میں مبتلا ہو تو معزول کیا جا سکتا ہے لیکن

(۷۰) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲

وہ بغیر معزول کیے خود بخود معزول نہ ہوگا ۔[۷۱]

اگر کوئی متولی نابالغ یا پاگل ہو تو اس کا تقرر من ابتداء باطل ہوگا ۔ اگر حق تولیت بذریعہ وراثت کسی نابالغ کو پہنچ گیا ہو تو عدالت اس کی نابالغی کے زمانے میں وقف کے انتظام و انصرام کے لیے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے گی ۔[۷۲]

متولی کی معزولی اور تقرر جدید

۱۹۵ ۔ اگر کوئی متولی فرائض تولیت انجام دینے کا اہل نہ ہو تو عدالت معقول وجوہ کی بناء پر موجودہ متولی کو علیحدہ کرنے کی مجاز ہوگی ۔ لیکن متولی مقرر کرتے وقت عدالت حتی الامکان واقف کی منشاء کا لحاظ رکھے گی اور جہاں تک ممکن ہوگا واقف کے اہل خاندان میں سے کسی موزوں شخص کو متولی مقرر کرے گی ۔

تشریح

اگر واقف اپنی ذات کے لیے تولیت مختص کرلے اور ساتھ ہی یہ بھی شرط کرے کہ حاکم وقت یا عدالت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ واقف کو تولیت سے معزول کرے تو واقف کے امین نہ ہونے کی صورت میں اس کی یہ شرط قابل پابندی نہ ہوگی اور عدالت کو اس کے معزول کر دینے کا حق حاصل ہوگا ۔ اس طرح عدالت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ جس شخص کو واقف نے وقف کا متولی مقرر کیا ہو لیکن اس متولی کے برخلاف دوسرا شخص وقف کے حق میں بہتر ہو تو واقف کے مقرر کردہ کو معزول کر دے ۔ اگر واقف یہ شرط کرے کہ فلاں شخص اس وقف کا متولی ہوگا اور مجھے یہ حق نہ ہوگا کہ میں اسے تولیت سے علیحدہ کر سکوں تو یہ

---

(۷۱) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ھجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۴۴
ردالمحتار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۵۵۶ ھجری ، جلد۳ ، صفحہ ۳۹۷

(۷۲) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مجیدی کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۲

شرط باطل ہوگی ۔[۷۳] امام محمد کے نزدیک واقف متولی کو مقرر کر دینے کے بعد اس کو علیحدہ کر دینے کا مجاز نہ ہوگا تاوقتیکہ وقف نامے میں اس نے یہ اختیار محفوظ نہ کر لیا ہو ۔ امام ابو یوسف کے نزدیک واقف جب چاہے علیحدہ کر سکتا ہے لیکن فتوی امام محمد کے قول پر ہے ۔

متولی واقف یا عدالت کی اجازت کے بغیر تولیت نہیں چھوڑ سکتا ۔ جب تک واقف کے خاندان میں سے کوئی ایسا شخص پایا جائے جو وقف کا متولی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو وقف کا متولی مقرر کرے ۔ اگر واقف کے خاندان میں کوئی شخص تولیت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اس وجہ سے کسی غیر کو وقف کا متولی بنایا گیا ہو لیکن کچھ عرصے کے بعد واقف کے خاندان میں مناسب شخص پایا جائے تو اس اجنبی کو معزول کرکے اس فرد کا متولی بنانا درست ہوگا ۔[۷۴]

متولی کے تقرر میں سب سے پہلا حق خود واقف کا ہے نہ کہ حاکم یا عدالت کا ۔ واقف کے بعد متولی کے تقرر کا حق اس شخص کو حاصل ہے جس کے متعلق واقف نے وصیت کی ہو ۔ اگر واقف کے مقرر کیے ہوئے متولی کا واقف کی موت کے بعد انتقال ہو جائے اور واقف کا وصی بھی موجود نہ ہو تو متولی مقرر کرنے کا حق عدالت کو حاصل ہوگا ۔[۷۵]

---

(۷۳) فتادی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی ، کان پور ، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲
ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۹۹-۳٦۷
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحات ٦۵-۲۳۱

(۷۴) فتاوی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی ، کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۳
درالمختار برحاشیہ ردالمحتار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵٦ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۲۳

(۷۵) درالمختار و ردالمحتار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصری ، ۱۳۵٦ ہجر ، جلد ۳، صفحہ ۲۳-۴۲۲
فتاوی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی ، کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۳
بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۳٦

اگر کسی وقف کا متولی موجود ہو تو اس کے موجود ہوتے ہوئے عدالت کو وقف میں تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا الا یہ کہ متولی تصرف سے انکار کر دے۔[۷۶]

اگر واقف فاسق ہو جائے تو معزولی کا مستحق ہو جائے گا لیکن بغیر حاکم کے معزول کیے خود بخود معزول نہ ہوگا۔

اگر واقف نے کسی شخص کو متولی مقرر کیا ہو اور قاضی وقف کے حق میں اس کا معزول کرنا بہتر خیال کرتا ہو تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے معزول کر دے۔[۷۷]

واقف نے جس شخص کو اپنی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں تولیت سپرد کی ہو وہ شخص واقف کی زندگی میں اس کا وکیل اور موت کے بعد اس کا وصی تصور کیا جائے گا۔ اگر واقف اسی صورت میں توکیل کا لفظ استعمال کرے تب بھی وہی حکم ہوگا۔ البتہ اگر یہ کہا کہ میں نے تم کو اپنی زندگی تک اس وقف کا متولی مقرر کیا تو یہ تولیت واقف کی زندگی تک محدود ہوگی وہ شخص وفات کے بعد متولی نہ رہے گا۔ اگر واقف نے ابھی کسی شخص کو متولی و قیم نہ مقرر کیا ہو حتیٰ کہ حاکم وقت نے قیم مقرر کرکے اس کی تولیت کا حکم جاری کیا تو اب واقف کو اس متولی کو معزول کرکے خود متولی ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر واقف اپنی موت و حیات دونوں میں اپنے وقف کا کسی کو متولی مقرر کرے پھر وفات کے وقت کسی دوسرے شخص کو وصیت کی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ وصی متولی وقف کے تصرفات میں شریک متصور ہوگا اور واقف کا اپنے وقف کے لیے دو افراد کو متولی

---

(۷۶) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲

(۷۷) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲

بنانا سمجھا جائے گا ۔۷۸

جائداد موقوفہ کی منتقلی وغیرہ

۱۹۶ ۔ (۱) بلا ہدایت صریح یا بلا اجازت عدالت جائداد کا متولی جائداد موقوفہ کو فروخت ، رہن تبادلہ یا کسی دیگر طریقے سے منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا بجز اس کے کہ وہ وقف نامے کے ذریعہ بصراحت اس کا مجاز کیا گیا ہو ۔

(۲) اگر جائداد موقوفہ سکنی ہو تو وقف نامے میں کسی برعکس ہدایت کی غیر موجودگی میں متولی اس کو زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لیے کرایہ پر اور اگر زرعی ہو تو تین سال کے لیے لگان پر دینے کا مجاز ہے ۔ اس سے زیادہ عرصے کے لیے عدالت کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگی ۔

جائداد موقوفہ ماسواء حسب ذیل صورتوں کے منتقل نہیں ہوسکتی :

(۱) جب کہ جائداد موقوفہ یا اس کے کسی جز کو رہن ، فروخت یا تبادلے کا حق وقف نامے میں موجود ہو ۔

(۲) جب کہ عدالت مجاز نے جائداد موقوفہ کو رہن ، فروخت یا تبادلہ کرنے کی اجازت دے دی ہو ، جو معقول عذر کی بنا پر مقاصد وقف کے حصول کا بہتر ذریعہ ہو ۔

(۳) جب کہ جائداد موقوفہ کے زرعی ہونے کی صورت میں تین سال اور غیر زرعی ہونے کی صورت میں ایک سال کے لیے پٹے پر اٹھائی گئی ہو ، الا یہ کہ وقف نامے میں مذکورہ بالا مدت سے زائد کے لیے پٹے پر اٹھا دینے کا اختیار متولی کو صراحتا دیا گیا ہو ۔ عدالت معقول وجوہ کی بناء پر مذکورہ بالا مدت سے زائد عرصے کے لیے متولی کو جائداد موقوفہ پٹے پر اٹھانے

(۷۸) فتاوی عالمگیری ، (عربی) ، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳-۳۳۲

کے لیے اجازت دے سکتی ہے خواہ واقف نے مذکورہ بالا مدت سے زائد مدت کے لیے جائداد موقوفہ کو پٹے پر اٹھانے کی بصراحت ممانعت ہی کیوں نہ کر دی ہو۔

جائداد موقوفہ میں کمی ، بیشی یا تبادلہ وغیرہ سے متعلق شرائط :

اگر اصل وقف میں واقف یہ شرط کرے کہ مجھے اختیار ہوگا کہ موقوفہ ہذا کو جب چاہوں فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید کروں اور وہ اس کی جگہ موقوفہ ہوگی تو یہ شرط صحیح ہوگی لیکن واقف کو ایک مرتبہ تبدیلی کے بعد دوبارہ تبدیلی کا حق نہ ہوگا مگر یہ کہ ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے بار بار تبدیلی کا اظہار ہوتا ہو۔[۷۹]

واقف نے استبدال کی شرط رکھی لیکن مبدل (جس جائداد کے واسطے تبادلہ کرنا ہے) کے بارے میں یہ تفصیل نہ بیان کی کہ وہ زمین ہوگی یا مکان یا فلاں فلاں تو اس صورت میں موقوفہ اول کو فروخت کے بعد اس موقوفہ کے ہم جنس سے تبدیلی کا حق رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی شہر یا قریہ کی وضاحت نہ کی ہو تو ہر مقام پر خریدنے کا حق حاصل ہوگا۔[۸۰]

---

(۷۹) فتاوی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی، کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۰
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۵ ،صفحات ۲۳۹-۲۴۰
ردالمحتار و درالمختار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۹۹
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ھجری) ، صفحہ ۱۵۴
فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۵ ، صفحہ ۵۸
(۸۰) فتاوی عالمگیری ، (عربی) ، مطبع مجیدی ، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰
ردالمحتار و درالمختار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۳ ، صفحہ ۳۹۹
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ھجری) ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۱۵۴
فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ھجری ، جلد۵ ، صفحہ ۵۹

اگر یہ شرط کی کہ موقوفہ کے بالعوض زمین خریدے گا یا مکان خریدے گا تو صرف اس کے مطابق ہی حق ہوگا ۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ مبدل بصرے میں خرید کرے گا تو یہ اختیار بصرے ہی کے ساتھ مقید ہوگا لیکن اگر بصرے سے زیادہ بہتر اور منفعت کے لحاظ سے زیادہ مفید کسی دوسرے مقام کی زمین ہے تو اچھا یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہو ۔[81]

قنیہ میں ہے کہ مکان موقوف کی تبدیلی اس شکل میں درست ہے جب کہ مستبدل مکان اسی محلے میں ہو جس میں موقوف مکان ہے یا ایسے محلے میں ہو کہ جو موقوف مکان سے کسی بہتری کی صورت رکھتا ہو ۔ اس کے برخلاف درست نہ ہوگا ۔[82]

اگر واقف نے یہ شرط کی کہ مجھے استبدال کا حق ہوگا پھر اس کے لیے وکیل مقرر کیا تو جائز ہوگا ۔ لیکن اگر کسی کو اس استبدال کی وصیت کی تو واقف کے مرنے کے بعد وصی کو استبدال کا حق نہ ہوگا ۔ اگر یہ شرط کی کہ واقف کسی دوسرے کے ہم راہ مل کر استبدال کرے گا تو وہ دوسرا انفرادی طور پر تبادلہ نہ کر سکے گا البتہ خود واقف انفرادی طور پر بھی کر سکے گا اور اگر یہ شرط رکھی کہ جو شخص اس وقف کا متولی ہوگا اس کو استبدال کا حق حاصل ہوگا تو یہ شرط صحیح ہوگی اور ہر متولی کو استبدال کا حق حاصل ہوگا ۔ لیکن اگر واقف نے اس طرح کہا ہو کہ فلاں کو ولایت استبدال حاصل ہوگی ۔ اب اگر واقف کا انتقال ہو جائے تو اس فلاں کو بعد انتقال واقف استبدال

(۸۱) فتاوی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی، کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳ .
بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۴۰ .
ردالمحتار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ہجری ،جلد ۳ ، صفحہ ۳۹۹
فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۵۹
(۸۲) فتاوی عالمگیری ، (عربی)، مطبع مجیدی کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳ .
بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۴۱

کا حق نہ ہوگا ۔ الا یہ کہ واقف یہ کہہ دے کہ میری زندگی اور وفات کے بعد دونوں حالتوں میں ۔[۸۳]

متولی وقف کو جب تک کہ واقف اس کے حق میں استبدال کی شرط نہ رکھے استبدال کا حق حاصل نہ ہوگا لیکن اگر قیم (متولی) کے لیے شرط رکھے اور اپنے لیے کچھ نہ کہے تو خود واقف کو حق حاصل ہوگا ۔[۸۴]

جب کہ وقف و استبدال وقف بعد بیع دونوں صحیح قرار پائے اب اگر موقوفہ کو اتنی کمی کے ساتھ فروخت کیا جو تاجرانہ نقطۂ نظر سے معروف ہے تو بیع درست ہوگی ۔ لیکن اگر قیمت میں اتنی کمی کر دی کہ اس حد کی کمی ناقابل تقسیم و ناقابل برداشت ہے تو بیع صحیح نہ ہوگی نیز یہ کہ دراہم و دنانیر (زر نقد) ہی بالعوض فروختگی درست ہوگی اشیاء کا تبادلہ بطور قیمت کے مفتی بہ قول پر درست نہ ہوگا ۔[۸۵]

اگر یہ شرط رکھی کہ موقوفہ کو فروخت کرکے اس سے افضل کو وقف کرے گا تو حاکم کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر حاکم مناسب اور صحیح سمجھے گا تو اجازت دے گا ورنہ نہیں ۔

---

(۸۳) فتاوی عالمگیری(عربی) ، مطبع مجیدی، کان پور ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۰
بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۰
ردالمحتار، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۰۰
فتح القدیر، ابن ہام ،مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۵۹

(۸۴) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی ، کان پور، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۰
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵ ، صفحہ ۲۴۰
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری) ، صفحہ ۲۴

(۸۵) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳۰
بحرالرائق، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۴۰
ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد۳، صفحات ۴۱۰-۴۱۱
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۲ ہجری ، صفحہ ۱۵۴
فتح القدیر، ابن ہام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۵ صفحہ ۵۹

اگر واقف اپنے لیے یہ شرط رکھے کہ مجھے یہ حق ہوگا کہ میں مقررہ وظائف میں کمی یا بیشی کروں یا کسی کو موقوف علیہ ہونے سے خارج یا کسی کو موقوف علیہ میں داخل کروں یا بدل دوں تو اس کی یہ شرط صحیح ہوگی مگر متولی کو یہ حق جب حاصل ہوگا کہ واقف اس کے حق میں بھی اس شرط کی تصریح کر دے۔[۸۶] امام خصاف نے احکام الاوقاف میں لکھا ہے کہ مذکورہ عبارت کے ساتھ شرط لگانے سے واقف کو صرف ایک ہی مرتبہ تغیر، کمی، بیشی، استخراج و استبدال وغیرہ کا حق ہوگا اس کے بعد نہیں۔ مگر جب کہ وہ اپنی زندگی میں بار بار آخر زندگی تک ایسا کرنا چاہتا ہو تو پھر ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے آخر حیات تک بار بار ایسا کرنا سمجھ میں آتا ہو، اسی طرح کسی دوسرے کے حق میں بھی ایسا ہی کر سکتا ہے۔[۸۷]

واقف کا تولیت کے لیے اپنی زندگی تک اپنے لیے اور اپنے بعد متولی کے لیے شرط لگانا درست ہوگا لیکن اگر اس طرح شرط کی کہ متولی کو میری حیات میں مذکورہ امور کا اختیار ہے تو ایسی صورت میں واقف کی موت کے بعد متولی کو ان میں تبدیلی کا حق نہ ہوگا۔[۸۸]

---

(۸۶) فتاویٰ عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰۔
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحات ۲۴۱-۴۲
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ ہجری
صفحہ ۲۳

(۸۷) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰۔
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۲
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ ہجری،
صفحہ ۲۳ و ۲۵

(۸۸) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲ صفحہ ۳۳۰۔
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۴
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ ہجری،
صفحہ ۲۵

مذکورہ متولی کو مذکورہ صورتوں میں کسی دوسرے شخص کو یہ حق عطا کرنے کا یا ان امور کی وصیت کا حق حاصل نہ ہوگا ۔ [۸۹]

اگر یہ شرط کی کہ میری یہ زمین خدا کے لیے وقف ہے، ہمیشہ کے لیے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی آمدنی (پیداوار) میں جہاں چاہوں صرف کروں تو وقف و شرط صحیح ہوگی اور واقف کو حق ہوگا کہ وہ جہاں چاہے صرف کرے پس اگر اول مرتبہ اس نے مساکین یا حج یا کسی معین انسان پر اس کی آمدنی کو صرف کیا تو اس کے بعد پھر کسی دوسرے محل پر صرف کرنا درست نہ ہوگا، اسی طرح یہ کہا کہ میں نے فلاں پر وقف کیا یا فلاں کو دیا، لیکن اگر اپنی ذات پر صرف کیا تو مشہور فقیہہ ہلال کے بقول وقف باطل ہو جائے گا ۔ اسی طرح اگر اپنی شرط ان الفاظ سے اپنی اولاد کے لیے رکھی تو بھی جائز ہوگا ۔ خود واقف اس آمدنی سے کچھ اپنی ذات پر صرف نہ کر سکے گا [۹۰]۔

متذکرہ بالا صورت میں اگر صرف کرنے سے قبل متولی کا انتقال ہوگیا تو آمدنی فقراء پر تقسیم کی جایا کرے گی ۔ [۹۱]

ایک شخص نے اپنی زمین اس شرط کے ساتھ وقف کی کہ اس زمین کا متولی جس شخص کو چاہے اس کی آمدنی دے تو متولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کی آمدنی فقراء یا اغنیاء جن پر چاہے صرف کرے ۔ اور اگر مرض

---

(۸۹) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۴
فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۵، صفحہ ۵۹

(۹۰) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۱
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۲
احکام الوقف ہلال ابن یحیی الرائی (متوفی ۲۴۵ ھجری)، مطبوعہ، مصر
صفحات ۲۹۱، ۲۹۸ اور ۳۰۰

(۹۱) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۱

کی حالت میں وقف کرتے ہوئے یہ کہا کہ فلاں شخص کو یہ حق ہوگا کہ موقوفہ کی آمدنی جس شخص پر چاہے صرف کرے اور وصی نے میت (واقف) کی اولاد پر صرف کیا تو وصی کا یہ فعل درست نہ ہوگا یہ شرط باطل ہوگی اور وقف فقراء کے حق میں متصور ہوگا [۹۲]۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ موقوف علیہ جب تک فلاں مذہب پر ہے اس کو وقف سے دیا جائے اور اگر وہ اس مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرے تو مصرف سے خارج تصور کیا جائے تو یہ شرط قابل عمل ہوگی مثلاً کہے کہ جب تک موقوف علیہ اہل سنت کے طریقے پر ہے داخل مصرف ہوگا اور اگر رافضی یا خارجی مذہب یا کسی دیگر مذہب کی طرف منتقل ہوا تو مصرف سے خارج کیا جائے [۹۳]۔

اگر واقف نے یہ شرط کی جن قرابت داروں پر میں نے وقف کیا ہے ان میں جو بھی بغداد جا کر (یعنی کسی دوسرے مقام پر اقامت کرے) وہ مصرف سے خارج ہوگا یہ شرط معتبر اور صحیح ہوگی لیکن جب موقوف علیہ پھر واقف کے شہر میں واپس آ کر اقامت کرے گا مصرف میں داخل ہو جائے گا [۹۴]۔

اگر واقف نے شرط کی کہ متولی موقوفہ کو اجارے پر نہ دے سکے گا۔ اگر اس کے بعد متولی نے ایسا کیا تو اجارہ باطل ہوگا اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ زمین میں جو درخت پھل دار ہیں ان میں معاملت نہ کرے گا یا شرط کی کہ اگر متولی موقوفہ کو اجارے پر دے تو تولیت سے خارج ہوگا تو ان صورتوں میں شرط کے خلاف کرنے پر متولی تولیت سے خارج کیا

(۹۲) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۱
(۹۳) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲
(۹۴) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲

جائے گا ۔ حاکم کو یہ حق ہوگا کہ کسی دوسرے امین شخص کو متولی مقرر کر دے ۔ اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ اہل وقف میں سے جو شخص ایسا کوئی عمل کرے جس سے وقف کا ابطال ہوتا ہو تو وہ وقف سے خارج ہوگا تو یہ شرط معتبر ہوگی اور ایسا عمل کرنے پر موقوف علیہم سے خارج متصور ہوگا ۔ اگر بعض موقوف علیہم کہیں کہ اس نے اپنے عمل سے ابطال وقف پیش نظر رکھا تھا اور بعض کہیں کہ نہیں تو حاکم اس پر غور کرے گا اگر واقعی صحت وقف مقصود تھا تو یہ لوگ مصرف میں داخل رہیں گے ورنہ حاکم ان کو وقف سے خارج کر دے گا ۔[۹۵]

واقف نے پہلے یہ شرط رکھی کہ جائداد موقوفہ فروخت نہ کی جائے پھر یہ کہا یا لکھا کہ میرے لیے اس کے استبدال کا حق ہوگا تو اس کو استبدال کا حق حاصل ہوگا اسی طرح اگر اولاً یہ کہا کہ استبدال کا حق ہوگا اور بعد یہ کہ نہیں ہوگا تو بعد والی شرط معتبر ہوگی اور پہلی شرط کے لیے ناسخ تصور کی جائے گی ۔[۹۶]

اگر واقف بوقت وقف یہ شرط کرے کہ مجھے تین یوم کا اختیار ہے یعنی خیار شرط رکھے تو امام ابویوسف کے ایک قول میں وقف و شرط دونوں صحیح ہوں گے اور دوسرے قول میں وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی ۔ امام محمد کے نزدیک وقف و شرط دونوں باطل ہوں گے ۔[۹۷]

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ جب کوئی

---

(۹۵) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ ہجری، صفحہ ۲۷۰

(۹۶) بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۲
احکام الاوقاف للخصاف (متوفی ۲۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ ہجری صفحہ ۲۳۲

(۹۷) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۵۹

واقف وقف میں یہ شرط کرے کہ اس موقوفہ زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کیا جا سکے گا اور وہ جب چاہے گا ایسا کرے گا، تو امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز ہوگا ۔ اور امام محمد کے نزدیک اور مشائخ بصرہ کے قول کے مطابق وقف جائز ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شرط سے وقف کا زوال لازم نہیں آتا اور ابدیت کے معنی وقف سے زائل نہیں ہوتے لہذا وقف تمام ہو جائےگا اور تبدیلی کی شرط فاسد شرطوں میں شمار ہوگی اور باطل قرار پائےگی ۔[۹۸]

مصری قانون :

قانون تنظیم اوقاف مجریہ، ۱۹۴۶ع مصر کے تحت موقوفہ جائداد کی تبدیلی اور تعمیر وغیرہ سے متعلق جو قانون رائج ہے اس کی متعلقہ دفعات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

۱۴- ذی عزت اصحاب کے مطالبہ پر محکمہ (شرعیہ) ان اموال سے جو محکمہ کے خزانے میں وقف کے مبادلے سے جمع ہوگا جائداد خرید کرے گا جو اصل موقوفہ کے قائم مقام ہوگی، اور اس کو یہ بھی حق ہوگا کہ جدید آمدنی کے ذرائع میں اس مالیہ کو صرف کرنے کی اجازت دے ۔ اور یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ تبادلہ شدہ مال کو کسی ایسے مصرف میں لائے یا اس کی اجازت دے جو اس مال میں اضافہ کا ذریعہ ہو سکے خواہ وہ کوئی بھی ایسا ذریعہ ہو جو شرعاً جائز ہو ۔

جس طرح اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی وقف کی تعمیر میں صرف کرنے کی اجازت دے اور پھر اس وقف سے اس کو واپس نہ لینے کی اور جب یہ اموال ایسے ہوئے کہ نہ تو ان سے کسی قسم کے اضافہ کی امید ہوتی اور نہ تعمیر میں صرف کرنے کی ضرورت پیش آتی تو یہ اموال

---

(۹۸) المبسوط، امام سرخسی، مطبعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۱۲، صفحہ ۴۲

ایک آمد کی طرح تصور کیے جائیں گے اور ان کو ان کے مصرف پر صرف کیا جائے گا ۔

۱۵- لیکن اگر صاحبان حق کی طرف سے سابقہ دفعہ کے تحت کوئی مطالبہ کیا گیا، ایسے اموال کے متعلق جو کسی وقف کے مبادلہ میں حاصل شدہ تھے اور محاکم شرعیہ کے خزانے میں جمع تھے، اور اس پر نفاذ قانون ھذا سے ایک سال مدت گزر گئی تو اب محکمہ تصرفات حکومت مصر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وزیر عدل کے مطالبے پر وہ ان اموال سے منقول یا غیر منقول جائداد کو خرید لے یا اس کے خریدنے کی اجازت دے دے۔ اس پر دفعہ (۷) کے فقرہ نمبر ۳ اور ۴ کی رو سے عمل کیا جائے گا ۔

اور یہ کہ جو کچھ بھی خریدا جائے گا یا بنایا جائے گا دیگر اوقاف کی طرح ان میں شامل مانا جائے گا اور استحقاق لحاظ سے ان میں بھی وھی استحقاقات پیدا ہوں گے جو اس قسم کے دیگر اوقاف میں ہوں گے ۔

اور محکمہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان کی نگرانی کے لیے نگران و مہتمم مقرر کرے تاکہ وہ ان کی آمدنی پر نظر رکھیں اور اس کی وصولی و حفاظت کا کام انجام دیں ۔

۸ - جب اشیاء وقف میں سے کل یا بعض حصہ خراب یا ضائع ہو جائے اور حالت یہ ہو کہ نہ تو اس کی تعمیر ممکن ہو اور نہ تبدیلی ممکن ہو جو کہ مستحقین وقف کے حصص کے مطابق ان کے حق میں مفید ہو سکے اور مستحقین کا اس وقف کی آمدنی سے کچھ عرصہ کے لیے محروم ہو جانا ان کے حق میں کچھ زیادہ مضر بھی نہ ثابت ہوتا ہو ۔ تو اب وقف کو ختم تصور کیا جائے گا ، بالکل اسی طرح جس طرح کہ کسی خاص مستحق کے حصۂ آمدنی سے ختم ہونے کے موقعہ پر اس حصہ میں منتہی سمجھا جاتا ہے ۔ اور یہ اختتام محکمہ کی قرار داد حسب مطالبہ مستحقین وقف یا ذی وقار

اشخاص کے قرار پائے گا۔ اور جتنے حصہ میں وقف باطل کیا گیا ہوگا وہ واقف کی ملکیت قرار پائے گا اگر وہ زندہ ہو۔ ورنہ محکمہ کے حکم سے جو مستحقین وقف موجود ہوں گے ان کی ملکیت ہوگا۔

۵۴۔ نگران وقف ہر سال ۲۵ فی صد کے حساب سے وقف کی آمدنی سے وقف کی تعمیر کے لیے محفوظ رکھ کر مابقی آمدنی محکمہ کے خزانے میں داخل کر دیا کرے گا۔ اور تعمیر کے وقت تک اس کو یہ اجازت ہوگی اس پس ماندہ سے کسی آمدنی کا ذریعہ اختیار کرے لیکن صرف تعمیر اور محفوظ رقم کا خرچ کرنا بغیر محکمہ کی اجازت کے جائز نہ ہوگا۔

لیکن زرعی اراضی کی خالص آمدنی سے ناظر کے لیے کسی حصہ کا پس ماندہ صرف کرنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ حاکم وقت اس کے لیے محفوظ صرف کرنے کی اجازت نہ دے دے۔ جو اس زمین کی اصلاح یا اضافہ یا تجدید حدود یا آلات زراعت کے سہیا کرنے میں صرف ہوگی، یا ان بنیادوں پر صرف کی جائے گی جو وقف میں مشروط ہوں گی جب کہ معززین قوم ان کا مطالبہ کریں۔

اور ناظر بلکہ مستحقین میں سے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جب مصلحت سمجھے اس آمدنی کی رقم کو پس انداز کرنے کی ضرورت کو یا اس رقم کی مقدار میں اصلاح کو محکمہ میں اس لیے پیش کرے کہ محکمہ اس مصلحت کے تحت ان کی منشاء کے مطابق پس اندازی کا طریقہ منسوخ یا پیش کردہ تعدیل رقم کا تقرر کرے۔

یہ احکام اس وقت قابل عمل ہوں گے جب کہ واقف نے اس کے مخالف کوئی شرط نہ لگائی ہو۔

۵۵۔ دفعۂ سابقہ کی متابعت کرتے ہوئے جب کہ وقف کی ذات کلی یا جزوی طور پر تعمیر کی مقتضی ہو اور اس تعمیر پر سال کی ۱/۵ آمدنی

سے زائد صرف ہوتا ہو اور مستحقین وقف اپنے حقوق پر تعمیر کو ترجیح دینے پر راضی نہ ہوں ، خواہ واقف نے تعمیر وقف کی شرط مقدم کرنے کی وضاحت کی ہو یا نہ کی ہو، تو متولی وقف پر لازم ہوگا کہ وہ اس معاملے کو محکمہ شرعیہ میں پیش کرے تاکہ محکمہ مستحقین کے اقوال کو ناقابل سماعت قرار دے کر یہ طے کر سکے کہ آمدنی کا ایک حصہ اس کی تعمیر پر صرف کیا جائے۔ یا اتنا حصہ محفوظ رکھا جائے جو بوقت ضرورت تعمیر کے کام میں لایا جا سکے ، یا اس سے احتیاطی طور پر وہ امور انجام دیے جا سکیں جو سابقہ دفعہ میں ذکر کیے گئے ہیں ۔ اور ان ہی احکام کے تابع وہ صورت بھی ہے جب کہ واقف کی شرط کے مطابق وقف کی زیادتی کے لیے وقف میں کوئی اضافہ کیا جاتا ہو ۔

اور دفعہ ۱۸ کے احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے محکمہ کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ بعض اشیاء وقف کو تعمیر وقف کے لیے فروخت کر دے اور پھر اس کی آمدنی سے اس صرف کو واپس لینے کا کوئی سوال نہ پیدا ہو سکے، جب بھی مصلحت کا یہ تقاضا ہو ۔[99]

مصری قانون کی بنیاد :

مندرجہ بالا دفعات میں دفعات ۱۴ اور ۱۵ میں تبادلے کے ذریعے آمدنی کا حصول حنفی مذہب کی بنیاد پر قائم ہے لیکن ان دفعات کے بعض اجزاء مصالح عامہ پر مبنی ہیں البتہ دفعہ ۱۸ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہ سے ماخوذ ہے جب کہ دفعات ۵۴ اور ۵۵ مالکی فقہ سے ماخوذ ہیں ۔

جانشین مقرر کرنے کا اختیار

۱۹۷۔ وقف نامہ میں کسی برعکس ہدایت کی عدم موجودگی میں ہر ایک متولی بحالت مرض الموت اپنا جانشین نامزد کرنے کا مجاز متصور کیا جائے گا مگر لازم ہے کہ کوئی متولی بحالت صحت اپنی زندگی میں عہدۂ تولیت کسی دوسرے کو منتقل کرنے کا مجاز نہیں ۔

---

(۹۹) قانون رقم ۴۸ - سنة ۱۹۴۶ء

تشریح

یعنی اگر وقف نامہ میں واقف کو متولی مقرر کرنے کے اختیارات کی کوئی وضاحت موجود نہ ہو تو ایسا متولی اپنی صحت کی حالت میں کسی دوسرے شخص کو مستقل متولی مقرر کرنے کا حق نہیں رکھتا ۔ البتہ کسی دوسرے شخص سے اپنی زندگی میں بطور وکالت کے کام لے سکتا ہے چنانچہ متولی وقف کے وکیل مقرر کرنے میں مرض موت کی شرط نہیں ہے ۔ اور صحت کی حالت میں متولی کو اپنے انتظامی امور میں کسی دوسرے شخص کو وکیل بنانا جائز ہوگا ۔ اور یہ بھی جائز ہوگا کہ متولی اپنی تولیت کے معاوضہ میں سے کچھ حصہ اپنے مقرر کردہ وکیل کو وکالت کے فرائض انجام دینے کے عوض مقرر کر دے اور یہ بھی جائز ہوگا کہ ایک وکیل کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کو وکیل مقرر کر دے، لیکن یہ وکیل متولی کی موت پر یا دیوانگی پر معزول ہو جائے گا اور اب متولی مقرر کرنے کا اختیار حاکم کو ہوگا ۔۱۰۰

قرضہ کا اختیار

۱۹۸۔ تاوقتیکہ وقف نامہ میں صریح اجازت موجود نہ ہو، کوئی متولی کسی ضرورت کے لیے بھی وقف کے متعلق بغیر اجازت عدالت قرضہ لینے کا مجاز نہیں لیکن اگر اشد ضرورت کی وجہ سے قرضہ لے لیا ہو تو ضرورت ثابت ہونے پر عدالت قرضہ جائز ہونے کے متعلق بعد میں بھی منظوری دینے کی مجاز ہوگی ۔

تشریح

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ وقف کے باب میں جس قرض کے لینے کی متولی کو اجازت نہیں دی گئی ہے اس کو فقہاء نے عربی میں "استدانہ"

(۱۰۰) ردالمحتار، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۵۱
فتح القدیر، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۶۹

کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وقف کی آمدنی میں سے جب متولی کے پاس کچھ موجود نہ ہو اور کسی دوسرے شخص سے لیکر ایک معینہ مدت کے وعدے پر صرف کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس حالت میں حاکم سے اجازت کے بغیر لینا جائز نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ متولی کے پاس وقف کی آمدنی موجود ہے۔ اس کے باوجود کسی عذر کی بنا پر اپنی ذاتی رقم سے صرف کر دیتا ہے، اس خیال کے تحت کہ بعد میں وقف کی آمدنی سے یہ رقم وصول کر لے گا۔ اس صورت میں حاکم کی اجازت لینا ضروری نہیں بلکہ اپنی ذات سے صرف کرنے کے بعد وقف کی آمدنی سے اپنی مطلوبہ رقم وصول کر سکتا ہے۔ بعض فقہاء نے اس موقعہ پر یہ شرط رکھی ہے کہ اگر متوفی نے اپنی ذاتی رقم بطور قرض کے صرف کرنے کا اظہار کیا تھا تو اس کو وقف کی آمدنی سے واپس لینے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کا اظہار نہ کیا تو واپس لینے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر حالت میں واپس لینے کا حق حاصل ہوگا۔[101]

معاوضۂ متولی

۱۹۹۔ (۱) واقف کے لیے جائز ہے کہ وہ متولی اور اس کے جانشینوں کو مقررہ معاوضہ لینے کا مجاز کر دے۔

(۲) لیکن اگر متولی کے لیے وقف نامہ میں کوئی معاوضہ مقرر کیا گیا ہو تو بجز پہلے متولی کے اور کوئی متولی ما بعد بلا حکم عدالت اس کی وصول یابی کا مستحق نہ ہوگا بشرطیکہ وقف نامہ کی عبارت سے واقف کا منشاء اس کے خلاف نہ ظاہر ہوتا ہو۔

---

(۱۰۱) ردالمحتار، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۸ هجری، جلد ۳، صفحہ ۳۶۰
درالمنتقی بر حاشیہ مجمع الابہر، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ هجری، جلد ۱، صفحہ ۷۳۹
فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۳۳۷

(۳) جس مقررہ معاوضہ کے لینے کا واقف نے بذریعہ وقف نامہ متولی کو مجاز کر دیا ہو وہ اسی قدر وقف کی آمدنی سے وصول کرنے کا مستحق ہوگا لیکن اس وصول یابی کی وجہ سے اس کو جائداد موقوفہ میں ایسا حق حاصل نہ ہوگا کہ جائداد موقوفہ اس کے خلاف کسی ڈگری میں قرق یا نیلام کرائی جا سکے۔

(۴) اگر وقف نامے میں کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو متولی کی درخواست پر عدالت اس کو مقرر کرکے وصول کرنے کا مجاز کر سکتی ہے۔

تشریح

جس متولی کے لیے اس کی خدمات کا معاوضہ مقرر کیا گیا ہو اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کے بعد وہ عملاً و قولاً کسی طرح وقف کے مصالح کی انجام دھی نہ کر سکے تو اس کا مقررہ معاوضہ ساقط ہوگا۔ لیکن اگر عملاً انجام دینے سے معذور ہو اور قولاً اس پر قدرت رکھتا ہو۔ مثلاً دوسرے لوگوں سے ہدایت کے ذریعہ کام لے سکتا ہو تو ایسی صورت میں معاوضہ سے محروم نہ کیا جائے گا۔

نیز حاکم وقت کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ مذکورہ متولی کے ساتھ اگر وقف کے لیے ضروری ہو تو اپنی طرف سے مزید متولی کو شریک کر دے اور وقف کی آمدنی سے اول متولی کے معاوضہ کے ماسوا معاوضہ مقرر کر دے، لیکن حاکم یہ نہ کر سکے گا کہ واقف نے متولی کے لیے جو معاوضہ مقرر کیا ہو اگر اس کی مقدار زیادہ ہو تو اس میں کمی کر سکے۔

اگر واقف نے کسی متولی کے لیے یہ کہہ کر معاوضہ مقرر کیا ہے کہ یہ معاوضہ متولی کو ہر حالت میں دیا جائے گا خواہ حاکم نے کسی وجہ کی بنا پر اس کو تولیت سے علیحدہ کر دیا ہو، اور متولی کے بعد اس کی اولاد در اولاد کو ملے گا تو یہ شرط صحیح اور قابل عمل ہو گی۔[۱۰۲]

(۱۰۲) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبوعہ مجیدی، کانپور، ۱۳۴۹ ھجری، جلد ۲، صفحہ ۳۳۸

متولی کے تصرفات

۲۰۰ ـ (۱) متولی کے لیے ایسے تمام تصرفات جائز ہوں گے جو قیام وقف کی مصلحتوں پر مبنی ہوں اور واقف کی شرعی شرطوں کے مخالف نہ ہوں ۔

(۲) اگر کوئی شخص بلا کسی استحقاق و اختیار کے جائداد موقوفہ کا انتظام کرنے لگے تو وہ از روئے قانون "امین" (ٹرسٹی) متصور ہو گا اور وقف کے سلسلے میں اپنے تمام افعال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہو گا ۔

تشریح

متولی کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وقف کی آمدنی سے اس کی تعمیرات کی اصلاح کرے، اور اگر وقف پر دین کا بار ہو تو حاکم کی اجازت سے اس کی ادائیگی کی کوشش کرے بشرطیکہ وقف کی آمدنی اس صرف کے لیے موجود نہ ہو ، خواہ تعمیرات کی اصلاح کی شرط واقف نے وقف نامہ میں رکھی ہو یا نہ رکھی ہو ۔ نیز متولی کے لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ اسکے تمام تصرفات میں وقف کی بہتری کا جذبہ دیوانگی کی حد تک موجود ہو ، اس کے لیے یہ مناسب نہ ہو گا کہ جس امر کا اس کو مکلف کیا گیا ہے اس میں کوتاہی سے کام لے ۔[۱۰۳]

سوائے مستثنیات کے ، متولی پر واجب ہے کہ وہ واقف کی شرائط کا لحاظ رکھے ۔ موقوفہ کی دوکانیں ، مکانات ، زمین کو کرائے پر دینے کا حق واقف کی مقرر کردہ شرائط کے بموجب متولی کو حاصل ہوگا ۔ موقوف علیہم اس تصرف کا حق نہیں رکھیں گے، اور اس کرائے کی آمدنی پر قبضہ کرنے کا حق وقف کے متولی ہی کو حاصل ہوگا ۔ موقوف علیہم ایسا نہیں کر سکیں گے ۔ اگر اجارہ پر دینے کے بعد متولی معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ دوسرا متولی مقرر کیا گیا تو متولی ثانی کو آمدنی کرایہ کے وصول کرنے کا حق

---

(۱۰۳) اسعاف ، مطبوعہ مصر ، بولاق (۱۲۹۲ھ) ، صفحہ ۴۷
ردالمحتار ، مطبوعہ مصر ، بولاق (۱۲۹۹ھ) ، صفحہ ۵۶۲

حاصل ہو گا ۔[۱۰۴] متولی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ وقف کی زمین میں بذات خود زراعت کا عمل اختیار کرے اور اس کی آمدنی سے زراعت کے آلات و دیگر لوازمات خرید کرے اور کھیتی باڑی کرنے والے مزدوروں کو ان کی اجرت ادا کرے ۔ اس کو یہ بھی حق ہو گا کہ اگر زمین کی آباد کاری میں کاشتکاروں کے بسانے کی ضرورت ہے تاکہ وقف کی زمین کی آمدنی میں ترقی ہو ، تو اس میں ان کو آباد کر دے ۔[۱۰۵]

اسی طرح اگر موقوفہ زمین میں باغ ہے تو متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود شجرکاری کرے یا دوسرے لوگوں کو مدت معینہ پر اس شرط کے ساتھ دیدے کہ جو پھل پیدا ہوں گے اس کا نصف حصہ عامل یا عاملوں کا ہو گا اور باقی حصہ وقف کا ہوگا ۔[۱۰۶]

اگر کوئی موقوفہ زمین شہر سے اتنی قریب ہے کہ اس میں مکانات تعمیر کیے جائیں تو لوگ ان میں سکونت کی طرف پورے طور پر راغب ہوں گے، اور زراعت کی نسبت سے وقف کی آمدنی زیادہ ہو گی تو متولی کو یہ حق ہے کہ مکانات تعمیر کر دے ، لیکن مخالف صورت میں یہ تصرف جائز نہ ہوگا ۔[۱۰۷]

متولی کو یہ بھی حق ہوتا ہے کہ وہ اجارے پر دی ہوئی موقوفہ کے اجارے کو اگر وقف کے لیے مفید ہو تو فسخ کر دے خواہ خود اس

---

(۱۰۴) الردالمحتار و درمختار، مطبوعہ مصر، بولاق (۱۲۹۹ھ)، جلد ۳ صفحہ ۵۵۴
اسعاف ، مطبوعہ بولاق ، ۱۲۹۲ ہجری ، صفحہ ۵۶
تنقیح الحامدیہ ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۰۰ ہجری ، صفحہ ۲۲۸-۲۳۱

(۱۰۵) اسعاف محولہ بالا ، صفحہ ۵۸
عالمگیری ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۸۲ ہجری ، صفحہ ۳۳۱

(۱۰۶) ردالمحتار ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۹۹ ہجری ، صفحہ ۵۹۳ تا آخر
تنقیح الحامدیہ مطبوعہ مصر محولہ بالا ، صفحہ ۱۷۳
اسعاف ، محولہ بالا ، صفحہ ۷۴

(۱۰۷) عالمگیری ، محولہ بالا ، صفحہ ۳۳۲

متولی نے اجارے پر دیا ہو یا اس سے قبل کسی دوسرے متولی نے دیا ہو ۔ اجارے کی مدت قریب الختم ہو یا نہ ہو ، اور اگر وقف کا مکان کسی تعمیر کا محتاج ہو ، لیکن تعمیر کے لیے وقف میں پسماندہ رقم نہ ہو تو حاکم کی اجازت سے قرض لے کر تعمیر میں صرف کر دے ۔[۱۰۸] (اس ضمن میں رائج الوقت ملکی قانون کا لحاظ بھی ضروری ہو گا)

اگر مسجد کے اوقاف سے مسجد کی تعمیر و دیگر ضروریات ، موذن و امام وغیرہ ، پر صرف کرنے کے بعد مسجد کی مزید آمدنی باقی ہو اور متولی نے مسجد کی بہتری اور مصلحت کے لیے باجازت حاکم کوئی جائداد خرید لی تاکہ اس سے مسجد کے لیے آمدنی میں اضافہ ہو تو متولی کا یہ عمل جائز ہو گا ، لیکن یہ جائداد موقوفہ نہیں سمجھی جائے گی ، اس لیے ضرورت کے وقت اس کو فروخت کر کے مسجد کے دیگر شرعی مقاصد میں صرف کرنا جائز ہو گا ، اسی طرح اگر متولی نے وقف کی آمدنی سے کوئی جائداد خریدی تھی اور پھر اس کو فروخت کر دیا تھا ۔ اب اگر دوبارہ مشتری سے اسی قیمت پر خریدنا چاہے تو متولی ایسا کر سکے گا ، اور اگر یہ متولی معزول کر دیا گیا ہو اور دوسرا متولی اس کے قائم مقام ہوا ہو تو اس کے لیے بھی مذکورہ تصرف مذکورہ شرطوں کے ساتھ جائز ہوگا۔[۱۰۹]

اگر وقف علی الفقراء یا وقف مسجد الجامع کی آمدنی متولی کے پاس ان وقفوں کی ضرورت سے زائد جمع ہو اور اسلام پر کوئی وقت ایسا آ پڑے جس میں مال کی ضرورت ہو مثلاً دشمنان اسلام سے مقابلہ وغیرہ تو حاکم

(۱۰۸) ردالمحتار مطبوعہ مصر ، ۱۲۹۹ ھجری ، صفحات ۵۹۳-۵۸۰
عالمگیری ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۸۲ ھجری ، صفحہ ۳۳۸
(۱۰۹) اسعاف فی احکام الاوقاف محولہ بالا ، صفحہ ۴۷
رد المحتار مع در مختار محولہ بالا ، صفحہ ۵۹۲-۵۶۲
عالمگیری ، محولہ بالا ، صفحہ ۳۳۴

وقت کو یہ اجازت ہو گی کہ اس آمدنی سے قرض لے کر اس محل پر صرف کر دے اور یہ حکومت پر وقف کا دین ہو گا جو اس حالت کے دور ہو جانے کے بعد ادا کرنا واجب ہو گا، اور اگر خیرات و صدقات پر وقف کیا گیا ہو اور اس کی آمدنی اس کے موقوف علیہ سے فاضل جمع ہو نیز اس کی ضرورت کا وقف کی تعمیر کے لیے خطرہ نہ محسوس ہوتا ہو یا ضرورت ہو لیکن تاخیر کر دینا ممکن ہو، کم از کم ایک سال تک کے لیے، متولی کے لیے جائز ہو گا کہ کسی ایسے امر خیر پر جو اس کے نزدیک اس موقعہ پر صرف نہ کرنے سے ضائع ہو جائے گا یا اس امر خیر کا حصول ناممکن ہو جائے گا مثلاً دیگر فقراء کی ایک جماعت اس کی محتاج ہو یا کسی مسلمان قیدی کا دشمن کی قید سے چھڑانا ہے یا کسی غازی کی اعانت ہے، تو متولی کو اس کا بھی حق حاصل ہے، البتہ ایسے وقف کی آمدنی کا مسجد کی تعمیر یا مسافر خانہ یا پانی کے لیے کنواں کھودنے پر صرف کرنا جائز نہ ہو گا۔ یعنی جن امور میں تملیک و تملک کی صلاحیت نہ ہو وہاں صرف کرنا درست نہ ہو گا۔[110]

ناجائز تصرفات:

متولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وقف کی زمین کو اپنی ذات کے لیے اجارے پر لے لے یا اس میں سکونت اختیار کرے اگرچہ کرایہ وہی ادا کرے جو دوسرے لوگ ادا کرنے پر تیار ہوں، مگر یہ کہ حاکم کے سامنے اس معاملہ کو پیش کر کے اجازت حاصل کر لی ہو۔ یہی حکم متولی کے اصول و فروع کو اجارے پر دینے یا سکونت اختیار کرنے کی حالت میں برقرار رہے گا، نیز متولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایک سال کی آمدنی دوسرے سال میں صرف کرے الا یہ کہ واقف نے ایسی شرط کی ہو،

---

(۱۱۰) اسعاف محولہ بالا صفحہ ۳۹۳
عالمگیری محولہ بالا، صفحہ ۳۳۲

اور نہ یہ جائز ہے کہ واقف کے زمانے کی وہ تعمیرات جن سے وقف کی آمدنی ہوتی ہو، اُن میں کوئی ایسی زیادتی کرے جو واقف کے زمانے کے حالات سے مختلف ہو ۔ البتہ اگر واقف نے اس کی وضاحت کر دی ہو، یا مستحقین وقف ایسا کرنے پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوں تو ایسا کرنا جائز ہوگا ۔[111]

اگر مسجد یا مدرسہ پر وقف کیا گیا ہو اور واقف نے متولی کے لیے یہ شرط رکھی ہو کہ وہ جدید وظیفہ مقرر کر سکے گا، تو ایسی صورت میں حاکم کی اجازت کے بغیر متولی یہ عمل کر سکے گا، بصورت دیگر جائز نہ ہوگا بلکہ اب حاکم کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور حاکم بھی ایسا اس وقت کر سکے گا جب کہ ضرورت اور مصلحت کا تقاضہ ہو ۔[112]

اگر متولی کوئی ایسا امر بیان کرے جس کے کرنے کی اس کو اجازت نہ تھی ۔ اگر یہ امر ایسا ہے جس سے کسی دوسرے کی ذات پر ڈنڈ لازم آتا ہے تو متولی کے بیان کی تصدیق نہ کی جائے گی، اور اگر یہ امر ایسا ہے جس سے اپنی ذات سے ڈنڈ کو دفع کرنا مقصود ہے تو متولی کا بیان قابل قبول ہوگا اس بنا پر متولی کا وقف پر دین یا کسی عین (شئی) کا اقرار صحیح نہ ہوگا ۔[113]

متولی کو زمین موقوفہ کی آمدنی غیر امین کے پاس امانت رکھ دینے کا حق حاصل نہیں اور نہ اس کو قرض دیا جا سکتا ہے، الا یہ کہ اس آمدنی کے حق میں حفاظت کا سبب ہو ۔ اگر حاکم نے متولی کو کسی امر

---

(۱۱۱) ردالمحتار محولہ بالا صفحہ ۵۲۰، ۵۲۸، ۵۹۴
عالمگیری، محولہ بالا صفحہ ۳۳۶
تنقیح الحامدیہ، صفحہ ۲۱۹
(۱۱۲) ردالمحتار محولہ بالا صفحہ ۵۳۴ و ۵۲۲
(۱۱۳) ردالمحتار مع در مختار، محولہ بالا، صفحہ ۶۰۱
تنقیح الحامدیہ محولہ بالہ، صفحہ ۲۱۲ مع صفحہ مابعد

کے انجام دینے کا حکم دیا ہو اور متولی نے وہ کام کر دیا ہو اس کے بعد ظاہر ہوا ہو کہ یہ امر شرعاً درست نہ تھا تو اس صورت میں متولی اس کا ضامن نہ ہوگا ۔ ۱۱۴

وقف کی آمدنی کا استحقاق :

وقف کی آمدنی میں مستحقین کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آمدنی یا پیداوار وجود میں آ جائے ۔کھیتی میں جب کہ اناج بویا گیا ہو اس وقت حق پیدا ہوگا جب کہ اناج قابل قیمت قرار پا جائے اور درختوں کے پھلوں میں اس وقت جب کہ پھل ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ کسی آفت کا خطرہ نہ رہے اور اگر وقف کا مکان ہے یا زراعت کے لیے زمین اجارے پر دی گئی ہے جس کی آمدنی قسط وار ہوتی ہے تو اس وقت حق پیدا ہوگا جب کہ ہر قسط کی ادائیگی کا وقت آ جائے گا ۔ ۱۱۵

جو بچہ آمدنی کے وجود سے قبل رحم مادر میں قرار پا جائے گا وہ اس آمدنی کا حقدار مقصود ہوگا ۔ چنانچہ اگر یہ بچہ آمدنی یا قسط کے وجود سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہوگیا اور اس کی ماں ایسی حالت میں تھی کہ (اگر شوہر موجود ہوتا) تو اس سے ہم بستری حلال ہوتی مثلاً زوجہ ہوتی یا طلاق رجعی کی عدت میں ہوتی تو اس بچے کو حصہ دار سمجھا جائے گا اگر تقسیم سے قبل فوت ہوگیا تو اس کا حصہ شرعی حصہ داروں میں تقسیم ہوگا ۔ لیکن اگر وجود آمدنی چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہو اور ماں کی وہی حالت ہو جو بیان کی گئی تو پھر یہ وقف کی آمدنی کا مستحق نہ ہوگا ۔۱۱۶

---

(۱۱۴) تنقیح الحامدیہ محولہ بالا صفحہ ۲۲۹
مابعدہ فتاوی القرویہ، مطبوعہ مصر، ۱۲۸۱ ہجری، صفحہ ۲۲۶
(۱۱۵) محولہ بالا صفحہ ۶۰۶ تا آخر
(۱۱۶) ردالمحتار محولہ بالا ، صفحہ ۶۰۶

وقف علی الاولاد میں آمدنی کا حق آمدنی کے وجود کے وقت سے پیدا ہوگا نہ کہ وقف کرنے کے وقت سے لہٰذا جو اولاد وقف کرنے کے وقت موجود تھی اور جو اس کے بعد پیدا ہوئی لیکن آمدنی کے وقت موجود تھی برابر کی مستحق ہوگی، اور حمل وقف علی الاولاد میں داخل ہوا کرتا ہے۔[۱۱۷]

وقف فقراء قرابت میں آمدنی کے وجود کے وقت فقیر ہونے کا اعتبار ہوگا۔ لہذا اس وقت جو فقیر ہوگا وہ آمدنی کے حصہ کا مستحق ہوگا۔ اگرچہ بعد میں غنی ہو جائے۔ یا اس سے قبل غنی ہو، اگر وقف کی آمدنی دو سال تک مؤخر رہی تو جو لوگ ان سالوں کی آمدنی کے وقت فقیر ہوں گے وہ ہر سال کی آمدنی سے اپنے حصہ کے مستحق ہوں گے اور ہر مابعد کے سال میں اول کے حصہ کی بنا پر غنی متصور نہ ہوں گے چنانچہ اول سال کی آمدنی کا حصہ جب دیا گیا تو اس حصہ پر مستحق کے قبضہ کر لینے کے بعد یہ تصور نہ کیا جائے گا کہ وہ مالدار ہو گیا بلکہ اس کے بعد دوسرے سال کے وظیفہ کا مستحق رہے گا۔[۱۱۸]

وقف کی آمدنی میں مستحقین کو اس وقت حق پیدا ہوتا ہے جب کہ تمام وقف کے مصارف ضروریہ سے مثلاً عشر و خراج دین و عمارت کی اصلاح سے آمدنی فارغ ہو جائے۔ لیکن جب تک اس قسم کے بار وقف پر موجود ہوں آمدنی مستحقین کو نہ دی جائے گی، چنانچہ اہل وقف کے مستحقین کو حسب شرائط واقف اس خالص آمدنی سے ان کا مقررہ وظیفہ دیا جائے گا۔ اور جو مستحق غائب یا مفقود کا درجہ پا گیا ہو اس کا وظیفہ بغیر کسی شرعی وجہ کے کسی دوسرے مستحق کو نہ دیا جائے گا۔ جب متولی وقف کی آمدنی پر قبضہ کرلے اور ادائیگی وظائف کا وقت آ جائے تو اہل وقف کو متولی سے اپنے وظیفہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن اس سے قبل

---

(۱۱۷) ردالمحتار محولہ بالا، صفحہ ۶۰۹

(۱۱۸) ردالمحتار محولہ بالا، صفحہ ۶۰۹

حاصل نہ ہوگا۔ ایک مستحق کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اگر اس پر کسی کا دین ہے تو وہ اپنے دائن کو متولی وقف سے اپنے وظیفہ پر قبضہ کرنے کا وکیل بنا دے یا متولی کی طرف حوالہ دیدے لیکن حوالہ کی صورت میں متولی کا حوالہ کو قبول کرنا اور آمدنی کا اس کے قبضے میں آ جانا لازمی ہوگا۔ اور جس وظیفہ کا موقوف علیہ کسی آئندہ زمانے میں مستحق ہوگا اس کے متعلق حوالہ دینا درست نہ ہوگا۔[119]

اگر کسی مستحق نے کسی دوسرے شخص کے حق میں یہ اقرار کیا کہ اس کے وظیفہ کا یہ شخص مستحق ہے وہ خود نہیں ہے اور دوسرے شخص نے اس کی تصدیق کر دی تو یہ دوسرا شخص مستحقین میں شمار ہوگا اور پہلا ہمیشہ کے لیے اس حصہ سے محروم سمجھا جائے گا خواہ یہ امر وقف نامہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر جب اقرار کرنے والا فوت ہو جائے اور جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے زندہ موجود ہو تو یہ وظیفہ اس جانب رجوع کر جائے گا جو واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہوگا لیکن ایک مستحق کا اپنے حق کو کسی دوسرے کے حق میں ساقط کر دینا بعوض یا بلاعوض جائز نہ ہوگا۔[120]

---

(۱۱۹) در مختار مع ردالمحتار محولہ بالا صفحہ ۵۲۲
تنقیح الحامدیہ ، محولہ بالا صفحہ ۱۸۸ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۲۹۳

(۱۲۰) ردالمحتار ، محولہ بالا صفحہ ۵۸۲ ، ۵۸۳

اشاریہ

موضوع وار

—×××—

نفقہ اولاد

—×××—

وقف

اشاریہ

نام وار

کتب استفادہ و حوالہ

احکام الاوقاف، شفیق العانی، مطبوعہ بغداد، عراق ۱۹۶۰ع

احکام الاوقاف، خصاف (۲۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۶ھ

احکام الاوقاف، مصطفےٰ زرقا، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۶ھ

احکام الوقف، عبدالوہاب الخلاف، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ھ

الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، (۶۸۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۱ع

الاستبصار، جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۴۶۰ھ)، مطبوعہ نجف، جلد ۴

الاسعاف فی احکام الاوقاف، مطبوعہ بولاق، (مصر)، ۱۲۹۲ھ

الاقناع شرف الدین المقدسی، مطبوعہ مصر، جلد ۳ و ۴

الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ، محبوب المطابع دہلی، ۱۳۵۰ھ

السنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ دکن، جلد ۸

المبسوط، امام سرخسی (۴۸۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۲

المجلۃ الاحکام العدلیہ مع شرح الاتاسی مطبوعہ حمص، ۱۹۳۰ع

المحرر فی الفقہ، مجدالدین ابو البرکات، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ھ، جلد اول

المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ھ، جلد ۶

المختصر المزنی، آخر جلد کتاب الام، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۱ھ

المختصر، القدوری، علامہ ابوالحسن قدوری مطبوعہ مصر، ۱۳۳۰ھ

المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ھ، جلد ۷

المھذب، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی (۴۷۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ع، جلد ۱

الوقف، شیخ ابوزہرہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ع

انڈین لا رپورٹ، کلکتہ جلد ۲۲، ۱۸۹۴ع

بحرالرائق، ابن نجیم مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ھ، جلد ۳

بدائع الصنائع، امام کاسانی، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، جلد ۳

پی ایل ڈی، ۱۹۵۰ع، پشاور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۱ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۲ع

پی ایل ڈی، ۱۹۵۳ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۵ع، ڈھاکہ

پی ایل ڈی، ۱۹۵۵ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۶ع، پشاور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۷ع، پشاور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۷ع، کراچی

پی ایل ڈی، ۱۹۵۷ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۵۸ع، ڈھاکہ

پی ایل ڈی، ۱۹۵۸ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۶۰ع، ڈھاکہ

پی ایل ڈی، ۱۹۶۰ع، کراچی

پی ایل ڈی، ۱۹۶۰ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۶۱ع، کراچی

پی ایل ڈی، ۱۹۶۱ع، لاہور

پی ایل ڈی، ۱۹۶۳ع، بغداد الجدید

پی ایل ڈی، ۱۹۶۳ع، کراچی

پی ایل ڈی، ۱۹۶۳ع، ڈھاکہ
پی ایل ڈی، ۱۹۶۳ع، سپریم کورٹ
پی ایل ڈی، ۱۹۶۵ع، سپریم کورٹ
پی ایل ڈی، ۱۹۶۵ع، کراچی
پی ایل ڈی، ۱۹۶۶ع، آزاد جموں و کشمیر
پی ایل ڈی، ۱۹۶۶ع، لاہور
تفسیر المنار، علامہ عبدہ، مطبوعہ مصر، جلد ۳
تفسیر البیضاوی، علامہ بیضاوی، مطبوعہ مصر، جلد اول
تفسیر الکشاف، علامہ کشاف، مطبوعہ بیروت،
جواہر الاکلیل، شرح مختصر الخلیل، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۷ع، جلد ۲
ڈائجسٹ آف محمڈن لاء، بیلی، جلد ۲
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ، مطبوعہ مصر،
زاد المعاد، ابن قیم (اردو ترجمہ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد ۳
سنن، ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی
سنن، نسائی، مطبوعہ کراچی
شرائع الاسلام، نجم الدین، جعفر الحلی (۶۷۳ھ)، مطبوعہ بیروت، جلد اول
شرح وقایہ، مطبوعہ دیوبند جلد ۲
صحیح بخاری، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ جلد ۳
صحیح مسلم مع شرح نووی، از امام نووی، مطبوعہ مصر،
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، امام عینی، کتاب الوصیت، جلد ۶
عنایہ برحاشیہ فتح القدیر، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ھ
فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ع، جلد ۵ اور ۱۳
فتح القدیر، ابن ہمام، شیخ کمال الدین (۸۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ھ جلد ۳
فتح المعین، مطبوعہ مصر،
قانون الاحوال الشخصیہ، شام
قانون الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۹ع، عراق
قانون المصری، نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ع
قانون جواز اوقاف مسلمانان ایکٹ نمبر ۶، بابت ۱۹۱۳ع
قانون الوصیتہ مصر، مطبوعہ مصر، ۱۹۴۳ع
قرآن حکیم
کتاب الرسالہ، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ
کتاب الام، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۱ھ،
کلکتہ ویکلی رپورٹ، ۱۸۷۱ع
کنز الدقائق، عبد اللہ نسفی، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۳۸ھ
مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تیونس
مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ھ جلد ۱
مجموعہ قوانین اسلام، تنزیل الرحمن، مطبوعہ لاہور، جلد اول
مدونہ، امام سحنون (۲۴۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ ہجری، جلد ۱۳
مشکوٰۃ، مطبوعہ کراچی،
مؤطا امام مالک مع شرح زرقانی مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ھ جلد ۴
میزان الکبریٰ، شعرانی، مطبوعہ مصر، جلد ۲
میجاریٹی ایکٹ، ۱۸۷۵ع
ہدایہ، برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ)، مطبوعہ کراچی، جلد ۳
۱۸۸۱، آئی - اے
(۱۹۲۱ع) ۴۸، آئی - اے، ۱۱۳
۱۹۲۷ع، ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۲۷=۱۹۲۷ع آل انڈیا رپورٹر پریوی کونسل، ۲۲

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی علمی و تحقیقی کاوشوں میں ایک اہم کوشش یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ اردو میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اب تک اس مجموعے کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کی پذیرائی قانون داں طبقے نے ہی نہیں دینی حلقوں نے بھی کی، جو اس بات سے واضح ہے کہ اس مجموعے کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جلد اوّل: قوانین نکاح، مہر اور نفقۂ زوجہ سے متعلق ہے۔

جلد دوم: قوانین طلاق، خلع و مبارأت، تفریق اور عدت پر مشتمل ہے۔

جلد سوم: قوانین نسب اولاد و حضانت، نفقۂ اولاد و آباء، ہبہ اور وقف پر مشتمل ہے۔

جلد چہارم: قانون وصیت سے متعلق ہے۔

جلد پنجم: قانون وراثت اور اس کی جزئیات پر مشتمل ہے۔

جلد ششم: قانون شفعہ اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد